۱۵۷۔ بزرگانِ لاہور کا مستند تذکرہ

بزرگانِ لاہور

مولانا پیر غلام دستگیر نامی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبۃ المدینہ

مرکز فیضان مدینہ

محلہ سوداگران پرانی سبزی منڈی کراچی، پاکستان

4940443-4921889-90

۱۵۷- بزرگانِ لاہور کا مستند تذکرہ

بزرگانِ لاہور

مولانا پیر غلام دستگیر نامی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۸۱ھ ، ۱۹۶۱ء

تعارفِ مؤلف

حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری

مکتبۃ المدینہ

مرکز فیضان مدینہ، محلہ سوداگران سبزی منڈی کراچی۔

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ
وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

نام کتاب ---------- بزرگانِ لاہور
مصنف ---------- مولانا پیر غلام دستگیر نامی رحمۃ اللہ علیہ
موضوع ---------- حالات بزرگانِ دین
بار اوّل ---------- ۳۰۰۰ ہزار
صفحات ---------- ۳۰۴
ناشر ---------- مکتبۃ المدینہ، کراچی
تعداد ---------- تین ہزار
قیمت ---------- روپے

ملنے کا پتہ

مکتبة المدینه

مرکز فیضان مدینہ محلہ سوداگران سبزی منڈی کراچی 4940443
شہید مسجد کھارادر کراچی 2314045
داتا دربار مارکیٹ لاہور، 7115178
اصغر مال روڈ نزد عیدگاہ راولپنڈی 4411665
امین پور بازار فیصل آباد 632625

فہرست

بزرگانِ لاہور

سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ

سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ

سلسلہ چشتیہ کے بزرگ

باب پنجم۔ لاہور کے متفرق خانوادوں کے بزرگوں کا ذکر

ان بزرگوں کا حال جن کی رحلت کی تاریخ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی

مزارات احاطہ تکیہ املی والا موجودہ شہر لاہور

مقدّمہ

(از پروفیسر محمد شجاع الدین صاحب ایم اے صدر شعبۂ تاریخ دیال سنگھ کالج لاہور)

مخدوم غلام دستگیر نامی لاہور کے ایک مقتدر تاریخی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ تاریخی اعتبار سے جتنا طویل تعلق اِن کے خاندان کا لاہور شہر سے ثابت ہوتا ہے اتنا کسی اور خاندان کا نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ شاید ہی کسی خاندان کی تاریخ اِس قدر مفصل اور مستند حالت میں محفوظ ہو۔ اس خانوادۂ عالیہ کے بزرگوں نے اپنے حالات اور اپنے آباء کے علمی کمالات کو محفوظ رکھا۔ ہمارے اپنے زمانے میں نامی صاحب نے متعدد کتابیں اپنے بزرگوں کی تاریخ پر شائع کیں اور اُن کے علمی، روحانی اور تبلیغی کارناموں سے لوگوں کو رُوشناس کرایا۔ اِس سلسلہ میں چار سو صفحے کی ضخیم کتاب "تاریخِ جلیلہ" کے دو ایڈیشن قابلِ ذکر ہیں۔ اپنے خاندان کی تاریخ کے علاوہ بے شمار تاریخی مذہبی اور تبلیغی کُتب و رسائل انہوں نے شائع کیے۔ نامی صاحب ۱۶ دسمبر ۱۹۶۱ء کو اِس دُنیا سے رخصت ہوئے اور اِن کی وفات نے نہ صرف ایک علمی شخصیت سے ہمیں محروم کر دیا بلکہ قدیم تمدن اور ثقافت کے ایک روشن باب کو ختم کر دیا۔

مخدوم غلام دستگیر نامیؔ اپنے یومِ وفات تک علمی اور ادبی کاموں میں مصروف رہے۔ سادہ لباس مخلصانہ کلام بے لوث محبت اور بے انتہا علمی شغف کا پیکر وہ مردِ پیر جو ہاتھ میں کپڑے کا چھوٹا سا تھیلا لئے لاہور کی سڑکوں پر عموماً پیدل گھومتا۔ کتب فروشوں کی دوکانوں اور علمی مراکز کے طواف کرتا نظر آتا ناواقف لوگ اسے نامعلوم گیا سمجھ کر پاس سے گزر جاتے۔ واقفِ حال لوگ ٹھٹھک کر سلام کرتے اور وہ پیکرِ خلوص اور سادہ دل انسان مسکرا کر ان کی باتوں کا جواب دیتا۔ یہ درویش وضع بزرگ ہزاروں ایکڑ زمین کا مالک اور لاکھوں کی جائیداد کا متولی تھا۔[1] ان کے خاندان کے لاکھوں معتقد اور مرید تھے اور ان کے آباء صدیوں سے جادۂ روحانیت کے یکہ تاز چلے آرہے تھے۔ نامیؔ نے کبھی اپنے بزرگوں کی روحانیت کو جلبِ زر کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ تمام عمر سرکاری ملازمت کر کے اپنا اور اپنے متوسلین کا پیٹ پالا اور لمحاتِ فرصت مذہبی رسائل اور تاریخی کتب کی تسوید و تالیف میں گزارے۔ ان کی وضعِ زندگی اور تاریخ سے ان کی دلچسپی مجھے بے حد عزیز تھی۔ اگرچہ مرحوم کے خاندان سے ہمارے بزرگوں کے صدیوں سے مخلصانہ اور محبانہ تعلقات چلے آرہے تھے۔ تاہم میری اور ان کی دوستی کی بنیاد علمِ تاریخ سے شغف پر تھی۔

مخدوم غلام دستگیر نامیؔ کے خانوادۂ عالیہ کا تعلق شہرِ لاہور سے سلطان قطب الدین ایبک کے زمانہ سے چلا آرہا ہے۔ اُس دور میں سید احمد توختہ یہاں سکونت گزین ہوئے۔ یہ بزرگ حضرت امام علی زین العابدین کے صاحبزادے حضرت علی افطن کی اولاد سے تھے۔ سید صاحب مدتوں یہاں مقیم رہے۔ لاہور میں ایمپرس روڈ پر بیبیاں پاک دامن کے مزارات ہیں۔ جن سے باشندگانِ لاہور کو بے حد عقیدت ہے۔ یہ بلند مرتبہ خواتین حضرت سید احمد توختہ کی اولاد تھیں۔ سید صاحب مذکور کی ایک صاحبزادی حضرت بی بی حاج

---

[1] یہ جائیداد پیر محمد اشرف عالم شاہ کے انتقال کے بعد نامی صاحب کی بیوی کو بطور ورثہ ملی تھی اور اوقاف کی تولیت نامی صاحب کو۔ مگر مالی نفع حاصل کرنا۔ ۱۲

کی شادی شہزادہ بہاؤالدین سے ہوئی۔ یہ بزرگ ہاشمی الاصل تھے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی۔ ابو سفیان بن حارث بن عبدالمطلب کی اولاد سے تھے۔ اس شادی کے وقت یہ خاندان کیچ کران (حال واقع قلات ڈویژن پاکستان) میں حکمران تھا۔ مگر بہاؤالدین کے صاحبزادے حمید الدین حاکم نے سلطنت چھوڑ کر درویشی اختیار کی اور اپنے نانا سید احمد توختہ سے شطاریہ سلسلہ میں خرقۂ خلافت لیا۔ جنیدیہ سلسلہ کا خرقہ ان کے خاندان میں چلا آتا تھا۔ سہروردیہ سلسلہ میں آپ حضرت رکن عالم ملتانی کے مرید تھے۔

یہ حضرت رکن عالم وہی بزرگ ہیں جن کا فلک بوس مقبرہ ملتان میں پاکستانی فنِ تعمیر کی ایک درخشاں یادگار ہے۔ یہ تمام سلسلے حضرت علی المرتضیٰ کے واسطے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتے ہیں۔ سلطان التارکین حضرت حمید الدین حاکم کا مزار مو مبارک (بہاولپور ڈویژن) میں ہے۔ اُن کی اولاد سے حضرت عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی لودھیوں کے دور میں لاہور آئے اور یہاں ایک خانقاہ قائم کی اور مدتوں گم رہانِ وادیٔ کفر کو راہِ ہدایت دکھاتے رہے اور وسطی پنجاب کے بہت سے راجپوت خاندان ان کی سعی سے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ آپ ۹۱۰ھ (مطابق ۱۵۰۴ء) راہیٔ ملکِ عدم ہوئے۔ سلطان بہلول لودھی نے ان کی روحانیت اور علمیت سے متاثر ہو کر اپنی ایک صاحبزادی کی ان سے شادی کر دی تھی۔

حضرت عبدالجلیل کی خانقاہ دورِ اسلامیہ میں صدیوں قائم رہی اور ان کے اخلاف خلقِ خدا کی روحانی اور ذہنی تربیت میں مصروف رہے۔

اٹھارویں صدی عیسوی کا دوسرا نصف پنجاب کی تاریخ کا بدترین زمانہ ہے۔ اس دور میں مرہٹوں، سکھوں اور درانیوں کی پیہم فتنہ آرائی سے نظامتِ لاہور کا شیرازہ بکھر گیا اور انتشار و طوائف الملوکی کا دروازہ کھل گیا۔ شہر تباہ ہو گئے۔ صنعت و تجارت کا خاتمہ ہو گیا۔ مدرسے اور کتب خانے لُٹ گئے اور مسجدوں میں گھوڑے بندھنے لگے۔ ان حالات میں پیر کرم شاہ جو اس خانوادہ کے سرپرست اور درگاہ جلیلیہ کے سجادہ نشین تھے۔ مع اہل و عیال اپنے خسر گوڑ

الحسن عقیلی ہاشمی کی ملاقات کے لئے ۱۱۹۶ھ میں لکھنو روانہ ہوئے۔ ڈیڑھ سال وہاں قیام کیا آخر حبِ وطن نے جوش مارا اور آپ سب کے سمجھانے کے باوصف مُراجعت فرمائے لاہور ہوئے۔ شاہ جہاں پور کے قریب ان کے قافلے پر قزاقوں نے حملہ کر دیا اور آپ شہید ہو گئے۔ یہ واقعہ ۱۲۰۰ھ کا ہے۔ ان کے فرزند حضرت مُراد شاہ تھے اُردو فارسی کے شاعر اور علم دوست بزرگ تھے۔ مُراد شاہ اُن اربابِ علم میں سے ہیں جنہوں نے لفظ "اُردو" زبان کے معنوں میں پہلی دفعہ استعمال کیا۔ ان کی کتابوں میں مُراد العاشقین ما مریداں۔ مراد المحبین۔ دیوانِ مُراد اور نامہ مُراد چھپ چکی ہیں۔ قلندر شاہ ان کے بھائی تھے۔ یہ بزرگ بھی علم دوست اور صاحبِ تصنیف تھے۔ ان کے پوتے پیر اشرف عالم المتوفی ۷ ۲ جولائی ۱۹۳۲ء اپنے دور میں بڑے مقتدر تھے۔ ناؔمی صاحب انہیں کے بھانجے تھے۔

آخر عمر میں ناؔمی صاحب لاہور کے اولیاءُ اللہ کے بارے میں یہ کتاب تالیف فرما رہے تھے کہ موت نے انہیں مُہلت نہ دی کہ کتاب کو حُلیۂ طبع سے مُزین دیکھتے۔ بہر حال عزیزی قیم افضل صاحب کی سعی سے یہ کتاب قارئینِ کرام کے ہاتھوں میں ہے۔

ناؔمی صاحب پُرانی وضع کے علم دوست بزرگوں میں سے تھے جن کا اوڑھنا بچھونا علمی تحقیق تھا اور لمحاتِ فرصت کو وہ علمی کاموں میں صرف کرتے تھے۔ افسوس ہے کہ پُرانی وضع کے یہ بزرگ کمیاب ہوتے جا رہے ہیں۔ منشی محمد دین فوق بھی اسی مکتبِ خیال کے رکن تھے۔ ہمارے محترم اور مکرم دوست عبداللہ قریشی بھی اسی ذوق کے مالک ہیں۔ افسوس ہے کہ ہماری نئی نسل کے لوگوں کو باوجود کالجوں کی اعلیٰ تعلیم اور بڑی بڑی ڈگریوں کے مخلصانہ علمی اور تاریخی ذوق میسر نہیں۔

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے تیرا
کہاں سے آئے صدا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ

ناؔمی صاحب کی موت نے قوم کو ایک جفاکش مورخ ایک مُخلص مصلح ایک صالح پیرزادہ اور ایک نیک دل انسان سے محروم کر دیا ہے۔ خانوادۂ جلیلہ ایک ایسے فرزند سے

محروم ہو گیا جس نے سلف صالحین کے نقشِ قدم پر چل کے تالیف و تصنیف کو اپنا طریق کار بنایا اور ایک ایسا صالح ادب تخلیق کیا جو ہمارے قومی ادب کی تاریخ کا ایک درخشاں باب ہے۔ یوں تو ہر روز ہزاروں انسان پیدا ہوتے اور مرتے ہیں اور ناؔمی صاحب ۷۸ سال کی طویل اور کامیاب اور پاکباز زندگی بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے اس کے باوصف مجھے ان کی موت کا بے حد صدمہ ہوا وہ میرے تین پشتوں کے دوست تھے۔ پرانی ثقافت اور پرانی تہذیب پر پہروں ان سے گفتگو ہوتی اور دامنِ علم معلومات کے موتیوں سے بھر جاتا۔ میں اکثر بھلا پھسلا کر ان کے زیرِ تحویل اوقاف کی آمدنی سے پُرانے خاندانی مخطوطات کی اشاعت پر انہیں تیار کرتا۔ باوجودیکہ بہت سی کتابیں میری تحریک پر یا آج سے نصف صدی قبل میرے نانا صاحب مرحوم کی ہدایت پر وہ شائع کرتے رہے پھر بھی چند ایک غیر مطبوعہ کتابیں حُلیۂ طبع سے پیراستہ نہ ہو سکیں۔

میرا خیال ہے کہ یہ کتاب "بزرگانِ لاہور" ناؔمی صاحب کی آخری یادگار ثابت ہو گی اور اہلِ ذوق حضرات اس سے بہرہ اندوز ہوں گے۔ اس میں لاہور کے قدیم و جدید بزرگوں اور عالموں کے سوانحِ حیات شامل ہیں۔ ان بزرگوں کی زندگیاں اُن کا طریق کار اور تعلیمات نئی نسل کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہو سکتی ہیں بے راہ روی کے موجودہ دور میں جب نئی پود سے مستقبل کے بارے میں ہر حساس انسان پریشان نظر آتا ہے۔ بزرگانِ دین کے حالات کا مطالعہ ہماری نسلِ نو کے دل میں اسلامی اور قومی جذبہ بیدار کر سکتا ہے۔

محمد شجاع الدین
صدر شعبہ تاریخ
دیال سنگھ کالج لاہور

لاہور
مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۶۲ء

تعارف: پیر غلام دستگیر نامی

از

(حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امر تسری)

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

مصنف کتاب ہذا حضرت مولانا پیر غلام دستگیر نامی رحمتہ اللہ علیہ لاہور کے ایک قدیم علمی خاندان اور روحانی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے مورثِ اعلیٰ قطب العالم حضرت شیخ عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی داماد سلطان بہلول لودھی علیہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۹۱۰ھ) لاہور کے اولین سہروردی مُبلغ اسلام بزرگ ہیں' جن کی بدولت پنجاب میں سلسلہ سہروردیہ کو بہت زیادہ فروغ ہوا۔ اور جن کی تبلیغی مساعی سے کئی قبائل حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ حضرت عبدالجلیل سے لے کر جناب نامی تک اس خاندانِ جلیلہ میں بہت سے رُوحانی پیشوا اور خادمِ علم و ادب بزرگ پیدا ہوئے جن میں سے حضرت جمال الدین[۱] ابو بکر مصنف "تذکرہ قطبیہ" پیر قلندر شاہ (متوفی ۱۲۲۸ھ) پیر مُراد شاہ (متوفی ۱۲۱۵ھ) پیر سکندر شاہ امداد (متوفی ۱۲۱۰ھ) پیر نبی بخش (متوفی ۱۲۹۸ھ) پیر فرخ بخش فرحت (متوفی ۱۲۵۰ھ) اور پیر غلام محی الدین شاہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) خاص طور پر مشہور ہوئے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

پیر قلندر شاہ اور پیر مُراد شاہ پنجاب کے اولیں ریختہ گو شعرا میں شمار ہوتے ہیں' یہ دونوں بزرگ اگرچہ فارسی میں کہتے تھے۔ مگر انہوں نے اُردو میں بھی دادِ سخن دی ہے۔ پیر وزیر علی شاہ حامی (متوفی ۱۳۴۹ھ) حضرت نامی کے بڑے بھائی اور داغ دہلوی مرحوم کے

۱۔ آپ حضرت عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی کے چھوٹے بھائی تھے اور عہد شیر شاہ سوری آگرے میں فوت ہو کر وہیں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ

شاگرد تھے' اُن کا نعتیہ کلام چھپ چکا ہے۔ پیر غلام محی الدین شاہ بن حضرت قلندر شاہ حضرت نامی کے نانا تھے۔ پیر فرخ بخش فرحت نامی صاحب کے والد ماجد جناب پیر حامد شاہ مرحوم کے نانا تھے' پیر نبی بخش مولانا نامی کے پیر دادا تھے' جن کا نسب آٹھ واسطوں سے قطب العالم حضرت عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی قُدِّسَ سِرُّہٗ تک پہنچتا ہے۔[۲]

جناب پیر غلام دستگیر نامی قُدِّسَ سِرُّہٗ النّامی ابن پیر حامد شاہ مرحوم ۲۳ جمادی الآخر ۱۳۰۰ھ مطابق یکم مئی ۱۸۸۳ء بروز سہ شنبہ دن کے گیارہ بجے' اپنے نانا پیر غلام محی الدین شاہ مرحوم کے مکان واقع "رتہ پیراں" ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ایک پھوپھی نے حضرت مولانا غلام دستگیر ہاشمی قصوری مرحوم (متوفی ۱۳۱۵ھ) کے نام پر آپ کا نام رکھا۔ خود فرماتے ہیں۔

زلوم و گشتم غلام دستگیر ہمام نیک مولانا قصوری
من شدم نامی بنام دستگیر غلام دستگیر نام کردہ

آپ کے والد ماجد پیر حامد شاہ آپ کی پیدائش کے وقت "شرقپور" میں تحصیل کے اہل کار تھے' تین سال بعد یہاں سے اُن کا تبادلہ لاہور ہو گیا اور وہ اپنے اہل و عیال کو لاہور لا کر پیر غلام محی الدین شاہ کے لاہور والے مکان واقع محلہ چلہ بیبیاں میں سکونت پذیر ہو گئے۔ یہاں اُنہوں نے نامی صاحب کو مُلا مجید کی مسجد واقع محلہ چلہ بیبیاں میں نومبر ۱۸۹۰ء میں مولانا محمد بخش بُلبُل (متوفی ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء) برادرِ اکبر مولانا غلام دستگیر ہاشمی

۲۔ ان میں سے اکثر بزرگوں کے حالات کتاب ہذا میں بسلسلہ حالات مشائخ سہروردیہ' موجود ہیں' لہٰذا تفصیلی تعارف کی یہاں ضرورت نہیں۔ علاوہ ازیں "تاریخ جلیلہ" "سفینۃ الاولیاء" مترجمہ و مرتبہ نامی شائع کردہ ستار بک ڈپو اُردو بازار لاہور اور "اذکار قلندری" (فارسی) از فرخ بخش فرحت میں اس خانوادہ جلیلہ کے مکمل حالات مندرج ہیں۔ شائقین ان کتابوں کو ملاحظہ فرمائیں۔

قصوری کے پاس قرآن مجید پڑھنے کے لئے بٹھا دیا۔ نومبر ۱۸۹۱ء میں آپ نے قُرآن مجید ختم کر لیا پھر آپ کو اُنہوں نے اسلامیہ سکول کی برانچ واقع حویلی کابلی مل کی دوسری جماعت میں داخل کرا دیا۔ اس کے بعد پیر حامد شاہ کا تبادلہ "قصور" ضلع لاہور ہو گیا اور ناؔمی صاحب وہاں ۱۸۹۴ء کے درمیانی ربع میں قصور گورنمنٹ سکول کے طالب علم رہے۔ زمانۂ قیام قصور میں آپ کے والد ماجد ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۴ء مطابق ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۲ھ کو انتقال کر گئے اور آپ یتیم ہو کر "رتہ پیراں" چلے گئے اور ایک سال تک وہاں مقیم رہے۔

۱۸۹۵ء میں آپ پھر لاہور آئے اور یہاں اسلامیہ سکول شیرانوالہ گیٹ کی پانچویں جماعت میں داخل ہو گئے۔ یہیں سے ۱۹۰۳ء میں فسٹ ڈویژن میں انٹرنس پاس کیا۔ سکول میں پڑھنے کے ساتھ ساتھ آپ لاہور کے اور بزرگوں سے بھی مُستفیض ہوتے رہے۔ چنانچہ جناب پروفیسر شجاع الدین صاحب صدر شعبہ تاریخ دیال سنگھ کالج لاہور کے نانا صاحب محمد نجم الدین مرحوم اور مولانا علامہ اصغر علی روحی مرحوم جیسے فضلا سے خاص طور پر کسبِ فیض کیا۔ نیز دیگر متعدد اہلِ علم حضرات کی صُحبتوں نے آپ کے ذوقِ علمی کو دوبالا کر دیا۔ ذہن چونکہ بے حد رسا پایا تھا۔ اس لئے بہت جلد ایک اچھے مضمون نگار، مصنف، شاعر، تاریخ گو، ماہر قانون وراثت اور ماہر علم الانساب کی حیثیت سے مشہور ہو گئے۔

آپ نے اگرچہ کسی دینی مدرسے میں باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ مگر آپ کی دینی و مذہبی معلومات کسی سے کم نہ تھیں۔ اردو، فارسی اور انگریزی کے بہت اچھے ماہر ہونے کے ساتھ عربی بھی جانتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ آپ ایک ایرانی شیعہ عالم کی عربی کتاب کے کچھ اقتباسات لے رہے تھے، دورانِ ترجمہ ایک مقام پر آپ کو کچھ دقت محسوس ہوئی۔ چنانچہ آپ نے دو ایک فاضل عربی مولویوں کو دکھایا تو وہ بھی اسی مقام پر اٹک کر رہ گئے۔ بالآخر خود ہی اُس مسئلے کو سلجھایا اور خُوب سلجھایا۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود آپ سے کوئی پوچھتا کہ آپ کی تعلیم کہاں تک ہے تو کہتے کہ "میں بالکل معمولی پڑھا لکھا انسان ہوں مجھ میں ہرگز کسی قسم کی لیاقت اور قابلیت نہیں ہے۔"

تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ کو تلاشِ معاش کا فکر دامن گیر ہوا۔ کیونکہ بزرگوں کی اُستخواں فروشی آپ پسند نہ کرتے تھے اور نہ ہی آپ کے بزرگوں میں سے کسی نے یہ شغل اختیار کیا تھا۔ چنانچہ سب سے اوّل چند ماہ محکمہ ریلوے میں ملازمت کی، پھر ڈاک خانہ میں بھرتی ہو کر ٹیلی گرام کی ٹریننگ حاصل کرنے لگے، اسی اثناء میں ڈپٹی کمشنر لاہور نے انٹرنس پاس مسلمانوں کو ضلع کچہری میں ملازمت کے لئے طلب کیا تو آپ نے ضلع میں چھ ماہ بے تنخواہ اُمیدواری کی۔ جس کے بعد آپ کو یکم مئی ۱۹۰۵ء سے تحصیل لاہور میں مستقل ملازمت مل گئی مگر یہاں کی رشوت ستانی کی فضا آپ کے مزاج کے ناموافق ثابت ہوئی اس لئے کسی اور جگہ کے لئے کوشاں رہے چنانچہ ۱۹۰۶ء میں محکمہ تعلیم میں ملازمت مل گئی اور آپ آخر تک اسی سے منسلک رہے۔ اس محکمہ میں آپ مختلف کاموں پر مامور رہے۔ بالآخر سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں تبادلہ ہو گیا اور یہاں خازن رہ کر ۱۹۳۸ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔

حضرت ناؔمی صاحب کو بچپن ہی سے اپنے خاندان کے بزرگوں سے بڑی عقیدت تھی اور اُن کے حالات و کمالاتِ علمی اور نسب وغیرہ معلوم کرنے کا بے حد شوق تھا۔ اس لئے آپ اپنے بزرگوں کے بعض ملفوظات کا مطالعہ کرنے لگے، اسی سلسلے میں آپ کو دیگر کُتب تواریخ و سیر کا بھی گہرا مطالعہ کرنا پڑا۔ اس طرح آپ کو کُتب بینی کا شوق ہوا اور پھر علم سے نسبت گہری پیدا ہو کر ذوقِ مطالعہ اور شوقِ حُصولِ علم روز بروز بڑھتا چلا گیا۔

آپ نے ۱۹۰۰ء میں اینگلو ورنیکلر کا امتحان پاس کیا ہی تھا کہ خاندانی شجرہ نویسی کا شوق دامن گیر ہو گیا۔ آپ کے ماموں پیر محمد اشرف عالم شاہ رئیس لاہور و جاگیردار "رتہ پیراں" کو اس کا علم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور کہا کہ "تمہیں کوئی بیرونِ برادری رشتہ کرنا ہے، جو اس قدر مینا کاری چھانٹتے ہو۔" ناؔمی صاحب اپنے شوق میں یہ رکاوٹ پا کر بہت پریشان ہوئے اور الگ بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ جناب ناؔمی صاحب راقم الحروف کو بتایا کرتے تھے کہ "مجھے یہ رکاوٹ بار بار پیش آتی رہی اور میں بھی دھن کا پکا رہا۔" آپ کو فی الحقیقت اس کام سے عشق تھا چنانچہ کوئی رکاوٹ آپ کے ارادوں کو متزلزل نہ کر سکی اور آپ

بدستور شجرہ نویسی اور بزرگوں کے حالات معلوم کرنے میں لگے رہے۔ حتیٰ کہ کئی ضخیم دفتر مُرتب کر لئے۔

آپ نے ان ہی قلمی رجسٹروں میں سے اخذ کر کے "بشیر و شکر" اور "نسب نامہ رسُولِ انام" (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) جیسے اہم رسائل طبع کرائے۔ اپنے خاندانی حالات و دیگر اہم تاریخی معلومات پر مشتمل کتاب بنام "تاریخ جلیلہ" سنہ ۱۹۳۰ء میں پہلی بار چھپوا کر اپنی برادری پر احسان عظیم کرنے کے علاوہ اُردو کے تاریخی لٹریچر میں ایک قابلِ قدر کتاب کا اضافہ کیا۔ غرض کہ مدبرِ روزگار ہو جانے کے بعد آپ مکمل کر تالیف و تصنیف کے میدان میں آ گئے اور تمام زندگی لکھنے سے کام رہا۔ دفتر سے آکر اسی کام میں مشغول ہو جاتے۔ ریٹائرڈ ہونے کے بعد تو اور بھی آپ کو اپنے دلی عزائم پورے کرنے کا موقع پورے طور پر میسّر آگیا اور ایک سو سے زائد کُتب و رسائل تصنیف کر ڈالے۔ نیز جو مضامین آپ نے اخبارات و رسائل کے لئے لکھے اُن کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔

جناب ناؔمی صاحب کو شعر گوئی ورثہ میں ملی تھی ' زمانہ طالب علمی میں ہی شعر کہنے لگے تھے۔ کچھ عرصہ تک اساتذہ سے مشورہ کے بغیر ہی طبع آزمائی کرتے رہے۔ سنہ ۱۹۰۷ء میں علامہ اصغر علی روحی مرحوم کو اپنا کلام دکھانے لگے چونکہ اس فن سے طبعی مناسبت تھی ' اس لئے بہت جلد اس دور سے نکل کر ماہرانہ نظم لکھنے لگے۔ ابتداء میں آپ نے غزلیں بھی کہیں۔ پھر طبیعت کا رُخ بدل کر نعت ' منقبت اور تاریخ گوئی کی طرف ہو گیا۔ سہرے بھی خوب لکھتے تھے۔ تاریخ گوئی میں تو آپ کو کمال حاصل تھا۔ قریباً سنہ ۱۹۰۶ء سے لے کر وفات سے چند روز پہلے تک آپ نے ہزاروں تاریخیں کہیں۔ اگر ان سب کو یکجا جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

محترم پیر صاحب کو اپنے خاندانی حالات لکھتے ہوئے وراثت کے مسائل سمجھنے کی ضرورت پیش آئی کیونکہ آپ کا خاندان جہاں دولتِ علم و عرفان سے مالا مال چلا آرہا ہے۔ وہاں دُنیوی مال و منال کے لحاظ سے بھی ایک خاص حیثیت کا مالک رہا ہے۔ اس لئے آپ نے

اس موضوع کی عربی اور انگریزی کُتب کا مطالعہ شروع کر دیا اور اس میں اس درجہ مہارت پیدا کر لی کہ آپ ماہر قانون وراثت تسلیم کئے گئے۔ اس موضوع پر آپ نے مجتہدانہ انداز میں نہایت قابلِ قدر کتابیں بھی لکھیں ' جو بے حد مقبول ہوئیں۔ اس مُشکل ترین علم کو آپ نے صرف اپنی ذاتی استعداد سے حاصل کیا اور اس میں ایسے صاحبِ کمال ہوئے کہ بڑے بڑے عُلماء مُشکل مسائل آپ سے حل کراتے تھے اور عدالتیں آپ کے فتووں کو وقعت کی نظر سے دیکھتیں اور تسلیم کرتی تھیں۔

مُسلمانوں میں رُسُومِ بد کی کثرت دیکھ کر مولانا ناؔمی کی طبیعت بہت کُڑھتی تھی۔ اس کے انسداد کے لئے آپ نے بعض دوستوں کے تعاون سے سنہ ۱۹۱۴ء یا سنہ ۱۹۱۵ء میں دائرۃُ الاصلاح کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ' جس کی طرف سے اصلاحِ رُسُوم اور اصلاحِ اخلاق وغیرہ پر لٹریچر شائع ہو کر تقسیم ہوتا رہا۔ پھر اس ادارے کی جانب سے حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل اور اتحادِ بین المسلمین کے موضوع پر رسائل طبع ہونے لگے دائرۃ الاصلاح اب تک قریباً نوّے کتابیں اور رسالے مفت تقسیم کر چکا ہے۔ ان میں سے صرف دس بارہ دوسرے مصنفین کے لکھے ہوئے ہیں۔ باقی تمام کے تمام حضرت ناؔمی کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہیں۔

حضرت ناؔمی علیہ الرحمۃ کی تصانیف کا اگر مختصر تعارف بھی لکھا جائے تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا۔ اس لئے ذیل میں حُروفِ تہجی کے لحاظ سے آپ کی تصانیف کی صرف فہرست دی جا رہی ہے مکمل تعارف آپ کی سوانح عمری میں دیا جائے گا۔ ان شاءاللہ آمین (منظوم)

(الف) انیس الوارثین ' اسلامی قانون وراثت ' امام مبین ' امامت ' اظہار حقیقت ' الاصلاح ' اسلامی کہانیاں ' اصلاح معاشرہ ' اصلاح رسوم

(ب) باغ فدک ' بیٹی کا حصہ۔ بنات النبی۔ بیبیاں پاک دامن۔ بھائی کی یاد ' بہن

کے حصہ شرعی پر جھگڑا' بانیانِ دولتِ اسلامیہ بزرگانِ[۱] لاہور

(پ) پیغامِ اتحاد' پنجاب مسلم او قاف بل پر اعتراضات' پیغامِ شریعت'

(ت) تاریخ جلیلہ' تذکرہ شہیدانِ اسلام' تذکرہ انبیاء و آلِ محمد' تعلیم الاخلاق' تاریخ مکہ معظمہ' تاریخ مدینہ منورہ' تبرک عرس' تذکرہ حضرت امام اعظم' تاریخ نجدیہ یعنی حقیقت وہابیہ' تبرک کلام (منظوم) تذکرہ قطبیہ (ترجمہ و تلخیص تذکرہ قطبیہ فارسی)

(ث) ثمرِ ایمان

(ج) جنگ موتہ' جہادِ صحابہ کرام' امرائے اشاعتِ اسلام' جنگی کہانیاں' جلوہ حق (منظوم)

(چ) چہل حدیث رسول انام فی مناقب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(ح) حیدرِ کرار' حیاتِ حسنین' حیاتِ حضرت میاں میر' حیاتِ گنج شکر' حیاتِ صابر' حیاتِ نظام الدین' حیاتِ خواجہ قطب الدین' حیاتِ خواجہ معین الدین چشتی' حیاتِ حضرت حسین' حیاتِ سرورِ کائنات' حیاتِ اویس قرنی' حیاتِ حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی' حیاتِ شاہ شمس تبریزی' حیاتِ حضرت امیر معاویہ' حکایاتِ محمود' حضرت ابو عبیدہ بن جراح و سعد بن ابی وقاص' حضرت حسن' حقوق العباد' حضرات روافض کا خدا سے مقابلہ' حالات' بارکات' حجرہ صدیقہ کے تین چاند' حفظ خون انسانی' حضرت عمرو بن عاص' حضرت امیر حمزہ' حضرت زبیر' حیات شاہ محمد غوث لاہوری' حیات جامی (زیرِ طبع) حیات شاہ ابو المعالی۔

(خ) خالد جرار رضی اللہ عنہ

(د) دعوتِ صلح' دختران نبی' دارۃ الاصلاح لاہور کی پنج سالہ کارگزاری

(ر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں' رواج اور شریعت پر ایک دلچسپ بحث' رواج کا علاج' رسالہ متعلق ولایت و نکاح و مہر۔

---

[۱] یہ کتاب آپ کی بالکل آخری تالیف ہے اس پر آپ کو نظر ثانی کرنے کا موقع بھی نہ ملا اور ہنوز پیش لفظ وغیرہ بھی نہ لکھا تھا کہ پیغامِ اجل پہنچ گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

(ز) زوالِ ایران (اب یہ کتاب زوالِ پرویز کے نام سے سنار بک ڈپو لاہور نے شائع کی ہے) زندہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ' زیارتِ قبور

(س) سوانح حیات مجدد اعظم' سوانح غازی علم الدین شہید' سوانح میاں شیر محمد شرقپوری' سرورِ کائنات کے چار جرنیل' سعدی کی آپ بیتی (زیرِ طبع)

(ش) شہیدِ کربلا' شہادتِ حسین' شیر و شکر' شانِ صدیق' شہادتِ عثمان' شیعہ سُنی مصالحت' شیعہ و سُنی کے شرعی نکاح اور مذہبی اتحاد کا مسئلہ' شہزادیوں کی کہانیاں' شمولِ صحابہ کرام در جنازۂ رسول علیہ السلام' شریعت اور رواج' شیروں کی کہانیاں۔

(ص) صلح کیش شہزادہ حسن' صدیق اور فاروق رضی اللہ عنہم مستشرقین کی نظر میں۔

(ع) عورت کا حصہ

(ف) فتح مکہ' فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

(ک) کربلا' کلید تقسیم وراثت

(ق) قرآنی قانونِ وراثت (منظوم اردو پنجابی) قانونِ وراثت یعنی مشیر افسران محکمہ مال' قرآن کی معنوی تحریف اور انکارِ حدیث کے فتنے کے اسباب

(گ) گنجینۂ اخلاق (دو حصہ) گلدستہ حمد و ثنا (منظوم) گنجینۂ مسائل زکوٰۃ' گلدستہ شادی' گلوگیر ماتم۔

(ل) لڑکیوں کی وراثت کے متعلق ہائی کورٹ کا فیصلہ

(م) مولوی احمد علی صاحب (لاہوری) کے غلط مسائل کی تصحیح' مسلمان اور رواج' ماتم کی شرعی حیثیت' مقام بنی امیہ' مناقبِ خلفائے راشدین (منظوم) مشہور بزرگانِ لاہور کے عرسوں کی تاریخیں۔

(ن) نکاح خوانی کے مسائل' نمبردار' نسب نامہ رسولِ انام و صحابہ کرام' نعرہ حیدری' نور و ظلمت' نقش الاعتساف عن الانصاف۔

(ی) یادگارِ اشرف یارانِ حضرت علی رضی اللہ عنہ۔

جناب نامی صاحب نے مستقل تصانیف و تالیفات کے علاوہ بعض کتابوں کے ترجمے بھی کئے ہیں' جن کے نام حسبِ ذیل ہیں۔

حکایاتِ مثنوی مولانا روم (مثنوی معنوی سے اخلاقی حکایات کا انتخاب و ترجمہ) سیاحت کشمیر (توزک جہانگیر سے سیاحت کشمیر سے متعلق حصے کا ترجمہ) تذکرہ حمیدیہ مصنفہ شیخ شہر اللہ ملتانی 'سفینۃ الاولیاء دارا شکوہ مع اضافہ حواشی وغیرہ 'گنج الاسرار مصنفہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر[1] 'شرائط سلوک مصنفہ پیر فرح بخش فرحت۔

مرحوم و مغفور نامی صاحب نے جہاں اپنی تالیفات و تصنیفات سے اور تراجم کے ذریعے اردو کے دامن کو بھرا' وہاں اپنے خاندان کے بزرگوں کی غیر مطبوعہ تصانیف کو چھپوا کر اہلِ علم کی خدمت میں پیش کیا' یہ سب کتابیں حضرت عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی کی خانقاہ سے وقف اراضی کی آمدنی سے طبع کروا کے مُفت تقسیم کیں۔ ان کتابوں کو نامی صاحب نے نہ صرف چھپوایا' دیباچہ' ان کی صحت بھی کی' ضروری حواشی لکھے اور دیباچوں سے مُزین کیا۔ ان نادر و نایاب کُتب کے نام یہ ہیں۔

دیوان قلندر شاہ (فارسی) از پیر قلندر شاہ مثنوی مُراد العاشقین (فارسی) از پیر[2] مُراد شاہ اذکارِ قلندری (فارسی) از پیر فرح بخش فرحت 'گلزار (فارسی) یعنی دیوان حضرت سلطان حمید الدین حاکم' نامہ مُراد (اردو) از پیر مُراد شاہ' قصائد قلندری (فارسی و اردو) از پیر قلندر شاہ' تذکرہ قطبیہ (فارسی) از جمال الدین ابوبکر (متوفی در عہد شیر شاہ سوری) کا مریدان (فارسی) پیر مُراد شاہ۔۔۔۔۔ دیوانِ مُراد (اردو) اس کو نامی صاحب نے ایڈٹ کر کے جولائی ۱۹۴۶ء کے رسالہ "اردو" دہلی میں شائع کرایا۔ مثنوی مراد المحبین (قصہ چہار درویش اردو) کو نامی صاحب کی زیرِ ہدایت ڈاکٹر باقر صاحب نے ایڈٹ کیا اور انجمن ترقی اُردو کے

۱۔ یہ کتاب بابا صاحب کی طرف منسوب ہے۔۱۲

۲۔ یہ مثنوی اللہ والے کی قومی دکان کشمیری بازار لاہور نے شائع کی ہے۔

رسالہ اردو دہلی بابت اکتوبر ۱۹۳۲ء میں طبع کرایا۔

حضرت نامی مرحوم کو اپنے بزرگوں سے جو عقیدت اور محبت تھی' اس کے پیشِ نظر آپ کے ماموں اور خُسر پیر محمد اشرف عالم شاہ رئیس و جاگیردار "رتہ پیراں" و متولی خانقاہ حضرت عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی جو ۱۳۵۱ھ ۱۹۳۲ء میں فوت ہوئے تھے۔ بعد وصیت کر گئے تھے کہ میرے بعد اوقاف کے متولی نامی صاحب ہوں۔ چُنانچہ نامی صاحب نے اس ذمہ داری کو بخوبی سرانجام دیا' بزرگوں کے مزارات کی دیکھ بھال کے علاوہ اُن کے نوادر علمی تبرکات کو شائع کر کے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ اس کارنامے کی بدولت مخدومی نامی صاحب پاک و ہند کے تمام سجادہ نشینوں اور متولیوں میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے کارناموں کو ہمیشہ زندہ رکھے۔

اس مُخلص خادمِ اسلام بزرگ نے قریباً ایک ماہ صاحبِ فراش رہنے کے بعد مورخہ ۷ رجب المرجب ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۶ اور ستمبر ۱۹۶۱ء کو اپنے مکان واقع محلہ چلہ بیبیاں لاہور میں انتقال کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ آپ کی میت کو آپ کے صاحبزادے محمد افضل شاہ صاحب نمبردار و چیئرمین یونین کونسل "رتہ پیراں" میں لے گئے اور وہاں ان کو پائیں مزار حضرت قلندر شاہ دفن کر دیا گیا۔ نوّر اللہ مرقدہٗ الشریف۔

قطعہ تاریخ وفات

از حضرت شریف احمد شرافت نوشاہی مدظلہ

غلام دستگیر آں پیر نامی ... جنات المعلیٰ کرد مسکن

زہے خلیل شرافت گفت تاریخ ... "بفردوس بریں شد شاہ محسن"

۸۱ ... ھ ... ۱۳

دیگر

نتیجۂ فکر جناب ابوالطاہر فدا حسین صاحب فدا مدیر اعلیٰ مہر و ماہ۔ لاہور

واصل حق حضرت ناؔمی ہوئے	رنج سے ہر دل ہوا وقفِ محن
نام نامی ہے "غلام دستگیر"	فقر کی رہ پر رہا جو گام زن
تھی ابھی دنیا کو تری احتیاج	آگیا تجھ کو اجل نے دفعتاً
قبر پر ہو رحمتِ حق کا نزول	نُور کی چادر بنے تیرا کفن
پوچھی جب تاریخ رحلت اے فداؔ	بولا ہاتف "ناؔمی شیریں سخن"
	۱۳۸۱ھ

راقم الحروف نے یہ تاریخ کہی

تھا آج ہائے! چراغِ علوم

۸۱ ھ ۱۳

نوٹ:- حضرت ناؔمی کے حالات یہاں بالکل اختصار کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ مفصل حالات لکھے جا رہے ہیں۔ جو کتابی صورت میں شائع کئے جائیں گے۔ ان شاءاللہ۔

محمد موسیٰ عُفی عنہٗ
۵ ذوالحجہ ۱۳۸۴ھ
لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لاہور کے قادری بزرگوں کے حالات

(۱) حضرت شاہ فیروز قادری لاہوری قُدِّسَ سِرُّہ

جس طرح سہروردی مشائخ میں سب سے پہلے ہمارے جدِ اعلیٰ حضرت عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی علیہ اللہ تعالیٰ لاہور تشریف لا کر متمکن ہوئے! اسی طرح سلسلہ قادریہ کے بزرگ حضرت شاہ فیروز سکونت گزین ہوئے۔

آپ جامع علم و حلم، سیادت و نجابت و ریاضت میں مشہور گیلانی بزرگ تھے۔

لاہور میں پہلے آپ کے جد بزرگوار طریق سیر بغداد سے لاہور تشریف لائے اور یہاں سے دہلی وغیرہ کی جانب بزرگوں کی زیارت کے لئے گئے۔ واپسی کے وقت پھر لاہور تشریف فرما ہوئے اور اسی جاہ سکونت اختیار کی۔ جب فوت ہو گئے تو شاہ فیروز مسند ارشاد پر بیٹھے اور درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔ طلبہ کو فقہ حدیث اور تفسیر کا درس دیتے اور پھر شام سے آدھی رات تک ارباب معنے کو توجہ اور تلقین فرمانے میں مشغول رہتے۔ جمعہ کے دن نماز کے بعد عصر تک وقت وعظ و نصائح میں صرف فرماتے۔ اور آپ کے وسیلے سے خلق خدا بعدد اوکثیر کمال ظاہر و باطن حاصل کرتی۔

آپ کی بیعت اپنے دادا شاہ عالم سے تھی اور اُن کی شاہ نُورالدین سے۔ اُن کی شاہ احمد سے۔ اُن کی شاہ حامد سے۔ اُن کی شیخ عبدالرزاق سے۔ اُن کی سید عبداللہ گیلانی سے۔ اُن کی شیخ احمد قادری سے۔ اُن کی سید میر سے۔ اُن کی سید مسعود سے۔ اُن کی سید علی سے۔ اُن کی سید صوفی سے۔ اُن کی سید عبدالوہاب فرزند سید عبدالقادر جیلانی سے۔

شاہ فیروز کی وفات ۹۳۳ھ مطابق ۱۵۲۷ء میں ہوئی۔ مزار پُر انوار تکیہ ڈنڈی گراں لاہور میں ہے۔

تاریخ منظوم

چو از دنیا بفردوس بریں رفت — جناب شاہ حق آگاہ فیروز
چو از دل سالِ ترحیلش بجستم — عیاں شد "میر سید شاہ فیروز"
۹۳۳ھ

ایضاً

شد چو از عالم خلدِ جاوداں — معدنِ نورِ خدا فیروز شاہ
"عارف اشراف" تاریخش بجو — نیز "قطب الاصفیاء فیروز شاہ"
۹۳۳ھ — ۹۳۳ھ
لکھو تاریخ فوت تم تاجی! — شیخ فیروز شاہ با آداب
۱۵۲۷ء

کوچہ ڈنڈی گراں کا نام اب شاید مشہور نہ ہو۔ لہذا تاریخ لاہور مصنف جج محمد لطیف مرحوم سے نقل کیا جاتا ہے کہ شاہ فیروز گیلانی کے مقبرے کا پرانا گنبد اس سڑک پر بائیاں طرف واقع ہے جو میو ہسپتال سے قلعہ گجر سنگھ اور گورنمنٹ ہاؤس کو جاتی ہے مشرقی جانب۔ مقابل مہا سنگھ کا باغ (ڈی وینٹی کالج) ہے۔

پہلے گنبد پر نیلا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ جس کے نشان کہیں کہیں پائے جاتے ہیں مگر اب اینٹیں ہی دکھائی دیتی ہیں۔ یہ گنبد چار محرابوں پر قائم ہے۔ مگر اب صرف ایک ہی جنوب کی طرف اندر جانے آنے کے لئے کھلا ہے۔

جج صاحب آگے رقم طراز ہیں کہ آپ حضرت غوث الاعظم محی الدین گیلان کے مُقدس بزرگ پیر دستگیر کی اولاد سے ہیں۔ آپ اپنے وقت کے عالم بے بدل تھے اور آپ کا نام دور و نزدیک تقدس اور بزرگی کی وجہ سے مشہور تھا۔ آپ کا تمام وقت وعظ و تبلیغ میں صرف ہوتا تھا۔ لہٰذا وہ میں آپ مرید بنانے کے خلاف تھے۔ مگر پیری میں آپ نے بہت سے مُرید بنائے۔

سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے سید محمد لطیف لکھتے ہیں کہ شاہ فیروز ۹۳۳ھ ع ۱۵۲۶ء میں ہمہ بہار فوت ہوئے۔ آپ شاہ عالم کے مرید تھے اور آپ کے جانشین شیخ عبداللہ مرید ہوئے۔ صناعوں کی جماعت جو ڈنڈی گر یا خرادی مشہور ہے۔ آپ سے بڑی عقیدت رکھتی ہے اور یہ علاقہ تکیہ ڈنڈی گراں کے نام سے مشہور ہے۔ پُرانے وقتوں میں یہاں خرادی محلہ آباد تھا۔ آس پاس کے رہنے والوں کا بیان ہے کہ اب بھی زمین کھودنے سے ان کے اوزار پائے جاتے ہیں۔

حضرت سید محمود حُضُوری قُدس سِرُّہ لاہوری

نسب :- آپ کے والد کا نام شمسُ الدین المشہور شمس العارفین غوری موسوی تھا۔ حضرت موسیٰ کاظم کی اولاد سے تھے۔ یہ بزرگ علوم ظاہر و باطن میں مشہور عارف اور گرامی استاد تھے۔ جب یہ فوت ہو گئے تو سید محمود ولایت غور کے برائے سیر و سیاحت لاہور وارد ہو کر محلہ حاجی سرائے میں شہر کے باہر مُقیم ہوئے۔ (سکھوں کے عہد میں یہ محلہ ویراں ہو گیا)

لقب "حُضُوری" کی وجہ شُہرت :- جب آپ کی بزرگی کا شُہرہ ہوا تو خلق کثیر آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئی جو شخص آپ کی بیعت میں داخل ہوتا اُسے رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں دیدار قسمت ہو جاتا۔ اِس لئے آپ حُضُور صلی اللہ علیہ وسلم کے حُضُوری مشہور ہوئے۔

حضرت سید محمود کا سلسلۂ ارادت حضرت سید عبدالقادر گیلانی قُدس سِرُّہ سے یوں ملتا ہے۔ آپ مرید اپنے والد بزرگوار سید شمس العارفین کے اور یہ مرید سید یعقوب کے اور یہ عبدالقادر کے اور یہ سید علی کے اور یہ سید مسعود کے اور یہ سید احمد کے اور یہ سید اصغر کے اور یہ مرید ابو الفرح کے اور یہ سید عبدالوہاب بن سید عبدالقادر جیلانی کے قُدس اللہ

اسرارہم۔

تاریخ وفات و مزار:۔ سید محمود حضوری ۹۴۲ھ مطابق ۱۵۳۵ء نصیر الدین ہمایوں کے عہد میں شیر شاہ سوری کے آغاز حکومت سے چار برس قبل فوت ہوئے۔

تاریخ منظوم

رفت از دنیا چو براوج جناں　　　سید محمود پیر با کمال

"صاحب مشتاق" تاریخش بجو　　　نیز شمس العارفین اہل جمال
۹۴۲ھ　　　۹۴۲ھ

"ہم مکرم مرشد محمود" خواں!　　　باز "فضل ایزدی" دانش وصال
۹۴۲ھ　　　۹۴۲ھ

حساب شمسی ظلِ خدا سے (۱۵۳۵ء) اور "محمود موسیٰ غمگسار (۱۵۳۵ء)" سے تاریخ برآمد ہوتی ہے۔

آپ کا مزار آپ کے پوتے سید جان محمد حضوری کے مقبرہ واقع گڑھی شاہو لاہور سڑک میاں میر پر واقع ہے۔

سید عبدالقادر گیلانی لاہوری قدس سرّہ

آپ روشن ضمیر فقیر اور تصرف ظاہری و باطنی کے مالک تھے۔ اپنے والد سید جمال الدین سے ارادت رکھتے تھے۔ پہلے بغداد میں رہتے تھے پھر بطریق سیر و سیاحت لاہور آکر متمکن ہو گئے اور خاص و عام نے آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونا غنیمت جانا۔

سلسلۂ نسب:۔ سلسلۂ نسب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے یوں ملتا ہے کہ سید عبدالقادر بن سید جمال الدین بن سید جلال الدین بن سید یوسف بن سید سلطان رشید بن سید

ارہم بن سید محمود بن سید اسماعیل بن سید داؤد بن سید فتح نصر بن سید عبدالرزاق بن حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی قدس اللہ اسرارہم۔

سید عبدالقادر موصوف ۸ ربیع الاول ۹۴۲ھ مطابق ۱۶ ستمبر ۱۵۳۵ء کو فوت ہوئے۔

تاریخ منظوم

عبدقادر سید نورانی است　　　قطب دوراں سالک زمانی است

"فخر اسلام" آمدہ ترحیل او　　　باز دیگر "عبدقادر ثانی" است
۹۴۲ھ　　　۹۴۲ھ

ہاتف حامد اسال عیسوی!　　　گفت "عبدالقادر خلوت گزیں"
۱۵۳۵ء

سید عبدالقادر موصوف کے تین فرزند کامل و اکمل تھے۔ ۱۔ سید حاجی۔ ۲۔ سید سلطان اکبر۔ ۳۔ سید غیاث الدین۔

حدیقۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ سید عبدالقادر موصوف کا مزار موضع مزنگ سے مشرق کی طرف ہے۔ نام والد سید جلال الدین بغدادی دیا ہے۔ آپ اکبر بادشاہ کے عہد میں بغداد سے بغرض سیاحت نکلے اور لاہور میں متمکن ہوئے۔ بزرگی کا شہرہ سن کر میر کفایت خان نے اپنی بیٹی کا نکاح ان سے کر دیا ان سے تین مذکور بیٹے ہوئے۔ تیسرے بیٹے غیاث الدین کی نسبت المشہور دولت شاہ لکھا ہے۔ مفتی غلام سرور مرحوم نے تحریر فرمایا ہے کہ اب سید سوار شاہ بن زندہ علی بن شاہ حسین بن سعید بن حمید بن شیخ محمد بن سید حاجی بن سید عبدالقادر شیخ طاہر بندگی کا سجادہ نشین ہے اور زندہ علی کا پوتا بہادر بن چراغ شاہ مہر کی کا کام کرتا ہے۔

سید اسماعیل گیلانی لاہوری قدس سرّہ

سید اسماعیل موصوف اپنے وقت کے جلیل القدر ولی تھے۔ اپنے والد ماجد سید

عبداللہ ربانی اوچی (متوفی ۹۷۱ھ) کے مرید و خلیفہ تھے۔ جب آپ کی کرامات کا شہرہ سنا تو اکبر بادشاہ آپ کے دیدار کا مشتاق ہوا۔ اور آپ کو لاہور بلا بھیجا اور علاقہ فیروز پور میں ایک ہزار دگھہ زمین نذر کی۔ آپ نے نکھی محلہ لاہور میں (جو بعد ازاں سکھوں کے عہد میں ویران ہوا) اقامت اختیار فرمائی اور لکھ پتی سوداگر جن کے کپڑے وغیرہ کی تجارت کا سلسلہ دور دور کے ملکوں میں پھیلا ہوا تھا سب آپ کے مریدین گئے۔ آپ کے علم و فضل اور زہد و ریاضت کی وجہ سے بادشاہ اور امرائے شاہی حاضر خدمت ہوتے تھے مگر آپ کی تمام توجہ جانب حق تھی اور دل ماسوی اللہ سے خالی تھا۔

تاریخ وفات اور مدفن:- بقول صاحب شجرۃ الانوار سید اسماعیل ۹۷۱ھ مطابق ۱۵۷۰ء میں فوت ہوئے جبکہ اکبر بادشاہ کا جلوس تھا۔ آپ کے والد ماجد بھی اسی سال واصل حق ہوئے تھے۔

آپ کا مزار پُر انوار نکھی محلہ میں حضرت میراں محمد شاہ موج دریا بخاری کی خانقاہ میں اندرون چار دیواری ہے۔

اولاد:- حضرت بی بی کلاں زوجہ موج دریا بخاری ہے۔ آپ کے تین بیٹے تھے۔ ۱۔ حاجی بہاؤالدین۔ ۲۔ سید بدرالدین۔ ۳۔ سید قطب الدین اور سید بہاؤالدین شاہ المشہور بہاول شیر بن سید محی الدین بن سید شمس الدین بن حاجی بہاؤالدین بن سید اسماعیل جن کا مزار گورستان میانی کے زیر پشت جانب مغرب موضع مزنگ اور کوٹ عبداللہ شاہ واقع ہے۔ آپ کے کامل ترین اولاد میں سے ہیں۔

منظوم تاریخ

رفت چوں از جہاں خلد بریں — پیر روشن ضمیر اسماعیل
گشت تاریخ رحلتش روشن — نیر نور میر اسماعیل
۹۷۸ھ
بسالِ رحلتش نامی بجا کہ — "اسماعیل آرایِ مشیخت"
۱۵۷۰ء

شیخ ابو اسحاق قادری لاہوری قدس سرہ

آپ شیخ داؤد کرمانی چونی والی کے جلیل القدر خلیفہ ہیں۔ آپ علم ظاہری و باطنی میں کمال اور زہد و ورع اور سخاوت و ریاضت ،صیام و قیام میں شہرہ آفاق تھے۔ آپ سے بے اختیار کرامات ظاہر ہوتی تھیں۔ شاہ ابوالمعالی کرمانی سے از حد محبت تھی۔ دونوں اکٹھے مل کر عبادت کیا کرتے تھے۔ جب شاہ ابوالمعالی حضرت داؤد کرمانی کی اجازت سے لاہور آئے تو انہوں نے بھی بوجہ اتحاد دینی و طریقۂ ربانی حضرت کرمانی موصوف سے عرض کر کے لاہور کا رُخ کیا اور اپنے قومی محلہ مغلاں جو محلہ پیر عزیز سے مشہور ہے سکونت اختیار کی اور طالبوں کی ہدایت و ارشاد میں مصروف ہو گئے اور سینکڑوں عقیدت مند آپ کے خوانِ کرامت سے بہرہ یاب ہوئے۔

شیخ ابو اسحاق ۵ محرم ۹۸۵ھ کو واصل حق اور اپنی قیام گاہ میں دفن ہوئے۔ آپ کا روضہ عالیہ قصبہ مزنگ لاہور کی مشرقی جانب ہے۔ پاس ہی دوسرا گنبد آپ کے صاحبزادوں کے مزارات پر قائم اور زیارت گاہ خلق ہے۔ سید محمد لطیف ان کے نام محمد حسین ملک حسین اور یار حسین بتاتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان کے گنبد مزار کے اندر سورہ یٰسین مسطور ہے اور گنبد کی حالت خستہ ہے۔

منظوم تاریخ رحلت

شد دلا از فنا چو در جنت — شیخ دیں شاہ پیر بو اسحاق
گفت سرور بسال ترحیلش — "شاہ عالی فقیر بو اسحاق"
۹۸۵ھ

۵ محرم سال مذکور مطابق ۵ مارچ ۱۵۷۷ء کو عہد اکبر بادشاہ تھا۔

بہر سال فوت شیخ محترم — کرو "شیخ بہترین" ہمی رقم
۱۵۷۷ء

بج محمد لطیف صفحہ ۱۹۷ تاریخ لاہور (انگریزی) میں روضہ کے ساتھ ایک بڑی مسجد کا بھی ذکر کرتے ہیں اور روضہ کی دیواروں پر سورۂ یٰسین اور سورۂ ملک نہایت خوبصورت خط میں مرقوم ہونا بتاتے ہیں اور مغربی دروازہ پر مندرجہ ذیل اشعار کا مسطور ہونا بھی ذکر کرتے ہیں۔

حضرت شیخ شاہ ابو اسحاق　　بود چوں از خدا طلبش
سوئے حق رفت از پئے تحقیق　　کہ ہمیں وعدہ بود از ازلش
چیست تاریخ فوت او بہ بیان　　یافت سلطان عارفاں بخش

شمال مغربی گوشے میں تاریخ ۹۸۵ھ مطابق ۱۵۷۷ء درج ہے۔

سید میر میراں گیلانی لاہوری قُدِّس سرّہ

سید میر میراں بن سید مبارک حقانی گیلانی مردِ بزرگ صاحبِ علم و حلم تھے اور شرافت و سخاوت میں مشہور، خوارق عادات اور کرامات موروثی تھیں۔ خرقۂ خلافت اپنے والد بزرگوار سے پایا اور اوچ سے لاہور آئے اور قبولِ عظیم حاصل کیا۔ خلقِ خدا کی تعلیم و تربیت میں مصروف ہوئے اور انہیں حق کا راستہ دکھایا۔ اور ۹۸۶ھ مطابق ۱۵۷۸ء میں بعہد جلال الدین اکبر فوت ہو کر گورستان میانی لاہور میں مدفون ہوئے۔

منظوم تاریخ رحلت

جنت رفت ایں دنیائے فانی　　چوں آں مقبل مبارک میر میراں
وصالش "مخزن الانوار" فرما　　خواں "مقبل مبارک میر میراں"
۹۸۶ھ　　۹۸۶ھ
گفت ہاتف بہر سال انتقالش ناگہاں　　"میر میراں میوۂ بستانِ جنت" بازگو
۱۵۷۸ء

نوٹ:- آپ کا مزار مبارک شاہ نظام الدین بودیانوالہ کے احاطہ مزار کے اندر چبوترے پر ہے۔ میر نظام الدین بودیانوالے آپ کی اولاد سے تھے۔ مزید حالات کے لئے لاہور کے متفرق خانوادوں کے بزرگوں کے حالات کے باب کو ملاحظہ کریں۔ حضرت مصنف مرحوم سے ان کے حالات لکھنے میں تکرار ہوئی ہے۔ (قیسم افضل)

سید کامل شاہ لاہوری قُدِّس سرّہ

سید کامل شاہ بخاری سید ہیں۔ آپ اسم بامسمّیٰ ولی کامل اور شیخ مکمل تھے۔ سلسلۂ قادریہ میں بیعت اور تکمیل کے بعد شیخ الہ داد مداری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے خرقۂ خلافت و فقر حاصل کیا۔ آپ کو خلقت سید دیوان کامل کہتی تھی۔ آپ محمد جلال الدین اکبر بادشاہ کے عہد میں بخارا سے لاہور آئے اور میتان (بیلہ) میں موضع باو ساوہ کے متصل مقیم ہوئے اور بہت سے لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور وفات کے بعد وہیں دفن ہوئے۔ عبدالرحیم نامی خاص پیر دار شاہی آپ کا مرید تھا اس نے آپ کے مزار پر گنبد تعمیر کرانا چاہا۔ آپ نے خواب میں اُسے اس ارادہ سے روک دیا کہ ایسا نہ کرو مجھے یہی پسند ہے کہ مزار کچا ہی رہے۔

آپ ۵ صفر ۱۰۰۵ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۱۵۹۶ء کو فوت ہوئے۔ مزار موضع باو ساوہ میں شہر لاہور سے کنارے ہے۔

منظوم تاریخ

جناب شیخ کامل صدر دیوان　　بعلم عشق عامل قطب عالم
ندا شد بہر سال انتقالش　　کہ "شاہنشاہ کامل قطب عالم"
۱۰۰۵ھ
اگر ہاتی جوئی سال فوتش　　بجو از روئے دانش "شیخ کامل"
۱۰۰۵ھ
دگر بار ہاتف بگفتا کہ ہاتی!　　بجو بالیقیں "شیخ کامل صداقت"
۱۵۹۶ء

شیخ حسین لاہوری قُدّس سِرّہٗ

شیخ حسین موصوف شیخ بہلول دریائی کے جلیل القدر خلیفہ تھے۔ صاحبِ حال و جذب و شوق و وجد و سماع۔ ملامتیہ طریق رکھتے تھے۔ آپ کا دادا کلس نام ہندو لاہوری تھا فیروز شاہ تغلق کے عہد میں مشرف باسلام ہوا۔ اس کا بیٹا (یعنی شیخ حسین کا والد) عثمان ہی بافندگی کے کسب سے حلال روزی پیدا کرتا تھا اور عثمان ڈھڈا (جو جولاہوں کی ایک ذات ہے) مشہور تھا۔ شیخ حسین ۹۴۵ھ میں تولّد ہوئے۔ سات برس کے سن میں لاہور کے حافظ و عالم شیخ ابوبکر کے پاس قُرآن شریف پڑھنے لگے۔ تین سال میں قُرآن شریف کے چھ جزو حفظ کیے۔

اسی اثناء میں شیخ بہلول لاہور وارد ہوئے۔ شیخ ابوبکر کی مسجد میں اُترے اور شیخ حسین کو دریا سے جو پاس ہی دروازہ ٹکسالی کے باہر بہتا تھا پانی لانے کو بھیجا۔ چنانچہ وہ ایک کوزہ بھر لائے۔ شیخ حسین نے اس سے وضو کیا اور دوگانہ تحیت وضو ادا کر کے حسین کے حق میں دعا کی کہ الٰہی اس لڑکے کو عارف اور اپنا عاشق بنا دے۔ دعا قُبول ہوئی اور حسین اُسی برس ہی کے سن میں بیعت سے مشرف ہوئے اور اُسی ماہ صیام میں شیخ بہلول نے شیخ حسین کو نماز تراویح کا امام بنایا اور پیر کی توجہ سے انہوں نے تمام قُرآن نماز میں سنایا۔

حسب قول مفتی محمد سرور اس واقعہ کا ذکر کتاب حقیقۃ الفقراء میں یوں منظوم ہے:

در زمانے کہ شیخ سوئے حسین　　آمد از بہر جستجوئے حسین
وقت خوش بود ساعتے مسعود　　سال پنجاہ و پنج و نہ صد بود
سال ہجری اوست بے تاخیر　　حق شدہ ہادیٔ حسین فقیر

شیخ بہلول نے چند سال میں حسین کو کمال تک پہنچا دیا اور اپنے وطن کو لوٹ گئے جو قصبہ چنیوٹ سے سات میل کے فاصلے پر ہے۔

اس کے بعد چھبیس ۲۶ برس تک شیخ حسین نے زہد و ریاضت میں بسر کیے۔ دن بیابان اور نیستان (جنگل) میں اور رات شیخ علی مخدوم گنج بخش ہجویری کے مزار پر بسر کرتے یہاں آپ کو حضرت ہجویری کی زیارت ہوتی اور تمام مزار پر انوار ہو جاتا اور حسین ان کی توجہ سے کامل و اکمل ہو گئے اور فرش سے عرش تک سب کچھ آپ پر روشن ہو گیا۔ جیسا کہ حقیقۃ الفقراء میں لکھا ہے:

گرد ما گرد مرقد پُر نور!　　کرد در دیدۂ حسین ظہور
پیکر خوش ہوبہو نورانی　　مظہر نور پاک رحمانی
گشت از ذوق خویش چو مست حسین　　بے خود از جائے خویش جست حسین
از ارادت فتاد در پایش　　سر خدمت نہاد در پایش

شیخ حسین چھتیس برس کی عمر میں شیخ سعد اللہ لاہوری سے تفسیر مدارک پڑھتے تھے۔ جب آیت وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَہْوٌ وَّلَعِبٌ پر پہنچے تو اُستاد صاحب سے اس کے معنے دریافت کیے انہوں نے ظاہری معنے بیان فرمائے۔ آپ نے کہا مجھے قال مطلوب نہیں حال درکار ہے۔ یہ کہا اور سرمست حال ہو کر رقص و سرود کرتے مسجد سے نکلے اور کتاب تفسیر اُٹھا کر کنوئیں میں ڈال دی اور درویشوں کے اعتراض اور مطالبہ پر بزور کرامت

نکال کر ان کے حوالے کر دی جو ویسی ہی خشک تھی۔

پھر تو آپ نے طریق ملامتیہ اختیار کر لیا اور کوچہ و بازار اور جنگل میں اس حالت میں پھرتے تھے کہ چار ابرو کا صفایا تھا اور ہاتھ میں شراب کا پیالہ۔ حقیقت الفقرا میں مسطور ہے کہ ایک دفعہ آپ دوستوں کی خواہش پر دریائے راوی کی سیر کو نکلے اور موضع منڈیانوالہ (جو لاہور سے شرقپور کو جاتے ہوئے سڑک پر واقع ہے) پہنچے۔ وہاں موضع کے زمیندار سردار بہار خان نے پکڑ کر ان سب کو پابہ زنجیر کر دیا۔

دعائے برائے باراں :- اور شیخ حسین سے عرض کیا کہ جب تک آپ کی دعا سے بارش برس کر امساک دور نہ ہوگا۔ میں انہیں نہیں چھوڑوں گا۔ آپ نے دوستوں سے روغنی روٹی کھلانے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ لہذا بہار کو فرمایا کہ نانِ مرغن اور شیر و شکر لا کر پیش کرو تو اللہ تعالیٰ مینہ برسادے گا۔ چنانچہ بہار خان نے آپ کے یاروں کو آزاد کر دیا اور مطلوبہ اشیاء لا کر حاضر کر دیں آپ خوش ہوئے اور آسمان کی طرف مُنہ کر کے کہا۔ الٰہی حسین اپنے دوستوں کے ساتھ خوش بیٹھا ہے۔ بارش کا برسنا ضروری ہے۔ گاؤں آباد اور دل شاد ہوں۔ چنانچہ اُسی وقت بادل نمودار ہوا اور بارش ہونے لگی اور زمینیں سیراب ہو گئیں۔

روضۂ نبوی میں معتکف :- ایک شخص حاجی یعقوب نام مدینہ منورہ کا رہنے والا تھا وہ ہمیشہ شیخ حسین کو روضۂ نبوی میں معتکف دیکھتا اور آپ کا آشنا بن گیا تھا۔ اتفاقاً وہ ہندوستان آیا اور لاہور پہنچا۔ دیکھا کہ حسین شرابِ محبت سے سرشار ہیں ڈھول بج رہا ہے اور آپ بازار کے چوک میں رقص کر رہے ہیں۔ لوگوں سے نام و نشان پوچھا۔ پہچان لیا کہ یہ تو مدینہ کا دوست ہے قریب جا کر پوچھا کہ دوست یہ کیا حال ہے۔ فرمایا آنکھیں بند کرو۔ میں نے اپنے آپ کو مدینہ میں اور حسین کو روضۂ نبوی میں معتکف پایا اس مشاہدہ کے بعد آنکھیں کھولیں تو وہ آپ کا مرید ہو گیا۔

اکبر بادشاہ اور شیخ حسین کے متعلق قصّے :- شیخ حسین کے دشمنوں نے اکبر بادشاہ سے شکایت کی کہ لاہور میں ایک فقیر حسین نام ہے جو داڑھی مونچھیں منڈاتا' لباس سُرخ پہنتا اور کھلے بندوں خلافِ شریعت امور کا مرتکب ہوتا ہے ایک بے ریش صاف رو لڑکے مادھو نام کو پاس رکھتا ہے اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر ڈھول کی آواز پر رقص کرتا ہے اور ان مناہی کے ارتکاب کے باوجود باطنی ولایت کا دعویدار بھی ہے۔ یہ بات سن کر بادشاہ نے ملک علی کوتوال لاہور کو لکھا کہ حسین بدعتی کو پابہ زنجیر کر کے دربار میں حاضر کرو۔ اس حکم کی تعمیل میں کوتوال مذکور نے حسین کی گرفتاری کے لئے پیادے روانہ کئے مگر آپ لاہور میں موجود ہونے کے باوجود پکڑے نہ جا سکے۔ ایک دن ملک علی' عبداللہ بھٹی راہزن کو بادشاہی حکم کے مطابق بازار نخاس (گھوڑے وغیرہ بیچنے کی منڈی) میں پھانسی دے رہا تھا تو ہجوم عام میں حسین کو بھی گرفتار کر لیا اور جیل بھیج دیا۔ آپ کے پاؤں میں جو زنجیر ڈالتے وہ فوراً ٹوٹ جاتی تھی۔ یہ دیکھ کر ملک علی نے کہا اے حسین تم جادو کے زور سے زنجیر توڑ ڈالتے ہو میرا نام ملک علی کوتوال نہیں اگر میں تمہارے پاؤں میں میخ ٹھونک کر بادشاہ کے پیش نہ کروں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی ہے کہ تیرے جسم میں میخیں ٹھوکی جائیں اور تو اسی صدمے سے مرے۔

بادشاہ کا حکم تھا کہ عبداللہ بھٹی جو کلمات پھانسی پانے کے وقت کہے وہ لکھ کر میری طرف روانہ کر دینا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ ۔

ہر کہ دست از جان بشوید ہرچہ در دل آید بگوید۔

لہٰذا عبداللہ مذکور نے بادشاہ کو بے محابا گالیاں بکنا شروع کیں اور کوتوال مذکور نے انہیں بے کم و کاست لکھ بھیجا۔ جو اکبر بادشاہ کو یہ بے نقط گالیاں سن کر کوتوال پر سخت غصہ آیا کہ ڈاکو کی بکواس کا لفظ لفظ نقل کر دیا اور میری دل آزاری کا کچھ خیال نہ کیا حالانکہ اتنا لکھنا کافی تھا کہ رہزن نے حضور کی نسبت بہت ناشائستہ کلمات کہے۔ شیخ سعدی یہ بھی لکھتے ہیں کہ جس

نے پیٹھ پیچھے کسی کو برا کہا اس نے ایک تیر مارا جو راہ میں گر کر پڑا رہا۔ قصوروار تو وہ ہے جس نے وہ تیر اٹھا کر مخاطب کو آ چبھویا۔ اکبر بادشاہ نے نہایت غضبناک ہو کر حکم دیا کہ کو قوال کے میخیں ٹھونکی جائیں اور اُسے گستاخانہ کلمات نقل کر کے بادشاہ کے گوش گزار کرنے کے جرم میں عذاب سے مارا جائے۔ چنانچہ بادشاہ کے حکم کی تعمیل ہوئی اور وہ عذاب سے ہلاک ہوا اور اس کے زن و فرزند بھی مارے گئے اور فقیر دشمنی کی یہ سزا ملی۔ مفتی صاحب ملک علی اور اس کے متعلقین کی قبور میانی صاحب میں موجود بتاتے ہیں۔

نوٹ :- اس کرامت کے سلسلے میں عرض ہے کہ اکبر بادشاہ کی نسبت یہ کہنا کہ وہ شیخ حسین کے مجذوبانہ حال کا واقعہ سن کر غضبناک ہوا اور کو قوال اور اس کے زن و فرزند کو بے رحمی سے مروا دیا قابلِ تسلیم نہیں۔ جہانگیر نے ایام شہزادگی میں ایک شخص سے ناراض ہو کر اس کی کھال کھنچوادی تھی تو اکبر کو بڑا رنج ہوا تھا اور کہا تھا کہ میں تو زندہ بکرے کی کھال کھنچوانا گوارا نہیں کر سکتا۔ میرے بیٹے نے ایسا کیوں کیا۔ پھر کو قوال کے بیوی بچوں کو ساتھ ہی قتل کرا دینا اس بادشاہ کے انصاف سے بعید معلوم ہوتا ہے۔

پھر آگے یہ بھی لکھا ہے کہ اکبر نے شیخ حسین کو طلب کیا اور آپ جام و صراحی لے کر پہنچے۔ بادشاہ نے کہا کہ سلسلہ قادری کے پیرو ہو کر یہ مے نوشی! آپ نے اُسی صراحی سے ایک پیالہ بھر کر بادشاہ کو پلایا جو سرد پانی سے پُر تھا۔ دوسرا پیالہ جو پیش کیا اُس میں شربت تھا اور تیسرے میں دودھ۔ اکبر یہ دیکھ کر متعجب ہوا اور حکم دیا کہ اپنی شراب کی صراحی انہیں دیں اور پھر دیکھیں کہ اس سے شراب کے سوا کچھ اور نکلتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ اس سے آپ نے پانی، شربت اور دودھ نکال کر بادشاہ کے پیش کیا۔ پھر بادشاہ نے امتحان کی غرض سے شیخ حسین کو زندان میں بھجوا دیا کہ اگر یہ فقیر صاحب کرامت ہے تو جیل میں قید نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ جب بادشاہ زنان خانہ میں گیا تو آپ کو بادشاہ بیگم کے پاس کھڑا ہوا دیکھا پھر قید خانہ میں جا کر دیکھا تو آپ وہیں موجود تھے۔ یہ دیکھ کر وہ اپنے فعل سے تائب ہوا اور شیخ کو باعزاز

رخصت کیا۔

کرامت تسخیر ٹھٹھہ :- جب بادشاہ نے عبدالرحیم خان خاناں کو ملک ٹھٹھہ کی تسخیر پر مامور کیا تو وہ شیخ حسین کی خدمت میں استمداد کے لئے حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا میں نے پانچ سو روپیہ کے عوض یہ ملک تیرے ہاتھ فروخت کر دیا اب کسی اور سے مدد نہ مانگنا۔ چنانچہ وہ آپ سے رخصت ہو کر ملتان آیا اور شیخ کبیر بالا پیر سجادہ نشین مزار شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک روپیہ بطور نذر گزارا۔ شیخ موصوف نے اسے قبول نہ کیا اور فرمایا کہ ملک ٹھٹھہ تجھے شیخ حسین لاہوری سے مل چکا ہے۔ مجھے نذر لینے کی حاجت نہیں۔

قاضی سے مکالمہ :- ایک دفعہ مخدوم الملک قاضی لاہور نے شیخ حسین کو ڈھول کی آواز پر رقص کرتے ہوئے دیکھا اور اذیت دینا چاہی۔ حسین نے اُچھل کر قاضی کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور فرمایا کہ اے قاضی ارکانِ اسلام پانچ ہیں اول کلمہ توحید اور اقرار رسالت حضرت سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر میں اس میں تیرا شریک ہوں۔ میں نماز روزہ کا تارک ہوں اور تو حج و زکوٰۃ کا پس تعزیر صرف مجھ پر نہیں تجھ پر بھی ہے۔ قاضی صاحب یہ سن کر ہنسے اور چل دیئے۔

تعداد خلفاء :- کتاب حدیقۃ الفقراء کے مولف رقم طراز ہیں کہ شیخ حسین کے مرید لوہار کے قریب تھے جو ان کے وسیلے سے دونوں جہان کی نعمتوں سے سرفراز ہوئے اور بعضوں نے تعداد سوا لاکھ لکھی ہے مگر مشہور سولہ خلیفے ہیں۔ ان میں سے چار کا خطاب غریب ہے۔

چار کا دیوان۔ چار کا شاہی اور چار کا لال۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

ا۔ پہلا شاہ غریب موضع رتی ٹھٹھہ میں وزیر آباد سے تین کوس کے فاصلہ پر

۲۔ دوسرا شاہ غریب موضع سنگووالی تحصیل وزیرآباد میں
۳۔ تیسرا شاہ غریب مقام اچیلاپور اقلیم دکن میں
۴۔ چوتھا شاہ غریب ہزاروی آپ کے مزار کے متصل ہے۔

چار دیوان :- چار دیوانوں میں سے پہلا دیوان مادھو۔ دوسرا دیوان گورکھ لاہور میں آپ کے مزار کی چوکھنڈی میں۔ تیسرا دیوان عشقی مقام بیجاپور۔ چوتھا اللہ دیوان لاہور میں مقبور۔

دیوان مادھو آپ کا محبوب۔ مطلوب اور معشوق تھا۔

چار خاکی :- خلفائے خاکی میں پہلا مولا عشق خاکی۔ دوم خاکی شاہ لاہور میں آپ کے مزار کے جوار میں۔ سوم خاکی شاہ وزیرآباد میں۔ چہارم حیدر عشقی خاکی اقلیم دکن میں آرام فرما ہے۔

چار بلاول :- اور چار بلاولوں میں۔ اول شاہ رنگ بلاول۔ دوسرا لدھو بلاول۔ سوم شاہ بلاول۔ یہ تینوں بلاول شیخ حسین کے مزار کے جوار میں آسودہ ہیں۔ چوتھے شاہ بلاول کی قبر اقلیم دکن میں ہے۔

شیخ حسین بموجب قول صاحب حقیقۃ الفقراء ۹۴۵ھ میں پیدا ہوئے (یعنی شیر شاہ سوری کے آغاز حکومت سے ایک برس پہلے۔ ناؔمی) انھوں نے مصرع "صبح صادق بر اوج فقر رسیدہ" سے تاریخ نکالی ہے۔ وفات کی تاریخ۔ سلخ (آخری تاریخ) ماہ جمادی الآخر ہے ۱۰۰۸ھ مطابق ۷ جنوری ۱۶۰۰ء ہے جبکہ جلال الدین اکبر بادشاہ کا عہد تھا۔ عمر شریف ۶۳ برس ہوئی۔ حقیقۃ الفقراء میں فقرہ

"مست عشق ازل (۱۰۰۸ھ)" اور "ازے محبت مست (۱۰۰۸ھ)" سے تاریخیں نکال کر درج کی گئی ہیں۔ مفتی غلام سرور کی منظوم تاریخیں:-

سال تولید او بہ زینت و زین — گفت پیدا "انیس دیں سرمست"
سال ترحیلِ آں شہ کونین — گفت سرور "محقق سرمست"
وصل او ہست "شمع عشق حسین" — "شیخ محمود" نیز "شیخ زماں"
۱۰۰۸ھ — ۱۰۰۸ھ — ۱۰۰۸ھ
سال ترحیل ناؔمی حامد — "تاج محفل حسین شیخ" بجنت
۱۶۰۰ء

سید محمد لطیف جج انگریزی تاریخ لاہور میں لکھتے ہیں کہ اس مشہور بزرگ مادھو لال حسین کا مزار موضع باغبانپورہ کے شمال کی طرف واقع ہے۔ مادھو اور لال حسین کی اصل قبور تہہ خانہ میں ہیں اور نشان اوپر ایک اونچے چبوترے پر نمایاں ہیں۔ جو چار دیواری سے محیط ہے اور دروازہ جانب جنوب ہے۔ چبوترے اور چار دیواری کے درمیان زائرین کے ارد گرد بیٹھنے کے لئے جگہ چھوڑی ہوئی ہے اور اس پر سرخ پتھر کا فرش ہے۔ احاطہ کے مشرق کی طرف اِک منارہ ہے جس میں عقیدتاً پیغمبر علیہ السلام کا نشانِ قدم رکھا ہے موسوم بہ "قدمِ رسول" اور مغرب کی سمت ایک مسجد ہے جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بیگم نے بنائی تھی۔

مادھو مسلمان ہو گیا تھا :- حقیقتُ الفقراء کے مولف پیر محمد کے بیان کے مطابق لال حسین نے عہدِ اکبر میں نشوونما پائی۔ لال حسین کو ایک برہمن لڑکے مادھو ساکن شاہدرہ سے بڑی دل لگی تھی۔ اس کا نام آج تک لال حسین کے نام کے آگے پیوستہ ہے جس سے عیاں ہے کہ ان میں کس قدر محبت تھی۔ مادھو مسلمان ہو گیا۔ اس کی قبر اپنے اس مذہبی پیشوا کے مزار سے ملحق ہے۔

شیخ حسین کی کرامات کے متعلق بہت سی حکایتیں بیان کی جاتی ہیں چنانچہ ایک یہ ہے کہ وہ رات کو راوی میں کھڑے ہو کر قرآن دہرایا کرتے ہیں۔ وہ شاہدرہ میں ۱۰۰۸ھ (۱۵۹۹ء ناؔمی کے حساب سے ۱۶۰۰ء) میں فوت اور دفن ہوئے۔ کئی سال بعد جیسا کہ بزرگ موصوف نے کہا تھا قبر راوی کے سیلاب کی نذر ہونے لگی تو مادھو نے لاش نکال کر

بڑے احترام سے یہاں دفن کی۔

مادھو کے اسلام قبول کرنے کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مادھو اپنے والدین کے ساتھ اشنان کے لئے گنگا کی طرف جاتا تھا مگر شیخ حسین نے فرمایا تجھے بروقت وہاں پہنچا دیا جائے گا۔ چنانچہ وقت آیا تو آپ نے فرمایا کہ آنکھیں بند کرو۔ بند کیں تو اس نے اپنے آپ کو لب گنگا پایا اور غسل کیا۔ کچھ دیر کے بعد آپ نے فرمایا کہ اب آنکھیں کھول دو۔ چنانچہ کھولیں تو شیخ کے پاس موجود تھے۔ اس کے والدین نے بھی واپس آکر تصدیق کی کہ مادھو نے ہمارے ساتھ اشنان کیا۔

دارا شکوہ نے اپنی تصنیف "شطحیات دارا"[1] میں لال حسین کے متعلق لکھا ہے کہ شہزادہ سلیم اور اکبر کی حرم شیخ مذکور کی روحانی قوت کی قائل تھیں اور ان کی بڑی عزت کرتی تھیں۔ سلیم نے خاص کر ایک درباری بہار خاں نامی کو مقرر کر رکھا تھا کہ اس بزرگ کی ڈائری لکھتا رہے چنانچہ یہ ڈائری "بہاریہ" کے نام سے موسوم اور لال حسین کے متعلق دلچسپ معلومات کی حامل ہے۔

جج صاحب موصوف بیان جاری رکھتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ لاہور کے دو بڑے میلے بسنت اور چراغاں ہر سال لال حسین کے مزار پر منعقد ہوتے ہیں۔ لوگوں کو اب تک یاد ہے کہ رنجیت سنگھ کے عہد میں کس شان سے یہاں بسنت کا میلہ ہوتا تھا۔ مہاراجہ اپنے سرداروں اور فوج سمیت بسنت منانے کے لئے بسنتی رنگ کا لباس پہنتے تھے اور مہاراجہ مزار پر سلام کے لئے حاضر ہوتا اور گیارہ سو روپیہ نقد اور بسنتی رنگ کی شال نذر کرتا تھا۔ (تاریخ لاہور ص ۱۴۶)

۱۔ اصطلاح صوفیہ میں شطحیات سے وہ باتیں مراد ہیں جو بظاہر مخالف شرع ہوں اور حالت مستی بے اختیار خلاف شریعت کلمات زبان سے کہے گئے ہوں۔ جیسا کہ بعض واصلین سے صادر ہوئے۔ مثلاً منصور سے اَنَا الحق اور جنید سے لَیْسَ فِیْ جبتی سوا اللہ اور بایزید سے سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمْ شَہانی مشائخ نے نہ یہ کلمات رد کئے ہیں نہ قبول۔ (ماخوذ از غیاث اللغات)

سید جیون المشہور بسید عبدالقادر ثالث گیلانی قدس سرہٗ

سید جیون شاہ موصوف گیلانی سادات کرام میں مشہور ولی اللہ ہیں۔ آپ شیخ بزرگ متقی، عابد اور عالم تھے۔ چونکہ کرامت، شرافت، شجاعت اور سخاوت میں نامور تھے اس لئے سید عبدالقادر ثالث مشہور ہوئے۔ ظاہری اور باطنی تربیت اور تکمیل اپنے والد ماجد سید محمد غوث بالا پیر صاحب ستگھرہ سے پائی اور والد ماجد کی وفات کے بعد ہندوستان وغیرہ کی طرف سیر و سیاحت کے لئے گئے اور اکثر بزرگوں کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ پھر لاہور آئے اور لاہور کی بیرونی آبادی گذر لنگر خاں میں اقامت گزین ہوئے اور پھر نیا محلہ بنام رسول پور آباد کیا اور وہیں ۱۰۲۲ھ میں وفات پائی اور لاہور کے اُس مقام میں جہاں اب حضرت شاہ چراغ بن عبدالوہاب آپ کے پوتے کا روضہ ہے دفن ہوئے۔ سید عبدالوہاب اور سید محمد آپ کے بیٹے تھے اور بی بی فاطمہ ثانی المشہور بی بی کلاں اور بی بی دولت دونوں آپ کی صاحبزادیاں ہیں۔ چنانچہ فاطمہ ثانی تو میراں محمد شاہ موج دریا بخاری سے بیاہی گئیں اور بی بی دولت کی شادی سید نظام الدین بن سید میر میراں بن سید مبارک بن سید محمد غوث سے ہوئی۔

منظوم تاریخ رحلت

عبدقادر چو شد ز دار فنا · یافت از حق تجلیٔ والا جا

"فیض اسلام" گو بتاریخش · ہم خواں "عبدقادر اہل خدا"

۱۰۲۲ھ · ۱۰۲۲ھ

۱۰۲۲ھ مطابق ۱۶۱۳ء ہے۔ اس لئے۔

ہاتفی حامد بسال عیسوی · "شیخ عالی منقبت" تاریخ گفت

۱۶۱۳ء

شاہ شمس الدین قادری لاہوری قدس سرہٗ

شاہ شمس الدین موصوف جلیل القدر ولی شیخ ابو اسحاق قادری لاہوری کے اور وہ شیخ داؤد چونی وال شیر گڑھی کے خلیفہ تھے۔ آپ بڑے بزرگ عالم، عامل، عارف کامل، فرد یگانۂ زمانہ، علم شریعت اور طریقت میں طاق، یگانہ آفاق تھے۔ سماع اور کشف کرامت سے محترز۔ لاہور میں فتوح عظیم حاصل ہوئی۔ طالبانِ خدا فوج در فوج آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ وقت شاہ جہانگیر آپ کا معتقد ہو گیا۔ آپ کے حکم سے کبھی انحراف نہ کرتا اور آپ ہر حاجت مند کے وسیلہ کے وسیلۂ جلیلہ بن کر سفارش فرماتے اور بادشاہ بڑی خوشی سے اس کی حاجت پوری کرتا۔

آپ کی وفات ۱۰۲۱ھ کے ماہ رجب کی گیارہ تاریخ مطابق ۲۸ اگست ۱۶۱۲ء کو ہوئی۔ مزار بیرون لاہور دو کوس کے فاصلے پر جانب ککھنی ۱؎ (جنوب مشرق) واقع ہے شاہ بلاول لاہوری آپ کے جلیل القدر خلیفہ ہیں۔ (گنج تاریخ ص ۳۱)

منظوم تاریخ رحلت

جلوہ گر شد چوں باوج ہفت چرخ روح شمس الدین ولیٔ باصفا

سال ترحیلش عیاں شد از خرد ہادیٔ محبوب شمس الاتقیا

"فخر عالم" "شمع بوتراب" باز "مجذوب کریم" آمد ندا

"صاحب ذکر" است وہم "عارف حق" "شیخ عالی" نیز ہادیٔ رضاء
۱۰۲۱ھ ۱۰۲۱ھ ۱۰۲۱ھ ۱۰۲۱ھ

بگفتا ہاتفے تاؔئبِ حامد ! کہ تاریخش "شریف الطبع شیخ است"
۱۶۱۲ء

۱؎ ہندی میں چار گوشوں کے نام یہ رکھے گئے ہیں جنہیں مفتی غلام سرور اور تحقیقات چشتی والے صاحب بھی استعمال کرتے ہیں۔ گوشہ شمال مغرب = ووسٹ + گوشہ جنوب مغرب = نیرت + گوشہ جنوب مشرق = ککھنی + گوشہ شمال مشرق = ایسن (ماخوذ از تاریخ اقوام انگریزی صفحہ ۲۴۳) تائبؔ

اضافہ از انگریزی تاریخ لاہور :۔ محمد لطیف صاحب جج کہتے ہیں کہ مزار گورنمنٹ ہاؤس سے جنوب مشرق اور پنجاب چیفس کالج سے جنوب مغرب کی طرف کھلے خطۂ زمین پر واقع ہے اسے چار دیواری محیط ہے۔ مستطیل کے چاروں کونوں پر مینار تھے مگر وہ اب گر چکے ہیں۔ شاہجہان ایامِ شہزادگی میں اکثر آپ کی زیارت کو آتا تھا۔ آپ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ تم جہانگیر کے بعد بادشاہ ہو گے۔ آپ ۱۰۲۲ھ مطابق ۱۶۱۳ء میں فوت ہوئے۔ (مفتی صاحب مرحوم کے ذکر کردہ سال سے ایک سال کا فرق معمولی بات ہے۔ تائبؔ) شاہجہان نے تخت نشین ہو کر یہ مقبرہ بنوایا۔ اس کے شمالی دروازہ مندرجہ ذیل تاریخی شعر خط نستعلیق لکھے ہیں۔

چو شمس الملل زین جہاں رخت بست بیار است ایزد برایش بہشت

جستم ز پیر خرد سال او بگفت از ہر لطف "جالیش بہشت"
۱۰۲۱ھ

(ثابت ہوا کہ مفتی صاحب کی تاریخ ٹھیک ہے۔ تائبؔ)

پہلے بڑا عظیم الشان باغ اس روضہ کی زینت تھا مگر اب بہت چھوٹا سا رہ گیا ہے۔ مقبرہ کے شمال کی طرف ایک خوبصورت مسجد ہے۔ جس کے سامنے کی محراب پر ایمان کی صفت کے بعد لکھا ہے۔

بانی ایں مسجد میاں گھیسا سنہ ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۸۹ء)

لاہور کے مسلمانوں کو اس مقبرہ کا بڑا احترام ہے وہ منت پوری ہونے پر نذرانے پیش کرتے ہیں۔

سید خیر الدین ابو المعالی قادری کرمانی قُدِّس سِرُّہٗ

سید موصوف کے والد بزرگوار کا نام سید رحمت اللہ تھا۔ آپ صحیح النسب کرمانی سید ہیں۔ بڑی کرامتوں کے مالک اور مقامِ ارجمند پر فائز۔ زہد و ورع، تقویٰ اور ریاضت میں مشہور۔ شیخ داؤد شیر گڑھی کے بھتیجے اور خلیفہ۔ بیعت کے بعد تیس برس بڑی سخت ریاضتیں کیں۔ تکمیل میں کمال حاصل کر چکے تو خرقۂ خلافت عطا کر کے حضرت مرشد نے لاہور کی طرف رخصت فرمایا۔ راستے میں جہاں قیام کیا وہاں چاہ، تالاب اور باغیچہ تعمیر فرمایا۔ چنانچہ شیر گڑھ سے لاہور تک چند جگہ یہ عمارتیں شاہ ابو المعالی کے جھوک سے مشہور ہیں۔ جب آپ لاہور وارد ہوئے تو خلقِ کثیر آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئی اور آپ نے بڑی قبولیت حاصل کی۔ آپ کی بڑی کرامت یہ تھی کہ جو شخص آپ کی بیعت کرتا اُسے اسی رات حضرت غوث الاعظم محی الدین عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا دیدار حاصل ہو جاتا۔ فقیر بے اندوہ محمد دارا شکوہ سفینۃ الاولیاء میں رقم طراز ہیں کہ عارف حق آگاہ ملا شاہ نے بیان کیا کہ ایک دن ہم اپنے اخوند ملا نعمت اللہ کے ہمراہ جو عالم و عامل اور فقیر کامل تھے۔ عاشقِ لاابالی شاہ ابو المعالی کی زیارت کو گئے۔ وہاں بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے ایک تسبیح آپ کی خدمت میں ہدیتاً پیش کی۔ آپ نے قبول کر لی اور اپنے سامنے رکھ دی۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ اگر شاہ ابو المعالی کو کشفِ قلوب ہے تو مجھے یہ تسبیح عطا کر دیں۔ جب میں رخصت ہوا تو آپ نے مجھے اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ یہ تسبیح حسب مدعا لے لو۔ اگر ہو سکے تو ہر روز سو مرتبہ تسبیح درود شریف پڑھو تا کہ مجھے تمہیں اور لانے والے کو ثواب حاصل ہو۔

یہ بات بھی سفینۃ الاولیاء میں درج ہے کہ اخوند نعمت اللہ فرماتے تھے کہ ایک دن میرے دل میں خیال آیا کہ میں حضرت غوث الثقلین قُدِّس سِرُّہٗ سے بڑی ارادت و اعتقاد رکھتا ہوں۔ وہ بھی میری اس ارادت مندی سے آگاہ ہوں گے اور کیوں نہ ہوں گے جب کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ اگر میں مغرب میں ہوں اور میرا مرید ننگے سر مشرق میں ہو تو میں اس کی سرپوشی کروں گا۔ میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک بیابان میں ننگے سر کھڑا ہوں کہ

حضرت غوث الاعظم تشریف لائے اور مجھے سفید پگڑی عطا کی اور فرمایا کہ ہم تیرے اس حال سے خبردار ہیں کہ تو ننگے سر کھڑا ہے لہٰذا میں نے چاہا کہ تیرا سر ڈھانپ دوں۔ جب صبح ہوئی تو شاہ ابو المعالی نے مجھے پاس بلایا اور سفید دستار مجھے عنایت کی اور فرمایا کہ یہ وہی دستار ہے جو رات تجھے غوث الاعظم نے دی۔

یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ شاہ ابو المعالی حضرت غوث الاعظم کے بڑے منظور و محبوب تھے اور آپ ان سے کمال ارادت اور اخلاص رکھتے تھے اور طریقِ اُویسی ان سے بڑے فائدے حاصل کیے اور حسب الاعتقاد حضرت غوث الاعظم کے مناقب اور کرامات کے ذکر میں ایک تصنیف کی بنام تحفۂ قادریہ۔ علاوہ ازیں آپ کی اور تصانیف بھی ہیں۔ ایک کتاب سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیۂ مبارک میں ہے اور دیوانِ اشعار بھی آپ کی اولاد کے پاس ہے۔

آپ بروز دو شنبہ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ ۹۶۰ھ میں پیدا اور ۱۶ ربیع الاول ۱۰۲۴ھ کو عہد جہانگیر میں واصلِ حق ہوئے۔ روضۂ مطہرہ لاہور کے موتی دروازہ (المشہور موچی دروازہ) کے باہر ہے۔ دونوں عیدوں کے دن سینکڑوں آدمی آپ کی زیارت کو جاتے ہیں۔

آپ کی حق یادگار اولاد سید مراد الدین وغیرہ لاہور میں مقیم ہے۔

منظوم تاریخ

بوالمعالی خیر دین احمدی آنکہ شد پر نور زور وے زمیں

"خیر دیں موتی" است تولیدش عیاں رحلتش فرما "معتقے خیر دین"

۹۶۰ھ ۱۰۲۴ھ

گویا آپ ۶ / اپریل ۱۶۱۵ء کو راہئ عالم باقی ہوئے لہٰذا ہے

سالِ عیسوی تاریخ ہاتی بجو "پاکیزہ صورت خیر دین" است

۱۶۱۵ء

چو ہای زمانہ بجر سید سال "بزرگ آستاں خیر دین" است گفت

۱۶۱۵ء

جج محمد لطیف تاریخ لاہور انگریزی میں لکھتے ہیں کہ ابو المعالی کا شاندار مقبرہ موچی دروازہ لاہور کے باہر واقع ہے۔ خیر دین المشہور ابو المعالی اکبر اور جہانگیر کے عہد میں بڑے مُقدّس بزرگ ہوئے ہیں۔ آپ بھیرہ ضلع شاہ پور کے باشندے تھے۔

اس مقبرہ کا بڑا حصہ آپ نے اپنی زندگی میں خود بنوایا تھا۔ جب ۱۰۲۵ھ مطابق ۱۶۱۶ء میں فوت ہو گئے تو باقی حصہ آپ کے صاحبزادہ محمد بحر نے مکمل کیا۔ آپ کے عرس پر بڑا میلہ لگتا ہے۔ اسی طرح عید پر بھی خلقت بڑی خوشی اور مسرت سے شریک ہوتی ہے۔

میاں نتھا دیوان قادری قُدّس سِرّہٗ

آپ حضرت میاں میر بالا پیر لاہوری کے خاص الخاص مرید ہیں۔ تمام عمر پیر روشن ضمیر کی خدمت میں بسر کر دی اور پیر صاحب بھی رات کو کسی اور دوست اور مرید کو اپنے پاس سوائے میاں نتھا کے نہ رہنے دیتے۔ یہی آپ کے محرم راز اور یار دمساز تھے۔ حالتِ استغراق میں میاں نتھا پر اس قدر بے خودی طاری ہوتی کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہتی۔

کہتے ہیں کہ ایک درویش جونپور سے میاں نتھا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا کہ تم کون ہو اور کیا کام ہے؟ آپ کی زیارت مقصود ہے! مجھے دیکھ لیا ہے؟ اب چلے جاؤ۔ اُس نے کہا میں آپ کے نام عُرف اور احوال سے واقف ہونا چاہتا ہوں۔ فرمایا میرا نام نتھا ہے۔ قوم پراچہ گنج کش اور میاں میر بالا پیر کا کمترین خادم ہوں اور احوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم جبروت ملکوت اور لاہوت کی کنجیاں مجھے عطا کی ہیں۔ جس وقت چاہتا ہوں دروازہ ملکوت کھول کر داخل ہو جاتا ہوں۔ اگر چاہوں جبروت میں اور اگر چاہوں لاہوت میں چلا جاتا ہوں۔ محمد دارا شکوہ سے مفتی غلام سرور صاحب حوالہ سفینۃ الاولیاء نقل کرتے ہیں کہ درخت 'پتھر' نباتات سب میاں نتھا سے ہم کلام ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک دن صحرا میں گزر ہوا تو ایک درخت نے آواز دی کہ اگر میرے پتے لیں اور قلعی میں ڈال کر آگ دیں تو

چاندی بن جائے۔ میاں صاحب نے کچھ جواب نہ دیا اور وہاں سے چلے گئے۔ اسی طرح ایک اور درخت نے آواز دی کہ اگر میری تھوڑی سی لکڑی لے کر اور مس ملا کر آگ دیں تو خالص سونا بن جائے مگر میاں نتھا نے اس کی طرف بھی توجہ نہ کی۔ ایک دن گنبد کے نیچے بیٹھے تھے کہ باہر جانا چاہا۔ ایک آواز آئی کہ کچھ عرصہ یہیں بیٹھے رہو۔ پوچھا تو کون ہے اور روکنے کا سبب کیا ہے۔ کہا میں یہی گنبد ہوں جس میں تم بیٹھے ہو اور وجہ یہ ہے کہ سخت بارش آ رہی ہے۔ باہر جاؤ گے تو تکلیف اُٹھاؤ گے۔ اُسی وقت بارش شروع ہو گئی۔

کہتے ہیں کہ ایک دن میاں نتھا نے چلتے چلتے ایک مُردہ چوہا راہ میں پڑا دیکھا۔ جس کا گوشت ہڈیوں سے الگ الگ ہو رہا تھا۔ آپ نے اُسے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کیوں اس حال میں پڑا ہے۔ اُٹھ اور اپنی جگہ چلا جا۔ چوہا اُسی وقت زندہ ہو کر چلا گیا۔

ایک دفعہ میاں نتھا حضرت میاں میر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے دریافت کیا کہ اِن دنوں کہاں جا کر مشغولِ عبادت ہوتے ہو۔ عرض کیا پہلے موضع اچھرہ کے آس پاس کے نخلستان میں جایا کرتا تھا مگر وہ جمعیت خاطر نہ رہی کیونکہ درخت بلند آواز سے تسبیح سبحان اللہ والحمد للہ پڑھتے تھے اور اُن کے شور کی وجہ سے میرے اشغال میں خلل واقع ہوتا تھا۔ اب خلیفہ جنید کے محلے میں ایک گوشہ مل گیا ہے جہاں دل جمعی سے مشغول ذکر ہوتا ہوں۔ یہ تقریر سن کر حضرت میاں میر نے تبسم فرماتے ہوئے کہا کہ دیکھو ایک تیلی لڑکے کا کلام کہاں تک پہنچا ہے اور کیسی بلند باتیں کرتا ہے۔

ایک دن میاں نتھا، حضرت میاں میر اور ملا محمد سیالکوٹی حجرے کے باہر دیوار کے سایہ میں بیٹھے تھے۔ وقتِ خوش تھا۔ اچانک بادل آئے اور ہوا چلنی شروع ہوئی۔ میاں میر صاحب نے فرمایا اب یہاں سے اُٹھنا ہی چاہئے۔ میاں نتھا نے کہا، اگر آپ فرمائیں تو بادل اور ہوا کو درہم برہم کر دوں تاکہ ہوا صاف ہو جائے۔ حضرت میاں میر نے برہم ہو کر فرمایا کہ تم اظہارِ کرامت اور خود فروشی کر رہے ہو۔ اگر یہاں سے اُٹھ کر حجرہ میں چلے جائیں تو کیا حرج ہے۔ خدائی کام میں کیوں دخل دیں کہ محمود کا فعل محمود ہوتا ہے۔

میاں نتھا کی وفات حسب سفینۃ الاولیاء ۱۰۲۷ھ مطابق ۱۶۱۸ء میں ہوئی۔ حضرت میاں میر نے چشم پُرنم ہو کر فرمایا کہ فقیر خانہ کی رونق میاں نتھا لے گئے اور آخری وقت اپنے خادموں کو وصیت کی کہ جہاں میاں نتھا دفن ہے مجھے اسی کے قریب دفن کرنا۔ میاں نتھا کی قبر حضرت میاں میر کے روضہ کی چار دیواری کے سامنے چبوترہ نمبر ۱۳ پر دیگر خادموں کے ساتھ ہے۔

منظوم تاریخ

حضرت نھتا کہ ولی خداست — عارفِ حق واقفِ علم الیقین
ز "عاشق مستانہ" جو رحلتش — نیز "زمحبوب بہشت بریں"
۱۰۲۷ھ — ۱۰۲۷ھ
ہے "معدنِ فیوض میاں نتھا" — یا "شیخ اوالعلی میاں نتھا"
۱۶۱۷ء (ناہی)

سید عبدالوہاب گیلانی قُدّس سِرُّہٗ

سید عبدالوہاب موصوف ساداتِ عظام اور اولیاء ذوالاکرام سے تھے۔ سید عبدالقادر ثالث گیلانی بن سید غوث بالا پیر سے تربیت اور تکمیل حاصل کی اور لاہور میں علَم مشیخت بلند کیا اور بہت لوگ آپ کے مُرید ہوئے۔ آخر ۱۰۳۷ھ مطابق ۱۶۲۷ء میں فوت ہوئے۔

تاریخ منظوم

عبد وہاب چوں بفضل الحق — رفت آخر جنت الاعلیٰ
رحلتش گو "امام دیں فیاض" — "افضل و سید ولی" فرما
۱۰۲۷ھ — ۱۰۲۷ء
گفت ناہی بسالِ رحلت او — "عبد وہاب شیخ برکت باب"
۱۰۲۷ء

مُلّا حامد قادری گوجر قُدّس سِرُّہٗ

مُلّا صاحب موصوف عُلُومِ ظاہر و باطن اور رمُوزِ طریقت و حقیقت کے جامع اور قراتِ قُرآن میں لاثانی تھے۔ شروع میں آپ حضرت میاں میر کے موافق نہ تھے پھر ان کی روحانی کشش سے حاضر ہو کر مخلص مرید بن گئے اور سب کچھ چھوڑ کر عبادتِ حق اختیار کر لی اور تھوڑی مدت میں آپ پر عالَمِ ملکوت منکشف ہو گیا اور کمالاتِ ولایت حاصل ہو گئے۔ آخر ۱۰۴۶ھ میں ۷ از رمضان کو وفات پائی اور حضرت میاں میر کے روضہ کے سامنے دفن ہوئے۔

مطابق ۱۶۳۶ء ۷ از رمضان المبارک کو فروری کی ۲۴ تاریخ تھی۔

بہر تاریخ ناہیؔ حامد ! — مُلّا حامد صاحب عظمت لکھو

حضرت شیخ محمد میر المشہور میاں

میر بالا پیر قادری رحمتہ اللہ علیہ

ابتدائی حالات :- حضرت میاں میر قُدّس سِرُّہٗ شیخ خضر سیوستانی قادری کے جلیل القدر مُرید اور خلیفہ ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا نام قاضی سائیں دتہ بن قاضی قلندر فاروقی تھا اور والدہ ماجدہ بی بی فاطمہ قاضی قادن کی صاحبزادی تھیں۔ شجرہ نسب حضرت عُمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ شہر سیوستان میں پیدا ہوئے۔ سات برس کے تھے کہ پدر بزرگوار فوت ہو گئے۔ بارہ برس کے سن تک عُلومِ دینی میں طاق اور یگانہ آفاق ہو گئے۔ مادر مہربان نے سلسلۂ قادری کی تلقین کی اور عالَمِ ملکوت کے کشف کا مرتبہ حاصل ہوا۔ پھر سب تعلقات چھوڑ کر والدہ کی اجازت سے گھر سے نکلے اور کوہ سیوستان میں شیخ خضر کے مُرید

ہوئے اور تکمیل کو پہنچے۔ خرقۂ خلافت لے کر پیر روشن ضمیر کی اجازت سے لاہور آئے اور باطن میں حضرت غوث الاعظم کے مرتبہ اولیت پر سرفراز ہوئے۔ جب چاہتے آپ حضرت غوث الثقلین کے دیدار سے مستفیض ہو جاتے۔ جب لاہور آئے تو آپ کی عمر ۲۵ برس تھی۔ یہاں زہد و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ کبھی رات کو نہ سوتے اور ایک سانس میں صبح کر دیتے۔ روزہ ایک ہفتہ بعد افطار کرتے۔ جب حالتِ استغراق زیادہ ہوتی تو ایک ایک مہینہ طعام کے بغیر گزر جاتا۔

غیب سے طعام :- محمد دارا شکوہ کا بیان ہے کہ اسی ریاضت کی حالت میں تھے کہ حضرت میاں میر کے بھائی وطن سے تشریف لائے کھانے کو کچھ نہ تھا۔ بڑے پریشان ہوئے۔ بھائی کو حجرے میں بٹھا کر باغ کو گئے۔ وضو اور دوگانہ ادا کر کے اللہ سے دعا مانگی کہ الٰہی میں بے کس و بے یار ہوں۔ تیرے سوا کوئی نہیں۔ کوئی شے پاس نہیں کہ مہمان کو دے سکوں۔ اسی اثناء میں ایک شخص نے گھر سے آکر کہا کہ ایک شخص کھانا لایا ہے اور انتظار کر رہا ہے۔ جب آپ گھر پہنچے تو وارد نے خوانِ طعام پیش کیا اور کہا کہ جس سے کھانا مانگا ہے اُسی نے یہ مع نقد بھیجا اور کہا ہے کہ جو کچھ اور درکار ہو کہیں کہ پہنچا دیا جائے آپ نے دوگانہ شکرانہ ادا کیا اور مہمان کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔

سانپ کا طواف :- ایک دن دریائے راوی کے کنارے بیٹھے تھے کہ ایک بڑا سیاہ سانپ آکر آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور ایسی زبان میں گفتگو کی جسے کوئی اور نہ سمجھ سکا۔ پھر تین بار آپ کے گرد طواف کر کے لوٹ گیا۔ آپ نے حاضرین کے پوچھنے پر فرمایا کہ اس سانپ نے کہا کہ میں نے یہ قرار دے لیا تھا کہ جب تمہیں ملوں گا تو تین بار تمہارے گرد طواف کروں گا۔ جب میں نے اجازت دی تو طواف کر کے چلا گیا۔

بے رحم شکاری کی توبہ اور ارادت :- ایک دن حضرت میاں میر زین خان کے باغ میں بیٹھے تھے کہ ایک فاختہ نے بڑے سوز و گداز سے کوکو کرنا شروع کیا۔ اتنے میں ایک شکاری آیا اور اسے ایک ڈھیلا مارا جس کی ضرب سے وہ گر کر مر گئی اور شکاری اسے مردہ دیکھ کر پھینک گیا۔ آپ نے خادم کو فرمایا کہ فاختہ کو اٹھا لاؤ۔ چنانچہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ جی اٹھی اور اڑ کر درخت پر جا بیٹھی اور پھر کوکو کرنا شروع کر دیا۔ شکاری اس کی آواز سن کر لوٹا اور اسے پھر نشانہ بنانا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ ادھر ہاتھ نہ اٹھا مگر وہ باز نہ آیا اور مٹی کی گولی پھینکنے کو ہاتھ بلند کیا ہی تھا کہ اس میں سخت درد پیدا ہوا اور اس کی شدت سے زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ آپ اس کے سر پر پہنچے اور فرمایا کہ اے بے درد یہ اسی بے دردی کا نتیجہ ہے جو تو نے اس بچاری فاختہ سے اختیار کی اور میرے منع کرنے کے باوجود باز نہ آیا۔ آخر اس صیاد نے آپ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور قسم کھائی کہ آئندہ شکار نہ کروں گا۔ یہ بات سن کر حضرت میاں میر نے اس کے ہاتھ پر دست مبارک پھیرا۔ درد جاتا رہا اور وہ آپ کا مرید ہو کر مرتبہ بلند پر فائز ہوا۔

چند کرامتیں :- ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کیا کہ میرا بیٹا بیمار ہے اس کے لئے دعا کریں۔ آپ نے کوزہ میں پانی دم کر کے بیٹے کو پلانے کے لئے دیا۔ جس کے پینے سے بیمار شفایاب ہو گیا۔ اسی طرح ایک شخص اپنے بیٹے کو لایا کہ یہ گونگا ہے بات نہیں کرتا۔ آپ نے اسے فرمایا کہ لڑکے پڑھ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ چنانچہ اس نے پڑھا اور بولنے لگ گیا۔

ایک دفعہ آپ نے رومال جس سے وضو کر کے منہ پونچھتے تھے اپنے خادم کو عطا فرمایا اور کہا اسے پاس رکھو۔ گھر میں جو کوئی بیمار ہو اس کے سر پر باندھ دینا۔ ان شاء اللہ شفایاب ہو گا۔ چنانچہ اس نے استعمال کر کے نہ صرف اپنے عیال کے لئے نفع رساں پایا بلکہ اور بھی جو کوئی آسیب زدہ ہوتا اس رومال کے باندھنے سے اچھا ہو جاتا۔

ایک دن حضرت میاں میر باغ میں تشریف لے گئے اور درخت سرو سے مخاطب

ہو کر فرمایا کہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کون سے ذکر پر مامور ہے۔ درخت نے جواب دیا۔ یا حضرت "اسمِ یا نافع" پر۔

ایک دن حضرت میاں میر کی خدمت میں ایک شخص از قوم مغل سرو پا برہنہ آکر بیٹھ گیا۔ اس کے بدن پر صرف ایک تہہ بند تھا۔ اتنے میں ایک اور شخص نے حاضر ہو کر ۲۵ روپیہ نذرانہ پیش کیا جو آپ نے خلافِ معمول قبول کر لیا اور یہ رقم اُس مغل کو دے کر فرمایا کہ اس سے گھوڑا خرید کر فلاں شہزادے کے پاس جاؤ نوکری مل جائے گی۔ یہ دیکھ کر ایک درویش بہوار نجیدہ ہوا اور کہا کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک ہی شخص کو ساری رقم دی جائے۔ حالانکہ دوسرے درویشوں کے ساتھ میں بھی مستحق تھا۔ چنانچہ ایکی بے ہودہ باتیں کرتا ہوا چلا گیا۔ آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ اس شخص کی کمر میں ایک سو بائیس روپیہ آٹھ آنے بندھے ہیں اور پھر اپنے آپ کو مستحق قرار دیتا ہے۔ میں نے خدا سے دعا کی ہے کہ اس کا روپیہ تلف ہو اور اُس کے غم میں بیمار ہو کر مر جائے چنانچہ وہ طامع بدگو شخص غسل خانے میں نہانے گیا۔ کمر سے تھیلی کھول کر رکھی اور بھول گیا۔ جو کسی کے ہاتھ آ گئی اور وہ بدگو درویش روتا پیٹتا میاں میر صاحب کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا تیری تھیلی ایک درویش کے پاس ہے۔ جو کشتی میں بیٹھا ہے اُس سے جا کر لے لے۔ چنانچہ اُس درویش نے اُسے خود ہی اُس کا مال دے دیا۔ مگر اس صدمہ سے وہ بیمار ہو چکا تھا۔ آخر مر گیا اور اُس کا مال دو خادم بانٹنے لگے۔ ایک اور دیکھتا تھا۔ اُس نے اِن کے کھانے میں زہر ملا دیا۔ دونوں مر گئے اور تیسرا قتل ناحق کی پاداش میں قتل ہوا اور بخیل کا مال کسی کام نہ آیا۔ خزانہ شاہی میں داخل ہوا۔

حضرت میاں میر کے خادم نور محمد کا بیان ہے کہ ایک رات حضرت موصوف حجرے کے اُوپر تشریف لے گئے اور مجھے فرمایا کہ پانی کا کوزہ، پنکھا اور نعلین وہاں رکھ دو۔ میں پنکھا اور نعلین تو رکھ آیا مگر پانی رکھنا بھول گیا۔ کچھ رات باقی تھی کہ میں نیند سے بیدار ہوا اور کوزہ آب یاد آیا۔ جلدی سے وہاں رکھنے گیا تو آپ کو موجود نہ پایا۔ حیران ہوا اور دیا جلا کر آپ کو ہر جگہ تلاش کیا مگر آپ کہیں نظر نہ آئے۔ بہت پریشان ہوا۔ صبح نماز کا وقت ہوا تو آپ نے

مجھے اس حجرے سے آواز دی کہ پانی لاؤ۔ میں کوزہ بھر کر حاضر ہوا اور بے اختیارانہ پوچھا کہ آپ رات کہاں تھے۔ آپ نے نہ بتایا۔ جب میں نے بہت اصرار کیا تو فرمایا کہ غارِ حرا میں تھا۔ وہاں جو عبادت کا لُطف آتا ہے اور کہیں نہیں آتا۔ افسوس ہے اُن لوگوں پر جو حج کے جاتے ہیں اور اُس جگہ کی زیارت نہیں کرتے۔ جہاں رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جا کر عبادت کیا کرتے تھے اور وہیں آپ پر نزولِ وحی شروع ہوا تھا۔

جب جہانگیر بادشاہ کشمیر میں تھا تو اسے بعض لوگوں نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور مرزا حسام الدین مُرید خواجہ باقی باللہ کے خلاف چند باتیں گوش گزار کیں۔ بادشاہ نے دونوں کو کشمیر حاضر ہونے کا حکم بھیجا اور لکھا کہ شیخ عبدالحق کا بیٹا شیخ نُورُالحق کابل چلا جائے۔ شیخ عبدالحق پریشان حال لاہور آئے اور حضرت میاں میر کی خدمت میں حاضر ہو کر حکم بادشاہ سے مطلع کیا۔ آپ نے فرمایا کہ خاطر جمع رکھو سب دہلی ہی میں رہو گے۔ چنانچہ اسی اثناء میں بادشاہ کے کشمیر میں فوت ہونے کی خبر آ گئی اور اُس کی نعش لا کر لاہور میں دفن کر دی گئی اور تینوں دہلی میں ہی رہے۔

اُمرائے لاہور میں سے ایک نے اپنی حویلی میں کنواں کھودا۔ مگر پانی شور نکلا۔ وہ کوزہ پُر کر کے حضرت میاں میر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بہت پریشان حال تھا۔ آپ نے سورہ الحمد پڑھ کر پانی پر پھونکی۔ تھوڑا پانی اس سے پیا اور فرمایا کہ باقی جا کر کنویں میں ڈال دو۔ چنانچہ اس عمل سے آپ چاہ شیریں اور سرد ہو گیا۔

عہدِ جہانگیر میں قلعہ کانگڑہ کا محاصرہ ہوا جو افسر تسخیر پر مامور تھے۔ اُن میں ایک حضرت میاں میر کا مُرید تھا۔ اُس نے آپ کی خدمت میں فتح قلعہ کے لئے عرضی لکھی کہ دعا کریں۔ آپ نے اُسی کی پُشت پر لکھ بھیجا کہ قلعہ جلد فتح ہو جائے گا چنانچہ چار دن کے بعد اس کی تسخیر عمل میں آئی۔

ایک شخص محمد فاضل نام حضرت میاں میر کا مُرید تھا۔ اُس کا لڑکا فوت ہو گیا۔ آپ نے تسلی دی کہ غمگین نہ ہو۔ تیری اہلیہ حاملہ ہے نعم البدل بیٹا پیدا ہو گا۔ چنانچہ وقت

مقررہ پر پسر متولد ہوا۔ آپ نے اس کا نام افضل رکھا اور فرمایا کہ تقدیر میں تو لڑکی لکھی تھی مگر میں نے تین بار اللہ تعالیٰ سے دعا کی جو مقبول ہوئی اور بیٹا پیدا ہوا۔

ایک شخص کی کنیز بہت سامال لے کر جو ایک اور شخص کی امانت تھا فرار ہو گئی۔ وہ آپ کی خدمت میں طالبِ دعا ہوا۔ فرمایا غم نہ کر کنیز تیرے گھر میں ہی ہے۔ چنانچہ اس نے جا کر اُسے گھر میں موجود پایا۔ اُسے پوچھا کہ کہاں تھی۔ بتایا کہ بڑی دور بیٹھی تھی کہ ایک شخص نے بازو پکڑ کر مجھے یہاں لا بٹھایا۔ حیران ہوں کہ اتنے دور فاصلے سے ایک لمحہ میں یہاں کس طرح پہنچ گئی۔

ایک شخص عالم و فاضل ملا سنگی روستاقی نام حضرت میاں میر کا خادم تھا۔ آپ کی خدمت میں کئی سال سے حاضر تھا۔ ایک دن آپ نے اُس سے فرمایا کہ تمہیں اپنے وطن دوستاق میں ایک دفعہ ضرور جانا اور اپنے متعلقین کی خبر لینا ضروری ہے۔ اگرچہ ملا سنگی کا دل نہیں چاہتا تھا مگر ارشاد کی تعمیل کے لئے روانہ ہو گیا۔ بدخشاں پہنچ کر شام کے بعد روستاق میں داخل ہوا۔ اپنے گھر کے قریب پہنچ کر دیکھا کہ گھر میں بہت ہجوم ہے۔ شمعیں روشن ہیں اور کھانا پک رہا ہے۔

ایک شخص سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ گھر ملا سنگی کا ہے اور وہ ۲۲ سال سے ہندوستان گیا ہوا تھا۔ چند مہینے ہوئے کہ اُس کی موت کی خبر آئی۔ اُس کی بیوی نے عدت کی مدت گزار لی ہے۔ ایک شخص نے اُس سے نکاح کرنے کی خواہش کی ہے اور مجلس ترتیب دی ہے۔ یہ بات سُن کر ملا سنگی نے خیال کیا کہ حضرت میاں میر کو کرامت سے اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی تھی اس لئے آپ نے مجھے یہاں بھیجنے پر زور دیا۔ اسی اثناء میں ملا سنگی کے رشتہ داروں کو اُس کی آمد کی اطلاع ہوئی اور بڑی خوشی سے اُسے گھر لے گئے اور جو مجلس کہ منعقد ہوئی تھی درہم برہم ہو گئی۔ پس ملا کچھ مدت اپنے اہل و عیال میں رہے اور پھر ان کے لئے نان و نفقہ کا انتظام کر کے حضرت میاں میر کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے اُس سے بن پوچھے فرمایا کہ اے ملا اگر ایک گھڑی دیر سے وہاں پہنچتے تو بڑی قباحت واقع ہوتی۔

ملا نے سر قدم پر رکھتے ہوئے بڑا شکریہ ادا کیا۔

ایک دن حضرت میاں میر اپنے خلیفہ ملا شاہ کے ساتھ قبرستان میں تشریف لے گئے اور دونوں ایک قبر کے سرہانے بیٹھ کر مشغول ذکر ہوئے۔ ملا شاہ نے کشفِ قبور کی راہ سے کہا کہ یا حضرت اس قبر والا کہتا ہے کہ میں جوانی کے عالم میں مر گیا تھا اور اپنے ناشائستہ کردار کی وجہ سے عذاب میں گرفتار ہوں۔ اب آپ لوگ میری قبر پر آئے ہیں تو میرا گرفتارِ عذاب رہنا تعجب کی بات ہے آپ نے فرمایا کہ اس صاحبِ قبر سے پوچھو کہ تمہارا عذاب کس طرح رفع ہو سکتا ہے۔ ملا شاہ نے توجہ کر کے عرض کیا کہ اگر ستر ہزار بار کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ کر اس کا ثواب مجھے پہنچا دیا جائے تو عذاب اُٹھ سکتا ہے۔ پس حضرت میاں میر نے تمام مریدوں اور خادموں کو جمع کر کے فرمایا کہ سب مل کر کلمہ طیبہ پڑھیں۔ جب پڑھا جا چکا تو ملا خواجہ نے کہا کہ صاحبِ قبر کہتا ہے کہ کلمہ طیبہ کی برکت اور آپ لوگوں کی انفاسِ پاک کے طفیل اللہ تعالیٰ نے عذاب سے مجھے رہائی دے دی ہے۔

وفات:۔ حضرت میاں میر جیو صاحب سفینۃ الاولیاء مقام سیوستان ۹۵۷ھ مطابق ۱۵۵۰ء میں پیدا ہوئے اور وفات بروز سہ شنبہ بعد از نماز ظہر ۷ ربیع الاول ۱۰۴۵ھ مطابق ۱۱ اگست ۱۶۳۵ء عہد شاہجہان میں واقع ہوئی جبکہ لاہور میں نواب وزیر خاں کی حکومت تھی۔ (وہی جس کی لاہور میں مشہور مسجد کی تاریخ تعمیر "بانی مسجد وزیر خاں" سے برآمد ہوتی ہے۔ ہاشمی)

آپ کی عمر ۸۸ برس کی ہوئی۔ ساٹھ برس سے زیادہ لاہور میں رہے۔ مزار پُر انوار لاہور میں مشہور ہے۔

حضرت میاں میر کے چار بھائی اور دو بہنیں تھیں۔ ایک بھائی میاں قاضی تھے اور دوسرے قاضی عثمان۔ تیسرے قاضی طاہر اور چوتھے قاضی محمد۔ ایک بہن بی بی بادی اور دوسری بی بی جمال خاتون تھیں۔ یہ بی بی ولیہ عارفہ تھیں۔

حضرت میاں میر کی تاریخ منظومہ ملا فتح اللہ قادری مندرجہ کتاب سکینۃ الاولیاء یہ ہے۔

میاں میر سرِ دفترِ عارفاں — کہ خاکِ درش رشکِ اکسیر شد
خرد بہر سالِ وفاتش نوشت — بفردوس والا میاں میر شد
۱۰۴۵ھ

از مفتی غلام سرور مرحوم

میر دنیا و دیں میاں میر است — واقفِ راز محرمِ اسرار!
ہست "میر بہشت" تولیدش — ہم "میاں میر چشمۂ انوار!"
۹۵۷ھ — ۹۵۷ھ
باز فرمود "شیخ والا جاہ" — عقل تولید او بہر تکرار!
۹۵۷ھ
"ہندۂ مقتدا میاں میر است" — سال تولید آں شہ ابرار
۹۵۷ھ
ہادیٔ صدق میرا شرف خواں — وصل آں شاہ زبدۃ الابرار
۱۰۴۵ھ
نیز "فیاضِ حق ولی" آمد — ہم "میاں میر دستگیر" اے یار
۱۲۰۵ — ۱۰۴۵ھ
سنو ہے یہ تاریخ نامی کی نغز — "میاں میر ہادیٔ بیدار مغز"
۱۶۳۵ء

سید عبداللطیف جج تاریخ لاہور (انگریزی) میں کئی جگہ حضرت میاں میر کا ذکر کرتے ہیں۔

ص ۴۷ میں مذکور ہے کہ جہانگیر بادشاہ حضرت میاں میر کی بزرگی کا شُہرہ سن کر انہیں اپنے چودہویں سنہ جلوس مطابق ۱۰۲۸ھ مطابق ۱۶۱۹ء میں آگرہ بلاتا ہے اور آپ تشریف لے جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی تالیف توزک جہانگیری میں آپ کی تعریف میں لکھتا ہے۔

"الحق ذات شریف است دریں عہد بغایت غنیمت و عزیز الوجود۔ ایں نیاز مند از خود بر آمدہ با ایشاں صحبت داشت و بسا سخنان بلند از حقائق و معارف استماع افتاد ہر چند خواستم نیازے بگذارم چوں پایۂ ہمت ایشاں ازاں عالی تر یافتم خاطر باظہار ایں مطلب رخصت نداد۔ پوستِ آہوئے سفید جہت جانماز بایشاں گزرانیدم۔ فی الفور وداع شدہ بہ لاہور تشریف بردند۔"

ص ۵۱ پر ۱۰۳۸ھ مطابق ۱۶۲۸ء میں حضرت میاں میر کی خدمت میں شاہجہان بادشاہ کے حاضر ہونے کا ذکر حسب بیان مُلا عبدالحمید مذکور ہے کہ آپ کو دُنیوی دولت کی طرف کچھ توجہ نہیں۔ اس لئے بادشاہ نے آپ کی نذر ایک تسبیح اور سفید پگڑی کی اور دُعا کی التجا کی۔

ص ۵۱ میں حضرت میاں میر کے زُہد و تقدس اور دنیا سے نفرت اور عبادت میں انہماک اور روحانی طاقت کا بیان ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ شاہجہان کئی بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ شہزادہ دارا شکوہ کے روحانی پیشوا تھے۔ شاہجہان نامہ کی تحریر کے مطابق آپ غیاث پور جو عالم گنج کے متصل ہے مدفون ہوئے۔

ص ۱۷۱۔۱۷۷ میں لکھا ہے کہ حضرت میاں میر کا مقبرہ انہی کے نام پر چھاؤنی میں واقع ہے تقریباً تین میل جانب مشرق لاہور۔ آپ حضرت عمر فاروق اعظم امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ آباؤ اجداد کی سکونت سیستان میں تھی۔ دارا شکوہ نے جو شجرہ سکینۃ الاولیاء میں دیا ہے اس کی رو سے آپ قاضی قدن کی صاحبزادی فاطمہ کے بطن سے قاضی سائیں دتا کے فرزند تھے۔ پھر آپ کے بھائیوں اور بہنوں کے نام دیے ہیں جو میں خزینۃ الاصفیاء سے نقل کر چکا ہوں۔ اس کے بعد حضرت میاں میر کی ولادت اور وفات کی تاریخیں دی ہیں۔ ان کا دوبارہ لکھنا تحصیل حاصل ہے۔ ہاں آپ کے حبسِ دم کا ذکر کیا ہے کہ آپ رات بھر میں صرف دو سانس لیتے تھے۔ جب عمر زیادہ ہو گئی تو چار دفعہ۔ زہد تقدس اور علم و معرفت میں آپ یگانہ روزگار تھے۔ حضرت گیلانی پیر دستگیر کا آپ کو بڑا احترام تھا اور ان کا نام وضو کے بغیر نہیں لیتے تھے۔

مقبرہ حضرت میاں میر کی کیفیت لکھی ہے کہ ایک مستطیل رخامی چبوترے پر واقع ہے۔ اس پر جانے کے لئے سیڑھیاں بھی سنگ مرمر کی ہیں۔ ارد گرد کا صحن وسیع سرخ پتھر سے مزین ہے۔ اسی احاطہ میں جانب مغرب ایک خوبصورت مسجد ہے اور جنوبی اور مشرقی سمت درویشوں اور مسافروں کے لئے حجرے ہیں۔

سنگ مرمر کی سیڑھیوں کے نیچے دو الگ الگ قبریں ہیں۔ ایک رخامی اور دوسری خشتی ایک حضرت میاں میر کی ہمشیرہ جمال خاتون کے فرزند محمد شریف کی ہے جو آپ کی وفات کے بعد سجادہ نشین اور ۵ رجب ۱۰۵۲ھ مطابق ۱۶۴۲ء کو فوت ہوئے اور دوسری حاجی محمد صالح کی جو حضرت میاں میر کے ایک ماہ بعد یا ۴ ربیع الاول ۱۰۴۵ھ مطابق ۱۶۳۵ء کو واصل حق ہوئے۔ (اس حساب سے تو تین دن پہلے فوت ہو گئے۔ ہاں)

اس کے بعد تاریخ لاہور میں بزبان دارا شکوہ مندرجہ سفینۃ الاولیاء جہانگیر کی حضرت میاں میر کی ملاقات کا حال لکھا ہے جو میں مفصل سفینۃ الاولیاء میں منثور و منظوم لکھ چکا ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بادشاہوں سے نفور تھے اور جہانگیر کے کوئی شے طلب کرنے پر فرمایا تھا کہ میری خواہش یہی ہے کہ مجھے تکلیف ملاقات نہ دی جائے چنانچہ جہانگیر نے یہ وعدہ پورا کیا۔

اسی تاریخ لاہور میں بادشاہ نامہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ شاہجہان کہتا تھا کہ میں نے عمر بھر دو فقیر حق آگاہ دیکھے ہیں ایک حضرت میاں میر اور دوسرے شیخ فضل اللہ برہانپوری۔ حضرت اول الذکر سے بادشاہ موصوف دو دفعہ ملا۔ کشمیر کو جاتے ہوئے اور وہاں سے واپس آتے ہوئے۔

تصحیح :- شیخ صاحب نے جو نادرہ بیگم کے متعلق لکھا ہے کہ وہ دارا شکوہ کی بیٹی تھی اور صغر سنی میں فوت ہو گئی۔ ٹھیک نہیں۔ وہ اس کی بیوی تھی۔ جیسا کہ شاہجہان نامہ کے ص ۳۹۱ سے واضح ہے۔ ہاں ل

ا- تفصیلی حالات کے لئے ہاں صاحب مرحوم کی کتاب "حیات میاں میر" ملاحظہ ہو (تتمیم)

حضرت مُلّا شاہ بدخشانی قُدِّس سِرُّہٗ

حضرت مُلّا شاہ بدخشان سے ۱۰۲۳ھ مطابق ۱۶۱۴ء میں لاہور آئے اور حضرت میاں میر کے مرید تھے۔ آپ گوشۂ تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے لو لگائے رہتے تھے اور اپنے مرشد حضرت میاں میر کی طرح مجرّد رہے۔ آپ گرمیوں میں کشمیر چلے جاتے اور سردیوں میں لاہور لوٹ آتے۔ آخر کشمیر جانا ترک کر دیا اور حسب ارشاد مرشد لاہور میں اقامت گزین رہے۔ آپ اکثر کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے جو اکثر دنیا کی ناپائیداری کے مضمون کے حامل ہوتے جن میں لوگوں کو تلقین کرتے کہ صراط مستقیم پر چلو اور معرفت الٰہی حاصل کرو۔

آپ ۱۰۷۲ھ مطابق ۱۶۶۱ء میں لاہور میں فوت ہوئے اور اپنے مذہبی پیشوا کے جوار میں مدفون ہوئے۔ آپ کے دو شعر تاریخ لاہور میں بطور نمونہ درج ہیں۔

اے ہد ہپائی، قفل بر دل ہدار — وے دوختہ چشم، پائے در گل ہدار

عزم سفر مغرب و روبا مشرق — اے راہ روپشت بمنزل ہدار

یعنی اے پاؤں میں بیڑیاں اور دل پر قُفل ڈالے ہوئے ہوش میں آ۔ اے آنکھیں بند کئے ہوئے اور پاؤں کیچڑ میں پھنسائے ہوئے ہوش کر۔ تجھے تو مغرب کا سفر درپیش ہے اور تیرا منہ مشرق کی جانب ہے۔ اے منزل کی طرف پیٹھ کئے ہوئے غافل شخص! ہوشیار ہو جا۔

مُلّا شاہ دارا شکوہ کے روحانی رہنما تھے۔ باپ کا نام مُلّا عبدی اور اصل نام شاہ محمد تھا علم و معرفت میں شہرہ آفاق تھے۔ پہلے تین سال کشمیر میں رہے اور پھر آگرہ چلے گئے۔ حضرت میاں میر کے زہد و تقدس کا شہرہ سُن کر لاہور آئے اور مرید ہو گئے۔ حالت تجرّد میں رہے اور گھر میں دیا بھی نہ جلایا۔ تمام وقت عبادت میں گزارا۔ کم سوتے تھے اور گھنٹوں حبس دم کی مشق کرتے۔

ملا شاہ کی قبر موجودُ الوقت موضع میاں میر میں ملتان ریلوے لائن کے مغرب کی طرف واقع ہے۔ دارا شکوہ نے مزار سنگِ مرمر اور دوسرے قیمتی پتھروں سے بنوایا تھا اور محراب بھی سنگِ رخام وغیرہ سے مزین تھے۔ مگر یہ تمام رنجیت سنگھ اتار کر رام باغ امر تسر کو سجانے کے لئے لے گیا۔ موضع میاں میر جو پختہ چار دیواری سے محصور ہے دراصل مقبرہ مذکور کا باغ تھا۔ جس کا شاندار دروازہ شمال کی طرف تھا جو تاحال قائم ہے۔ یہ جگہ عالم گنج کے نام سے موسوم تھی باغ کو مہدی شاہ سجادہ نشین حضرت میاں میر نے ۲۵ برس ہوئے کہ ایک گاؤں میں منتقل کر لیا۔

مُلا شاہ ۱۰۷۱ھ مطابق ۱۶۶۱ء میں فوت ہوئے۔ اسی سال کہ اورنگ زیب نے اپنے بدقسمت بھائی مُراد کو قید خانہ میں مروادیا۔ (تاریخ لاہور انگریزی ص ۱۷۸)

مفتی غلام سرور مرحوم نے تاریخ وفات ۱۰۶۹ھ ان اشعار میں موزوں کی ہے۔

ملکِ جنت یافت چوں از فضلِ حق — شیخ مُلا شاہ شاہ عطا!
قطب شیخ الاولیاء تاریخ گفت — ثانیا "محبوبِ اعظم" شد ندا
۱۰۶۹ھ — ۱۰۶۹ھ

پس محمد شاہ محمود عاقبت — ہست بہرِ رحلتِ او مدعا
باز گفتم "سالکِ محرمِ حق" — نیز "ملا شاہ مطلوبِ خدا"
۱۰۶۹ھ — ۱۰۶۹ھ

نوٹ:- جب تاریخ لاہور میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ مُلا شاہ دارا شکوہ کی زندگی میں فوت ہوئے اور اس نے مزار بنوایا اور اگر دارا شکوہ کی تاریخ شہادت ہے تو ملا شاہ کی ۱۰۷۱ھ درست نہیں ہو سکتی۔

میں نے ۱۶۵۹ء کے مطابق مُلا شاہ کی یہ تاریخ موزوں کی ہے۔

طبعِ ناقی حامد بتاریخ — کہ "ملا شاہ مرغوبِ دل" آمد
۱۲۵۹ء

حضرت مُلا شاہ کے زیادہ مفصل حالات میں نے امروز مورخہ ۵۹-۱۱-۲۲ میں شائع کرائے تھے اور کچھ سفینۃ الاولیاء کے ترجمہ میں بھی لکھے ہیں۔ شائقین وہاں ملاحظہ کریں۔

حضرت مُلا شاہ جو کشف و کرامات کے مالک تھے اُن کو حضرت میاں میر کی جناب میں شرفِ ارادت و خلافت حاصل تھا۔ نام شاہ محمد۔ کُنیت آخوند اور لقب لسانُ اللہ تھا۔ مُلا احدی کے فرزند مُولد اور وطن موضع ارکسان (مضافات لوستاق اقلیم بدخشان) تھا۔

ابتداء ہی سے طلبِ حق کی خاطر وطن سے نکل کر کشمیر پہنچے اور وہاں تین سال رہ کر ہندوستان کا رُخ کیا۔ لاہور سے گزر کر آگرہ کو چلے راہ میں کسی سے حضرت میاں میر کی تعریف سن کر لاہور واپس آنے کا ارادہ کیا مگر ساتھیوں نے نہ چھوڑا۔ آخر آگرہ پہنچے وہاں مقصد حاصل نہ ہوا تو واپس لوٹے اور لاہور پہنچ کر حضرت میاں میر کی بیعت کی اور ریاضت و مجاہدہ اور ترکِ دُنیا میں تمام دوستوں سے ممتاز ہوئے غُلام اور خدمت گار سے بے نیاز ہے اور چولہے میں آگ تک نہ جلائی اور نہ کچھ پکایا۔ چراغ بھی نہ جلایا۔ سات برس تک ہر رات ایک سانس میں گزار دی اور حبسِ دم سے ذکرِ خفی میں مشغول رہے۔ عشا کا وضو کیا ہوا نمازِ فجر تک قائم رہتا۔ مدتِ اکثر آنکھ نا آشنائے خواب رہی۔ کبھی غسلِ ضروری کی حاجت نہ پڑی۔ فرماتے تھے کہ احتلام نیند میں ہوتا ہے اور جنابت مقاربتِ زن کی وجہ سے میں نیند اور عورت سے فارغ ہوں لہٰذا احتلام و جنابت سے پاک ہونے کے سبب ضروری غسل کی حاجت نہیں پڑتی۔

حضرت مُلا شاہ کو مُوحدانہ اور عارفانہ اشعار کہنے کا بڑا ذوق و شوق اور استعداد تھی۔ چنانچہ دیوان مُلا شاہ اس پر دال ہے بعد تکمیل خرقۂ خلافت پاکر آپ کشمیر جا رہے اور آپ کی بڑی شہرت ہوئی۔ خلقِ خدا فوج در فوج حاضرِ خدمت ہو کر مُستفیض ہوئی۔ چونکہ آپ سر مجلس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر چہار خُلفائے راشدین کی مدح بیان کرتے تھے۔ اس لئے متعصّب شیعیت لوگ جھگڑنے کے لئے سامنے آتے مگر قائل ہو کر تائب ہو جاتے اور

اُنہیں رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کبار رضی اللہ عنہم کا دیدار اور حضرت غوثُ الاعظم قُدِّس سِرُّہٗ کی زیارت نصیب ہو جاتی۔ اس سعادت کے حُصُول کی وجہ سے بے شمار اہلِ بدعت توبہ کر کے اہلسُنّت و جماعت میں شامل ہو گئے۔ اس خاندان کے مُرید اب تک کشمیر جنت نظیر میں موجود ہیں۔

دارا شکوہ سفینۃُ الاولیاء میں رقم طراز ہیں کہ ایک دن مجھے رُؤیتِ حق کے مسئلہ میں تردّد ہوا اور یہ بات حضرت مُلّا شاہ کی خدمت میں عرض کرنا چاہی مگر آپ کے رعب و خوف سے عرض نہ کر سکا۔ مجلس سے اُٹھ کر بھی دل میں شُبہ موجود تھا۔ اس لئے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحِ پُر فُتُوح کی طرف توجہ کی۔ اُسی وقت حُضُور صلی اللہ علیہ وسلم اور ہر چہار خُلفاءِ راشدین کی اَرواحِ پاک جلوہ گر ہوئیں اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے جس طرح چاہے اور اُس کی قدرت مُتقاضی ہو تو وہ اپنے بندوں کو اپنا دیدار کرائے گا۔ اس جواب سے میری مُشکل حل ہو گئی۔ جب میں دوسری دفعہ حضرت مُلّا شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا کہ تجھے مسئلہ کا جواب مل گیا ہے اور جنہوں نے تجھے جواب دیا ہے اُنہوں نے مجھے بھی اطلاع دے دی ہے۔

مخفی نہ رہے کہ حضرت مُلّا شاہ کی نسبت باطنی اپنی ذات کی خود رفتگی اور فنا اور ظہورِ ذاتِ ربّانی کی وجہ سے زیادہ تر وحدت وجودی ہے اور اس سلسلہ کے مُرید کا حال و قال وحدت وجودی ہے چنانچہ شیخ ولی المشہور ولی رام جو اس سلسلہ کے اعظم موحد اور حضرت مُلّا شاہ کے فیض یاب مُرید اور خلیفہ ہیں وہ امیر الامرائی اور شاہانِ چغتائی کی مصاحبت چھوڑ کر اُن کی خدمت میں آئے اور تھوڑے عرصہ میں یگانۂ وقت ہو گئے تھے۔ اُس زمانہ میں اس سلسلہ کے فُقراء سب کے سب وحدتِ وجود کے قائل اور اعلانیہ لفظ ہمہ اوست زبان پر لاتے ہیں اُس وقت پنجاب میں حضرت قیصر شاہ مرحوم متوفی ۱۲۸۱ھ اس سلسلہ کے عمدہ موحد تھے اور جامع اوراق (مفتی غلام سرور) ان کی زیارت سے مشرف ہو چکا ہے۔ اور دیوان ولی۔ دیوان مُلّا شاہ اور دیوان دارا شکوہ تینوں کُتب جو مضامین توحید کے معدن ہیں میری نظر سے گزر چکی

ہیں۔

وفات:- حضرت مُلّا شاہ ۱۰۶۹ھ مطابق ۱۶۵۹ء میں واقع ہوئی۔ روضۂ منورہ لاہور میں حضرت میاں میر کے مقبرہ کے باہر ہے۔

منظوم تاریخ

مُلکِ جنت یافت چوں از فضلِ حق — شیخ مُلّا شاہ شاہِ باعطا

قُطب شیخ الاولیاء تاریخ اوست — ثانیا "محبوبِ اعظم" شد ندا
۱۰۶۹ھ

پس محمد شاہ محمود عاقبت — ہست بہرِ رحلت او مدعا
۱۰۶۹ھ

باز گفتم "سالکِ محرمِ حق" — نیز "مُلّا شاہ مطلوبِ خدا"
۱۰۶۹ھ — ۱۰۶۹ھ (گنج تاریخ)

گُفت ہاتف عیسوی سالِ وفات — ہست "مخفرِ ہند" بہرِ خوش مقال
۱۶۵۹ء

نوٹ:- گنج تاریخ کے یہ اشعار میں اس سے پہلے تاریخ لاہور (انگریزی) سے مُلّا شاہ کے نقل کردہ حالات کے اخیر میں دے چکا اور ثابت کر چکا ہوں کہ گنج صاحب کی بیان کردہ تاریخ ۱۰۷۲ھ مطابق ۱۶۶۱ء کیوں صحیح نہیں۔

حضرت شاہ بلاول قادری لاہوری قُدِّس سِرُّہٗ

سید شاہ بلاول بن سید عثمان بن سید عیسٰی قادری لاہوری قُدِّس سِرُّہم مُتاخرین مشائخ میں بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ آپ دین کے بھی بڑے عالم، متقی، مُتشرّع، صائم اور قائم اللیل عابد تھے۔ طریقۂ خلافت سید شمس الدین قادری سے حاصل کیا جو شیخ ابو اسحاق

لاہوری کے خلیفہ تھے جن کا روضہ قصبہ مزنگ لاہور میں ہے۔

شاہ بلاول کے خاص ذکر میں کتاب محبوب الواصلین ہے جس میں لکھا ہے کہ شیخ بلاول کے بزرگ ہمایوں بادشاہ کے ہمراہ ہرات سے ہند میں آئے تھے اور ضلع شیخوپورہ میں جو لاہور سے دس کوس ہے بادشاہ سے جاگیر پا کر متوطن ہوئے۔ شاہ بلاول وہیں پیدا ہوئے۔ آپ ولی مادر زاد تھے۔ سات برس کا سن تھا کہ ان کا ہم عمر ہمسایہ لڑکا فوت ہو گیا۔ آپ اس کے سرہانے کھڑے ہوئے اور کہا اے یار یہ وقت سونا اچھا نہیں۔ اُٹھ کر ہم کھیلیں۔ لڑکے نے فوراً آنکھیں کھول دیں اور اُٹھ بیٹھا اور ساتھ چل دیا۔ یہ حال سُن کر آپ کے جدِ بزرگوار سید عیسیٰ قادری نے انہیں تحصیل علم کے لئے لاہور بھیج دیا۔ چنانچہ شاہ بلاول، شیخ محمد لاہور کے بڑے عالم کے شاگرد بن گئے اور تھوڑی مدت میں عُلوم ظاہری میں بھی کمال حاصل کر لیا اور حق تعالیٰ کا ذوق شوق جاگزینِ دل ہوا۔

شیخ شمس الدین سے بیعت :- ایک دن آپ دریائے راوی کے کنارے جا رہے تھے کہ شیخ شمس الدین کشتی سے نیچے اُترے اور ملاقی ہوئے۔ شیخ شمس الدین نے بڑی محبت سے آپ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے تمہیں اپنی ذات کی معرفت کے لئے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا مناسب ہے کہ میری صحبت میں رہو اور فیضِ باطن جو میرے پاس تمہاری امانت ہے' حاصل کرو۔ پس شاہ بلاول نے اُسی وقت بیعت کر لی اور طریقت کے حُصول کی کوشش کرنے لگے۔

غصہ و جلال کا علاج :- ایک روز شاہ شمس الدین دریا کے کنارے ایک درخت کے نیچے آرام کر رہے تھے اور آپ حاضرِ خدمت تھے کہ اچانک ایک جاٹ آیا اور درخت پر چڑھ کر سوکھی لکڑیاں توڑ کر نیچے پھینکنے لگ گیا۔ شاہ بلاول نے ہر چند منع کیا کہ میرے روشن ضمیر پیر آرام کر رہے ہیں جب وہ جاگیں تو یہ کام کرنا تا کہ ان کی نیند میں خلل واقع نہ ہو۔ جاٹ نے کچھ پرواہ نہ کی۔ آخر آپ نے اس پر تیز نگاہ ڈالی تو وہ گر کر مر گیا۔ جب شیخ شمس الدین

جاگے اور جاٹ کی حالت دریافت کی تو مُرشد نے فرمایا کہ ہم فُقراء کو ایسا جلال اور غصہ روا نہیں۔ پس تمہارے لئے اب یہی مناسب ہے کہ جلال کو کم کرنے کے لئے محلہ شاہ ابو اسحاق کے ایک حجرے میں خلوت نشین ہو کر تلاوتِ قُرآن مجید میں مشغول رہو۔ چنانچہ شاہ بلاول کئی سال وہاں رہے اور یہ مدت نماز و صیام دوام میں بسر کر دی۔

محبوب الواصلین ہی میں لکھا ہے کہ محلہ شیخ ابو اسحاق میں آپ کے ہمسایہ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا اور پنجاب کی رسم کے مطابق قوال زر مبارک بادی لینے اُس کے دروازے پر آئے اور ناچنے گانے لگے۔ چونکہ وہ بڑا تنگ حال مُفلس تھا اور حضرت شاہ صاحب اُس کے حال سے واقف تھے۔ پس آپ مٹی کا لوٹا لے کر باہر آئے اور اُسے دیوار ہمسایہ پر مار کر توڑ دیا۔ تو وہ ریزے زر کی شکل میں تبدیل ہو گئے اور نقال اُنہیں چُن کر لے گئے اور ہمسایہ کو اُن سے خلاصی ہوئی۔

چور کی توبہ :- حضرت شاہ بلاول کی خانقاہ میں لنگر عام جاری تھا۔ جس سے دونوں وقت لوگوں کو کھانا ملتا تھا اور آپ خود شاہانہ لباس پہنتے تھے۔ مطبخ میں ہر قسم کا کھانا پکانے کا سامان موجود رہتا تھا۔ ایک مدت ایک چور سامان چرانے کے لئے باورچی خانے میں گھس گیا تو اندھا ہو گیا اور ایک کونے میں چھپ رہا۔ جب دن چڑھا تو آپ نے داروغہ مطبخ کو بلایا اور کہا کہ باورچی خانہ میں ایک اندھا بیٹھا ہے اُسے بُلا کر دو گُنا کھانا دو۔ رات سے بھوکا ہے۔ داروغے نے اُسے بلا کر کھانا دینا چاہا تو اُس نے کہا میں کچھ نہیں کھاتا صرف یہ چاہتا ہوں کہ مجھے حضرت صاحب کے پاس لے چلو چنانچہ جب لائے تو اس نے معافی مانگی اور سر قدموں میں رکھ کر مُرید ہو گیا۔ خدا نے اُسے بینا کر دیا۔

تقسیمِ اوقات :- محبوب الواصلین میں حضرت شاہ بلاول کی تقسیم اوقات یہ لکھی ہے۔ صبح سے چاشت تک مصروفِ مُراقبہ و عبادت۔ پھر اپنے ہاتھ سے کھانا تقسیم کرنا۔ دوپہر کے بعد ایک گھڑی قیلولہ۔ پھر ظُہر کی نماز باجماعت۔ پھر مُریدوں کے حلقے میں توجہ

اسی اثنا میں بڑی خلقت پانی کے کوزے لے کر حاضر ہوتی اور آپ ان میں دم کرتے جو مریضوں کی شفا کے لئے اکسیر تھا اس کے بعد دو منشی حاضر ہوتے جو حاجت مندوں کے لئے بادشاہ اور اُمراء کی طرف آپ کی جانب سے سفارشی رُقعے تحریر کرتے ان پر "اللہ بس باقی ہوس" لکھا ہوتا۔ بادشاہ اور امیر سفارش منظور کرتے اور حاجت مندوں کی غرض پوری ہو جاتی۔ نمازِ عصر کے بعد پھر مراقبہ اور شغلِ عبادت شروع ہو جاتا۔ شام کو پانی کے گھونٹ سے روزہ کھولتے۔ مغرب کی نماز پڑھ کر اپنے خاص حجرے میں جا کر دو ساعت نماز نفل اور صلوٰۃ اوابین میں مشغول رہتے۔ پھر کھانا تقسیم کرنے کے لئے نکلتے اور خود جو کی روٹی چولائی کے ساگ سے کھاتے۔ غذا چند نوالے تھی۔ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر خلوت گزین ہوتے۔ نماز تہجد تک تین قرآن ختم فرماتے۔

نزولِ باراں :- ایک دن شیخ ابو طالب جو دو ہزاری منصب دار آپ کا مرید تھا حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا کہ میرے دیہات کی جاگیر میں بارش نہیں ہوئی۔ دعا فرمائیں۔ آپ نے مُنہ آسمان کی طرف کر کے دعا کی۔ فوراً ابر نمودار ہوا۔ آپ نے فرمایا جا ابو طالب کی جاگیر کی طرف۔ چنانچہ وہ بادل اُڑ گیا اور وہاں جا کر برسا۔

وفات :- شاہ بلاول مخبر الواصلین اور سفینۃ الاولیاء کے مؤلفوں کے قول کے مطابق ۱۰۴۶ھ مطابق ۱۶۳۶ء میں جبکہ ان کی عمر ستر برس کی تھی فوت ہوئے۔ مزار دہلی دروازہ لاہور کے باہر ہے۔ آپ کا مقبرہ دریائے راوی کے کنارے پر تھا۔ جب ۱۲۵۲ھ میں دریا مقبرہ کے نزدیک پہنچا اور اُس کے مسمار ہونے کا خطرہ ہوا تو آپ کا صندوقِ نعش وہاں سے نکال کر وہاں سے قریبی جگہ دفن کیا گیا۔

تاریخ منظوم

زدنیا شد چو در خلدِ مُعلّٰی ‏ جنابِ شہ بلاول شاہ شاہاں

بجو "مقبول حق سر مست" تاریخ ‏ دگر کامل "مہ فضل" است تاریخ

بلاول قبلۂ دیں شاہ عشق است ‏ دگر "مقبول عشق آمد" نمایاں

"بلاول پیر محبوب بہشت است" ‏ وصال آں شہ دیں شاہ عرفاں (سرور)

۱۰۴۶ھ

بسالِ عیسوی ناؔمی نے لکھا ‏ "بلاول شاہ رضوانِ مقدس" (ناؔمی)

۱۶۳۶ء

اقتباس از تاریخِ لاہور انگریزی :- سید عبداللطیف صاحب جج مرحوم ص ۵۲ میں رقم طراز ہیں کہ شاہجہان بادشاہ تخت نشینی کے بعد ۱۰۳۸ھ مطابق ۱۶۲۸ء کے بعد ۷ رمضان کو لاہور آیا۔ ۱۵ رمضان کو حضرت جنت مکانی (جہانگیر) کے مزار کی زیارت کی اور وہاں دس ہزار روپیہ غُرباء میں تقسیم کیا۔ حضرت میاں میر کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ ۱۹ تاریخ کو شیخ بلاول سے جو ایک زاہد و پرہیزگار درویش تھے مِلا اور دو ہزار روپیہ نذر کیا۔ جو اُنہوں نے اپنے درویشوں میں تقسیم کر دیا کیونکہ وہ اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے۔
(ماخوذ از بادشاہ نامہ نوشتہ عبدالحمید)

صفحہ ۵۹ میں شاہ بلاول کے علم و فضل اور بلند پایہ ملکۂ تقریر کی تعریف لکھی ہے اور بیان کیا ہے کہ آپ نے ایک محتاج خانہ قائم کر رکھا تھا جہاں سے سینکڑوں آدمیوں کو کھانا ملتا تھا۔ آپ ماہ شعبان مطابق دسمبر ۱۶۳۶ء میں فوت اور لاہور میں دفن ہوئے۔

صفحہ ۱۵۸ میں مزار کے متعلق تحریر ہے کہ وہ لاہور کے مشرق کی طرف واقع ہے۔ متصل باغ راجہ دینا ناتھ۔ آپ پہلے راوی دریا کے کنارے دفن ہوئے تھے۔ (اب جہاں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بارہ دری ہے اور جہاں شیر سنگھ کو سندھانوالی سرداروں نے نشانہ تفنگ بنایا تھا۔ وہ جگہ بلاول کے نام سے مشہور ہے اور نشانِ قبر اب بھی ایک بڑے درخت کے

نیچے بارہ دری کے مقابل موجود ہے) مگر دریا کے قریب آنے کی وجہ سے جو احاطہ خانقاہ کے ایک حصے کو بہا کرلے گیا تھا۔ شاہ بلاول کا صندوق رنجیت سنگھ کے حکم سے نکالا گیا تاکہ اسے کسی محفوظ جگہ میں دفن کیا جائے۔ اس خدمت پر فقیر عزیز الدین کو مامور کیا گیا اور ہزارہا مسلمانوں نے اس قدر تدفین میں شرکت کی۔ پہلی تدفین سے دو سو سے زیادہ عرصہ بعد یہ امر واقع ہوا۔ صندوق ایک آہنی کھونٹی کے ذریعے لوہے کی زنجیر کے ساتھ چھت سے آویزاں تھا۔ صندوق کھولا گیا تو جسم جوں کا توں محفوظ تھا۔ لالہ کنھیاں لال تاریخ پنجاب ص ۲۳۳ میں لکھتے ہیں کہ میں نے مشاہدہ کیا کہ جسم میں کچھ تغیر واقع نہیں ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ ابھی تازہ فوت ہوئے ہیں۔ پھر وہ صندوق جنازہ کی نمازیں پڑھ کر موجودہ مقام پر دفن کیا گیا۔

جج صاحب موصوف نے شاہ بلاول کے آباؤ اجداد اور اُن کے ہمایوں کے ساتھ ہرات سے آکر شیخوپورہ کے قلعہ میں بسائے جانے اور شاہ بلاول کے لاہور مقیم ہو کر ۱۰۴۶ھ بمطابق ۱۶۳۶ء میں وفات پانے وغیرہ کے متعلق میں پہلے خزینۃ الاصفیا سے لکھ چکا ہوں اعادہ تحصیل حاصل ہے۔ جج صاحب نے لکھا ہے کہ شاہ بلاول اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

زندگی مقصود بہر بندگی ست ‏ ‏ ‏ ‏ زندگی بے بندگی شرمندگی ست

اور لڑکپن میں یہ شعر بنام حق۔

یا الٰہی بدہ تو تو فیقم ‏ ‏ ‏ ‏ راہ بنما بسوئے تحقیقم

صفحہ ۱۶۰ پر شاہ جہان کے شاہ بلاول سے لاہور کی اقامت کے دوران میں کئی بار ملنے کا ذکر ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

شاہ میر کی کسر نفسی :- کتاب تحقیقات چشتی صفحہ ۱۶۱ میں تحریر ہے کہ دفعہ شاہجہان بادشاہ نے کچھ رقم حضرت میاں میر کی خدمت میں نذر کی مگر آپ نے قبول نہ فرمائی مگر وہی رقم حضرت شاہ بلاول نے لے کر خادم مطبخ کے حوالے کی کہ درویشوں اور مسافروں پر خرچ ہو۔ پھر جب بادشاہ نے حضرت شاہ میر کی حاضری دی تو عرض کیا کہ آپ کے نذر قبول نہ کرنے اور شاہ بلاول کے قبول کر لینے کا کیا سبب ہے فرمایا کہ میری مثال ایک کم آب جوہڑ کی ہے اور شاہ بلاول کی دریا کی۔ اس میں اگر کوئی پلید شے پڑ جائے تو پلید نہیں ہوتی اور جوہڑ پلید ہو جاتا ہے۔ یہ بات سن کر شاہجہان دولت خانہ میں آکر اللہ تعالیٰ کے شکر میں سر بسجود ہوا کہ اس نے میری سلطنت میں ایسے ایسے پاک باطن اور نیک نفس بزرگ پیدا کئے ہیں جن کا رضائے الٰہی کے سوا اور کوئی مقصد نہیں۔

چشتی صاحب مرحوم نے ۲۸ ماہ شعبان عُرس کی تاریخ اور اس پر لاہور کے شوقین لوگوں کا آتشبازی چلانا سکھوں کے عہد سے مروج بیان کیا ہے۔ مقبرہ شاہ بلاول کا محل وقوع یہ لکھا ہے۔ شرق رویہ دروازہ باغیچہ راجہ دینا ناتھ اور شمال رویہ راستہ قدیم شالامار باغ۔ خانقاہ کی چاردیواری راجہ دینا ناتھ نے بنوائی تھی۔

پیر مسکین شاہ امری قُدس سرّہٗ

پیر مسکین کا نام عنایت ہے اور لقب شاہ امری۔ آپ حضرت میاں میر کے مرید و خلیفہ تھے اور کمالات ظاہری اور باطنی کے مالک پیر کامل اور شیخ کامل تھے۔ امری اس وجہ سے مشہور ہوئے کہ جس جگہ اب آپ کا روضہ ہے آپ وہیں رہتے اور زراعت سے حلال روزی پیدا کرتے تھے۔ اتفاقاً ایک سال سخت اِمساک باراں ہوا۔ آپ کی اراضی بالکل بارانی تھی۔ ایسی قحط سالی میں سب کی بارانی کھیتیاں خشک ہو کر تلف ہو گئیں مگر آپ کی ترو تازہ رہی اور

فصل پک کر خوب غلہ حاصل ہوا اس وجہ سے آپ مشکین اَمری مشہور ہوئے کہ آپ کی کھیتی اَمرِالٰہی سے بارش کے بغیر پک گئی۔

پیر مشکین شاہ امری ۱۰۵۲ھ مطابق ۱۶۴۲ء میں عہد شاہجہان فوت ہوئے۔

جج محمد لطیف صاحب مرحوم تاریخ لاہور (انگریزی صفحہ ۱۷۹) میں امری کی وجہ تسمیہ یہ لکھتے ہیں کہ مشکین شاہ گوشہ نشین بزرگ تھے اور کسی کے آگے دستِ سُوال دراز نہیں کرتے تھے۔ لوگ حیران تھے کہ ان کا گزارا کیسے چلتا ہے چنانچہ آپ کے پیر صاحب حضرت میاں میر سے بھی اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میرا مرید مشکین اَمری ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا اَمر (حکم) اُسے روزی پہنچاتا ہے اور اُسے کسی شخص کی مدد کی ضرورت نہیں۔

مُقامِ روضہ :- جج صاحب مرحوم نے سالِ وفات ۱۰۵۷ھ مطابق ۱۶۴۷ء لکھا ہے اور روضہ کی یوں نشاندہی کی ہے کہ لاہور چھاؤنی اور میاں میر کے گرجا سے مغرب کی طرف پریڈ گراؤنڈ سے مشرق کی جانب اور اس سڑک سے جنوب کی سَمت جو میاں میر ریلوے سٹیشن سے چھاؤنی کو جاتی ہے۔ مزار پر گُنبد ایک پختہ چوناگچ چبوترے کے وسط میں ہے دیواریں دراصل میناکاری سے مزین تھیں مگر اب ان پر قلعی کر دی گئی ہے۔ روضہ دارا شکوہ نے تعمیر کرایا تھا۔

منظوم تاریخِ وفات از مفتی غلام سرور صاحب مرحوم ؎

حضرت مشکین شہ ہر دوسرا	ہر کہ رویش دید رشکِ ماہ گفت
بہر سالِ وصل آں عالی جناب	دل "ولی درویش مشکین شاہ" گفت ۱۰۵۲ھ
بے عیسوی سال تامّی ہوا!!	کہ "فرخندہ اطوار مشکین شاہ" (تامّی) ۱۶۴۲ء

شیخ مادھو لاہوری قدس سرّہٗ

شیخ مادھو شیخ حُسین کے محبوب خلیفہ صاحب عشق و محبت اور سراپا ذوق و شوق اور ذکر و فکر تھے۔ کتاب حقیقۃُ الفقراء میں لکھا ہے کہ آپ شاہدرہ کے ایک برہمن کے بیٹے تھے۔ حُسن و جمال خداداد تھا جسے دیکھ کر شیخ حسین از خود رفتہ ہو گئے اور شاہدرہ میں جا کر سکونت اختیار کی اور مادھو کے گھر کا رات دن چکر لگانا معمول بنا لیا۔ جہاں وہ ہوتا آپ وہیں پہنچتے مگر مادھو کا آپ کی طرف میلان نہ تھا۔ رات کو جو اس نے گھر والوں سے باتیں کی ہوتیں وہ آپ اُسے بتا دیتے۔ یہ کرامت دیکھ کر اُس کا رجوع آپ کی طرف ہو گیا اور آپ کے پاس آنے جانے لگا۔ یہ بات اُس کے ماں باپ کو نہ بھائی اور اُسے روکنے لگے مگر اُس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ لہٰذا اُنھوں نے جُدا کرنے کے لئے تجویز کیا کہ اشنان کرانے گنگا لے جائیں تاکہ اس کا دل اِدھر سے ہٹ کر اور طرف لگے۔ جب اُس نے یہ بات آپ سے بیان کی تو آپ نے فرمایا اگر گنگا کا اشنان ہی مقصود ہے تو میں تم کو وقت پر وہاں پہنچا دوں گا۔ ماں باپ کو جانے دو۔ چنانچہ مقررہ دن اور وقت پر آپ نے کہا کہ آنکھیں بند کرو اور دیکھو کہ کہاں ہو۔ اُس نے آنکھیں بند کرتے ہی اپنے آپ کو گنگا کے کنارے پایا اور والدین کے ساتھ غسل کیا۔ اُنھوں نے بھی اُسے دیکھ لیا۔ جب آنکھ کھولی تو پھر آپ کے پاس تھا۔ یہ کرامت دیکھ کر وہ مُشرف باسلام ہو کر آپ کا مرید بن گیا۔

دو مہینے بعد بسنت اور ہولی کھیلنے کا وقت آیا تو آپ نے مادھو کی خاطر سرود و رقص کی محفل گرم کی اور رنگ گلابی ایک دوسرے پر چھڑکا اور اس رسم کو شیخ حسین کے بعد اُن کے مریدوں نے جاری رکھا۔ اُن کے نام یہ ہیں۔ شیخ مادھو۔ میاں شعبان اول و دوم۔ ابراہیم۔ میاں محمود۔ شیخ یعقوب۔ بہار خاں قوم منددرا۔ قاضی شاہ ماہ۔ باباجی۔ عبدالسلام۔ شہاب الدین۔ شیخ کالو۔ شیخ یاسین اور شیخ صالح۔

ایک دن شیخ حُسین نے شیخ مادھو سے کہا کہ اب تمہیں ہم سے کچھ عرصہ مُفارقت

کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا راجہ مان سنگھ کے ساتھ مُہم دکن میں شریک ہو۔ اس مُہم میں راجہ مان سنگھ بھاگنے پر مجبور ہوا تو مادھو سے دعا کی درخواست کی چُنانچہ آپ نے اِمداد کے لئے اپنے مُرشد کی طرف رجوع باطن کیا تو آپ فی الفور وہاں پہنچے اور راجہ مذکور سے فرمایا کہ حملہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اُسی وقت گُدڑی پوش درویشوں کی فوج آسمان سے اترتی دکھائی دی جو شریکِ جنگ ہوئی اور راجہ کو فتح حاصل ہو گئی اور شیخ حُسین اور مادھو لاہور واپس آ گئے۔ آخری عمر میں شیخ حسین نے شاہدرہ کے پاس ایک باغیچہ اور کنواں تعمیر کیا اور کہا یہی میرا مدفن ہو گا۔ مادھو ایک سال کے بعد مان سنگھ کے پاس چلا جائے گا اور بارہ سال بعد واپس آئے گا۔ جب تک میری نعش یہاں سے نکال کر باغبانپورہ (باغبانپورہ) میں دفن ہو چکی ہو گی اور وہ میرا سجادہ نشین ہو گا چُنانچہ ایسا ہی ہوا اور شیخ مادھو واپس آ کر ۳۵ برس زینتِ سجادہ رہے۔

شیخ مادھو ۹۸۳ھ مطابق ۱۵۷۵ء میں پیدا ہوا اور ۱۰۵۶ھ مطابق ۱۶۴۶ء میں فوت ہوئے۔ یعنی ۷۳ برس حساب قمری زندہ رہے۔

منظوم تاریخ وفات ؎

عاشقِ اللہ محبوب حُسین	شیخ مادھو در دو عالم بادشاہ
مخزنِ علم و عمل تولید اوست	خواہ گو "شیخ جلیل" اے نیک خواہ ۹۸۳ھ
ہست بحرِ معرفت مادھو وصال	باز گو "مستِ مئے عشق الہ" (سرور) ۱۰۵۶ھ

مفتی غلام سرور مرحوم نے گنجینہ سروری میں لکھا ہے کہ شیخ مادھو اٹھارہ برس کے سن میں شیخ حسین کی خدمت میں حاضر ہو کر مُسلمان ہوئے تھے۔ گویا اُنہوں نے ۴۰ برس شیخ حسین کی ارادت میں گزارے اور ۳۵ سال مُرشد کے سجادگی میں۔

بہرِ عیسوی سال اے ابنِ حامد ... کرو "بادفا شیخ مادھو" رقم (تابی)

خواجہ بہاری علیہ الرحمتہ اللہ الباری

خواجہ بہاری حضرت میاں میر کے جلیل المرتبہ خلیفہ ہیں۔ آپ فقہ' حدیث' تفسیر قُرآن کے عالم ہونے کے علاوہ اَسرارِ حقانی کے بھی واقف تھے۔ شہر حاجی پور میں سکونت تھی۔ اوائل میں عُلُوم ظاہری کی تحصیل کے لئے اپنے وطن سے نکل کر قصبہ کودہ پور میں شیخ جلال الدین اولیاء کے مدرسہ میں داخل ہوئے پھر لاہور آ کر عُلُومِ دینی کی تحصیل محمد فاضل لاہوری سے کی۔ انہی کے ہاں قیام کیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر حضرت میاں میر کی ارادت اختیار کر کے کمال کو پہنچے مُرشد موصوف کی وفات کے بعد آپ مرجعِ خلائق ہوئے اور کثیر التعداد خلائق کو آپ سے فیض پہنچا۔ شہزادہ دارا شکوہ سفینۃ الاولیاء میں رقم طراز ہے کہ ایک رات آپ غازی خان نام شخص کے ہاں عرس کی تقریب پر تشریف فرما تھے اور حاضرین میں توحید کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ سردی کا موسم تھا۔ گھر کے صحن میں آگ جل رہی تھی۔ خواجہ بہاری اُٹھ کر آگ میں جا بیٹھے۔ ایک گھڑی تک اس میں متمکن رہے اور فرمایا کہ توحید میں قیل و قال کی کیا ضرورت ہے حال ملاحظہ کرو۔ اس کے بعد آپ آگ سے صحیح و سالم باہر نکل آئے۔

سفینۃ الاولیاء میں یہ بھی مسطور ہے کہ جن دنوں خواجہ بہاری مُلا محمد فاضل کے ہاں مقیم تھے تو ایک دن مُلا صاحب کی اہلیہ خواجہ صاحب کے لئے آش بھرا پیالہ لے کر حجرے کے دروازہ پر پہنچیں تو دیکھا کہ خواجہ صاحب کو کسی نے قتل کر دیا ہے اور اعضاء بکھرے پڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر بی بی موصوفہ نے فریاد کرنا شروع کر دیا اور شوہر کے پاس آ کر حال واقعہ بیان کیا۔ مُلا صاحب اُسی وقت موقع پر پہنچے تو دیکھا کہ خواجہ صاحب مُراقبہ میں جھکے بیٹھے ہیں۔ واپس آ کر اہلیہ سے کہا کہ اولیاء اللہ کے کئی حالات اور مقام ہوتے ہیں۔ جو تم نے دیکھا اس پر تعجب نہیں کرنا چاہئے۔

ایک دن ایک شخص اپنے بیٹے کو خواجہ صاحب کی خدمت میں لایا جس کے بدن پر

برص کے داغ تھے۔ آپ نے فرمایا کسی حکیم سے علاج نہ کراؤ۔ میں کروں گا۔ چنانچہ آپ ہر روز ایک داغ پر انگلی رکھتے اور وہ مٹ جاتا حتیٰ کہ آپ کی انگشت مبارک کے اثر سے تمام داغ دور ہو گئے اور لڑکا تندرست ہو گیا۔

دارا شکوہ کا بیان ہے کہ ۱۰۵۱ھ میں آصف بیگ والئ ایران نے قندھار کی تسخیر کا ارادہ کیا۔ میں نے اس کا ذکر خواجہ بہاری سے کیا فرمایا اس کی کیا مجال ہے کہ تمہاری مملکت پر دست درازی کرے۔ ان شاءاللہ مارا جائے گا۔ چنانچہ ایک مہینے بعد خبر آئی کہ مرزا لنگور کو اُس کے دشمنوں نے زہر دے کر ہلاک کر دیا ہے۔

خواجہ بہاری دارا شکوہ کے قول کے مطابق ۱۰۶۰ھ مطابق ۱۶۵۰ء میں فوت ہوئے۔ مزار مبارک لاہور میں ہے۔ تاریخ منظوم ؎

بسالِ رحلتش سرور رقم کرد ! کہ "سلطان الولی خواجہ بہاری"
۱۰۶۰ھ
دگر "شیخِ معلےٰ" رحلتے او! "نجی" خواں وصلِ آں محبوبِ باری
۱۰۶۰ھ
تاریخ عیسوی کی تھی فکر بولا ہاتف لکھ "خواجہ بہاری صاحبِ اثر ہے" (۱۶۵۰ء)

تاریخ لاہور (انگریزی) سے اضافہ :- محمد لطیف جج مرحوم رقم طراز ہیں

کہ خواجہ بہاری باشندے تھے بہار (بنگال) کے۔ جوانی میں پنجاب آئے اور حضرت میاں میر کے مرید ہو گئے۔

سالِ وفات ۱۰۴۱ھ مطابق ۱۶۳۱ء ہے۔ اپنے دینی پیشوا (حضرت میاں میر) کے روضہ کے مضافات میں مدفون ہوئے۔ مولف بادشاہ نامہ نے ان کی بہت سی کرامتیں لکھی ہیں (صفحہ ۶۰) خواجہ بہاری کا گنبد ایک بلند خشتی چبوترے پر حضرت میاں میر کے روضہ کی مغربی جانب ہے مقبرہ چار طرف سے سنگِ سرخ اور دیگر قیمتی پتھروں سے آراستہ تھا جنہیں رنجیت سنگھ کے فرانسیسی افسر جرنیل (Avitabile) ایوی ٹیبائل نے اُکھڑ کر لاہور

میں اپنی کوٹھی میں لگا لیا۔ برطانوی حکومت کے شروع میں اس جگہ پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ کا ایک افسر رہتا تھا مگر اب حضرت میاں میر کے سجادہ نشین کے قبضے میں ہے۔ اس کے مغرب کی طرف ایک پُرانی مسجد ہے جس کی مرمت اب اردگرد کے رہنے والوں نے کی ہے مشرقی جانب ایک پُرانا تالاب ہے جو زمانہ بعید میں غسل و وضو کے لئے استعمال ہوتا تھا۔

منظوم تاریخ از ناسیؔ

حسبِ تحریرِ بالا' سالِ وفات ہوگا "ذوالقدر" لفظ سے حاصل
۱۰۴۱ھ
عیسوی سال ہے اگر مطلوب تو بڑھا لو تم اس پہ "روشندل"
۵۹۰ھ

یعنی "ذوالقدر روشن دل" (۱۶۳۱ء)

مفتی صاحب اور جج صاحب کی تحریر میں ۱۹ برس کا فرق ہے۔ بہر حال خواجہ بہاری عہد شاہجہان میں فوت ہوئے۔

سید جان محمد حُضُوری قُدس سرُہٗ

سید جان محمد حُضُوری بن شاہ نُور بن سید محمود حُضُوری لاہوری قادری خاندان کے جلیل القدر شیخ ہیں۔ حضرت موسیٰ کاظم سے نسب ملتا ہے (ملاحظہ ہو ذکر سید محمود جو پہلے درج ہو چکا) آپ کی تربیت ظاہری اور باطنی آپ کے والد ماجد شاہ نُور نے فرمائی۔ آپ کا جو مرید ہوتا اُسے پہلے ہی دن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جاتی۔

تاریخِ وفات :- آپ کی وفات ۱۰۶۴ھ مطابق ۱۶۵۴ء میں ہوئی اور بعض اقوال کے مطابق ۱۰۶۵ء میں۔

تاریخ منظوم

جانِ ہر دو جہاں محمد جان | کرد چوں از جہاں خلد بریں ظہور
"فیض دیں سالک" است تاریخش | باز جو وصلش از "محبّ خضور" (سرور)

۱۰۶۵ھ | ۱۰۶۴ھ

سید محمد لطیف مرحوم نے تاریخ لاہور صفحہ ۱۷۱ میں تاریخ وصال ۱۱۲۰ھ اس کتبہ سے نقل کی ہے جو سید جان محمد کے مزار کی مشرقی دیوار پر مرقوم ہے۔

جہان معنے و جان محمد | کہ از عشق محمد گشت محمود
خرد از فضلِ حق تاریخ سالش | "وصال عاشق و معشوق" فرمود

۱۱۲ (مطابق ۱۷۰۸ء)

مفتی صاحب کی کہی ہوئی تاریخ اور مزار پر لکھی ہوئی تاریخ میں ۵۶ برس کا فرق ہے لہٰذا موخر الذکر کو صحیح سمجھنا چاہیے مفتی صاحب کی تاریخ کے مطابق سید جان محمد عہد شاہجہان میں فوت ہوئے اور جج صاحب کی تحقیق کی رو سے بہادر شاہ ظفر بن اورنگ زیب کی تخت نشینی کے تیسرے سال۔

مزار کا محل وقوع :- گڑھی شاہو (لاہور) کے مغرب کی طرف سڑک میاں میر پر یہ مزار واقع ہے چاردیواری احاطہ میں دو گنبد بارہ دری کی شکل میں ہیں۔ ایک اچھی خاصی مسجد بھی ملحق ہے۔ مشرقی دیوار کے متصل مرقد محمود خضوری اور اُن کے فرزند شاہ نور الدین کا ہے اور دوسرے قبہ کے نیچے سید جان محمد خضوری اور اُن کے بیٹے سرور دین کا۔ (جج صاحب مرحوم نے سرور دین کے نام کے ساتھ حاشیہ میں یہ نام دیئے ہیں۔ سید عبدالوہاب۔ سید عبداللہ۔ سید نوراللہ۔ سید غلام محی الدین۔ سید محمد شاہ۔ سید احمد شاہ۔ سید سردار شاہ۔ سید بہادر شاہ۔ سید انور علی شاہ جو غالباً بہ ترتیب ان کی اولاد کے نام ہیں)

خاندان کا سابقہ وطن :- تاریخ لاہور انگریزی ص ۱۷۱ میں لکھا ہے کہ یہ خاندان کوہستان غور میں رہتا تھا، پھر اوچ میں آباد ہوا اور شاہجہان کے عہد میں لاہور آیا۔ ان بزرگوں کے روضہ پر ہر سال عرس ہوتا ہے اور چراغاں کیا جاتا ہے۔ حضرت جان محمد خضوری کی اولاد لاہور میں رہتی ہے اور لوگ ان کے معتقد ہیں۔

اورنگ زیب کا پروانہ 'معافیٔ زمین'۔ تاریخ لاہور میں اس پروانہ کی ہو بہو نقل درج ہے جو ۱۰۸۰ھ ۱۲ جلوس کا نوشتہ ہے۔ اس کے چار کونوں پر یا فتاح' یا نافع' یا رافع' یا حامی اسماء باری لکھے ہیں اور ان کے نیچے بادشاہ محمد عالمگیر غازی محی الدین ابوالمظفر کا شجرہ نسب دیا ہے کہ اورنگ زیب بن شاہجہان بن جہانگیر بن اکبر بن ہمایوں بن بابر بن عمر شیخ بن سلطان ابوسعید بن میران شاہ بن تیمور صاحب قران۔ اس میں ۶۵ بیگھہ زمین کی معافی کا حکم بنام مسماۃ نور خاتون وغیرہ درج ہے اور تاریخ تحریر ۱۲ ربیع الاول ۱۲ جلوس لکھی ہے۔

پچھلے بادشاہوں حتیٰ کہ سکھ راجاؤں کا بھی معمول تھا کہ وہ حصولِ دعا و برکت کے لئے بزرگوں کے آستانوں اور اُن کی اولاد کو زمین کے معاملہ کی معافیاں دیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت حمید الدین حاکم تارک سلطنت کیچ مکران کی خانقاہ اور ان کی اولاد میں سے حضرت عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی لاہوری حضرت مراد شاہ مدفون موضع مردانہ اور حضرت قلندر شاہ منصور موضع رتہ پیراں کی خانقاہوں کے لئے متعدد دیہات میں زمین کا معاملہ معاف تھا جو سجادہ نشین پیر محمد اشرف عالم شاہ مرحوم کے بے اولاد نرینہ فوت ہونے پر حسب شرط ضبط ہوا اس ضبطی کے خیال سے حضرت اشرف مرحوم نے اپنی خاص ملکیت سے لاکھوں روپیہ کی جائیداد اپنے بزرگوں کے آستانوں کی آبادی اور ان کے نیک نام کو زندہ رکھنے کے لئے وقف فرمائی جو حال ہی میں محکمہ اوقاف نے اپنی تحویل میں لے لی ہے۔ اور میں فی الحال حیثیت متولی حضرت واقف کے بزرگوں کے باقی حالات کی اشاعت سے محروم ہو گیا ہوں۔ خدائے مقلبُ القلوب چیف ایڈمنسٹریٹر اور دیگر متعلقہ حکام کو ہمارے خاندانی اوقاف سے علم

کی نشر واشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تاریخِ وصال حضرت جان محمد حضوری۔

جو تاریخ لکھتا ہے ناؔمی! ضروری   بہ جانِ ادب لکھ "محمد حضوری"
۱۰۱۶   ۱۱۲۰

اگر "نیک اوقات" اس پر بڑھائے   تو پھر عیسوی سال بے شبہ پائے
+ ۵۸۸ =   ۱۷۰۸ء

سید عبدالرزاق المشہور شاہ چراغ لاہوری قدس سرہٗ

حضرت شاہ چراغ بڑے عظیم المرتبت قادری بزرگ ہیں۔ شرافت و نجابت خاندانی ورثہ تھی۔ علوم ظاہر و باطن کے جامع تھے۔ اپنے والد بزرگوار سید عبدالوہاب کے مُرید و خلیفہ ہوئے۔

شجرۂ نسب :- شجرۂ نسب سید محمد غوث اوچی گیلانی سے یوں ملتا ہے۔ سید عبدالرزاق بن سید عبدالوہاب بن سید عبدالقادر ثالث بن محمد غوث بالا پیر زین العابدین بن سید عبدالقادر ثانی بن سید محمد غوث اوچی گیلانی۔

خطاب شاہ چراغ :- سید عبدالرزاق کی ولادت کے وقت آپ کے والد بزرگوار سید عبدالقادر ثالث زندہ تھے۔ فرمایا کہ ہمارے گھر میں چراغ پیدا ہوا ہے جس سے ہمارا خاندان منور ہو گا۔ پس اُس دن سے آپ چراغ شاہ مشہور ہوئے۔

شاہجہان کی عقیدت :- شاہجہان بادشاہ آپ کا بڑا معتقد تھا۔ وہ آپ کے فرزندوں میں سے کسی ایک سے اپنی بیٹی کی شادی کرنے کا خواہش مند تھا مگر آپ نے قبول نہ کیا غالباً اس خیال سے کہ بادشاہ اور فقیر کا کیا جوڑ۔ چنانچہ جب آپ فوت ہوئے تو اس

بادشاہ نے آپ کے مزار پر عالی شان گنبد بنوا دیا۔

حضرت شاہ چراغ ۲۲ ذوالقعدہ ۱۰۶۸ھ مطابق ۱۲ اگست ۱۶۵۸ء کو فوت ہوئے اور اپنے والد اور دادا کی قبور کے پاس مدفون ہوئے۔

چراغِ ہر دو عالم عبدرزاق   چو روشن گشت اندر خلدِ اعلےٰ
عجب تاریخِ وصلش جلوہ گر شد   "سراج الاتقیا قطب معلےٰ"
۱۰۶۸ھ

ایضاً

جلوہ گر شد در جہاں مثلِ چراغ   چوں چراغ آں آفتابِ عارفاں
گشت روشن سالِ ترحیلش زول   سید چوں آفتابِ عارفاں (سرور)
۱۰۶۸ھ
شمسی تاریخ گر کوئی پوچھے   کہو ناؔمی! "چراغِ تاباں" ہے (ناؔمی)
۱۶۵۸ء

تاریخ لاہور کے مؤلف کی توضیح | محمد لطیف صاحب جج صفحہ ۱۹۳ میں زیرِ عنوان مقبرہ شاہ چراغ تحریر کرتے ہیں۔ مزار کا گنبد اکاؤنٹنٹ جنرل پنجاب کے دفتر کے پاس ہے۔ عبدالرزاق المشہور شاہ چراغ کے آباؤ اجداد اُوچ واقع ریاست بہاولپور میں رہتے تھے۔ سلسلۂ نسب شاہ گیلان محی الدین پیر دستگیر سے مُلحق ہوتا ہے۔ شاہ چراغ شاہجہان کے عہد میں مشہور اور ۱۰۶۸ھ مطابق ۱۶۵۷ء میں فوت ہوئے (چونکہ آپ کی رحلت ماہ ذیقعدہ میں واقع ہوئی جب ۱۶۵۸ء تھا اس لئے میری تاریخ صحیح ہے۔ ناؔمی) موجودہ روضہ اورنگ زیب کے حکم سے تعمیر ہوا تھا۔ (سالِ تعمیر معلوم ہو تو اندازہ کیا جا سکتا کہ مفتی غلام سرور کا بیان صحیح ہے یا جج صاحب کا۔ ناؔمی) جہاں اب روضہ موجود ہے وہاں اسلامی بادشاہوں کے عہد کا

قدیم محلہ لنگر خاں [1] آباد تھا۔ لنگر خاں ایک بلوچ سردار تھا۔ جس کی عقیدت حضرت شاہ چراغ سے تھی۔ روضہ کی جانب مغرب واقع مسجد جس میں اب اکاؤنٹنٹ جنرل کا دفتر ہے (اب مسجد واگزار ہے اور کے قبضہ میں۔ ناجی)

نواب خان بہادر خان کی تعمیر کردہ ہے۔ نواب موصوف عہد محمد شاہ بادشاہ لاہور کے وائسرائے تھے۔ اسے نواب مذکورہ کی والدہ کے زیورات سے اس کی حسبِ وصیت تعمیر کیا گیا تھا۔ روضہ پر سالانہ عرس منعقد ہوتا ہے۔

اولادِ حضرت شاہ چراغ :- خزینۃ الاصفیاء میں لکھا ہے کہ حضرت شاہ چراغ کے سات فرزندوں میں سے بہت سے بزرگ اور صاحبِ کرامت سید مصطفیٰ تھے جو ۱۳ ماہ شعبان (مطابق ۱۰ جنوری ۱۰۸۴ھ مطابق ۱۶۷۴ء کو فوت ہوئے۔ تاریخ منظوم یہ ہے ~

رفت چوں مصطفےٰ بدا رفنا ! یافت از فضلِ حق کمالِ بہشت
گفت تاریخِ رحلتش سرّور ! سید مصطفےٰ جمالِ بہشت
۱۰۸۴ھ
تاریخ فوت نامیا ہے "رہبر خدا پرست
۱۶۷۴ء

---

[1] اس محلے کا آباد کار لنگر خان' ملتان کے آخری بادشاہ سلطان محمود لنگاہ کا درباری امیر تھا۔ ۱۵۲۶ء میں حسین ارغون حاکم سندھ نے سلطان بابر کے نام پر ملتان پر قبضہ کیا تو بابر نے اپنے بیٹے مرزا عسکری کو تفویض کیا اور وہاں اس کے ساتھ لنگر خان کو بھیجا۔ بابر کی وفات کے بعد ہمایوں نے ملتان صوبہ پنجاب سمیت اپنے بھائی کامران مرزا کو دے دیا۔ جس نے لنگر خان کو لاہور بلا کر رہائش کے لئے ایک علاقہ بپرد کر دیا جہاں اُس کا محل دائرہ لنگر خان کے نام سے مشہور ہوا اور پھر شہر لاہور کا ایک حصہ قرار پایا۔
(تاریخ محمد لطیف ص ۹۳)

حاجی محمد ہاشم گیلانی قُدّس سِرّہٗ

شجرۂ نسب :- حاجی محمد ہاشم گیلانی موصوف جلیل القدر قادری شیخ ہیں۔ شجرۂ نسب سید محمد غوث حلبی گیلانی تک اس طرح پہنچتا ہے کہ سید محمد ہاشمؒ بن سید صوفی علی بن سید بدر الدین بن سید اسماعیل بن سید عبداللہ ربانی بن سید محمد غوثؒ قدس سرہم۔ آپ ایک سو بیس برس کے سن میں ۱۰۸۷ھ مطابق ۱۶۷۶ء میں لاہور میں فوت اور مدفون ہوئے۔ اس سے قبل بارہ برس ملکِ عرب و عجم' شام و عراق کی سیاحت میں گزارے۔ حلب میں جا کر اپنے جد بزرگوار شمس الدین حلبی کے مزار کی زیارت کی اور بہت سے مشائخ کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ پھر لاہور آ کر مقیم اور بہت مقبول ہوئے۔ بہت سی خلقت آپ کی مرید ہوئی۔ ۷ محرم سنہ مذکور کو بروز جمعہ شنبہ چار گھڑی دن چڑھے فوت ہوئے۔ مفتی صاحب نے مدفن کا پتہ نہیں دیا۔ تحقیقاتِ چشتی صفحہ ۴۶۶ میں جن بزرگوں کی قبور تکیہ اعلیٰ والا بیرون لوہاری (لاہوری) دروازہ (واقع غرب رویہ کیتھولک گرجا) لکھی ہیں ان میں سید محمد ہاشم کا بھی نام ہے۔

منظوم تاریخ

شد چو در خلد معلےٰ از جہاں سید ہاشم ولی' مقتدا!!
سال ترحیلش بہ سرّور شد عیاں "ماہتاب ہاشمی قطبِ صفا" (مفتی سرّور)
۱۰۸۷ھ
تاریخ وصال پیر ہاشم ۔ ہوئی نامیا "خورشید روشن" (ناجی)
۱۶۷۶ء

سید سرور دین حُضُوری لاہوری قُدّس سرُّہٗ

سید سرور موصوف صاحب مقامات بلند و کرامات ارجمند تھے۔ اپنے والد بزرگوار شیخ جان محمد حُضُوری کے مرید و خلیفہ ہوئے۔ سید محمود حُضُوری سے لے کر ان تک چار پشت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرانے کی کرامت اس خاندان میں رہی اور ان کی وساطت سے سینکڑوں ارادت مندوں نے سعادتِ دیدارِ محمدی حاصل کی۔

وفات :- شجرۂ اولاد سید جان محمد حُضُوری کے مطابق ۲۱ شوال کو بروز جمعہ ۱۱۰۰ھ مطابق ۲۹ جولائی ۱۶۸۹ء بروز چہار شنبہ وقوع میں آئی اور اپنے پدر بزرگوار موصوف کے روضہ واقع گڑھی شاہو میں دفن ہوئے۔

منظوم تاریخ

چو از دنیا بفردوس بریں رفت — جناب سرور دیں شیخ حق بیں

یکے تاریخ وصلش "بحرِ فیض" است — دگر "سردار سرور سید الدین" (مفتی سرور)

١١٠٠ — ١١٠٠

ہاتی بسالِ عیسوی برجستہ تم لکھو — "شب خیز حق پرست ہے تاریخ انتقال"

١٦٨٩ء

سید جعفر بن حاجی محمد ہاشم بن صوفی علی گیلانی قُدّس سرُّہٗ

سید جعفر موصوف اپنے وقت میں جامع سیادت و نجابت و کرامت و شرافت تھے اور قادری سلسلہ میں اپنے والد ماجد سے بیعت تھی۔ ماہ جمادی الاُخریٰ کی ۱۹ تاریخ ۱۰۳۱ھ کو پیدا ہوئے۔ دن پنج شنبہ لکھا ہے مگر میرے حساب سے ۲ شنبہ آتا ہے اور ۹ رجب ۱۱۰۷ھ مطابق ۴ فروری ۱۶۹۶ء بروز ۲ شنبہ کو فوت ہوئے۔ مزار تکیہ الٰہی والا لاہور میں ہے۔

منظوم تاریخ

حضرت جعفر شد دنیا و دیں — سید اکبر مقدس متقی

مولدش "افضل مکمل" شد عیاں — رحلتش "جعفر مقدس متقی" (سرور)

١٠٣١ — ١١٠٧ھ

از پئے سال عیسوی ہاتی!

"جعفر فیض ہو ہیت" گفتا

١٦٩٦ء

سیدّ عبدالحکیم گیلانی قُدّس سرُّہٗ

سید عبدالحکیم گیلانی صاحب شریعت اور طریقت بزرگ تھے۔ آپ کا نسب اور شجرۂ طریقت درج ذیل ہے۔

سید عبدالقادر جیلانی

شجرۂ نسب	شجرہ طریقہ
سید عبدالرزاق	سید عبدالوہاب
سید عبداللہ صالح نصر	سید صوفی
سید الملک	سید احمد
سید عبدالرحمان	شاہ امیر
سید شرف الدین	شیخ حامد گیلانی
سید منصور	شیخ احمد

سید قاسم	شیخ نورالدین
سید یحییٰ	شاہ عالم
سید یعقوب	شاہ فیروز
سید بہاالدین	شیخ عبداللہ قادری
سید نورالدین	سید عبدالحکیم
سید نجم الدین	
سید مبارک	
سید محمد	

سید نظام الدین — سید بایزید — عبداللہ، سید عبدالحکیم، اللہ داد

سید عبدالحکیم کے اجداد میں سے سید یعقوب' عہدِ مبارک شاہ میں ۸۲۳ھ میں ایران سے ہندوستان آئے اور درس دینے لگے اور سید نجم الدین ۹۳۴ھ میں جبکہ بادشاہ کا عہد تھا دہلی تشریف لائے ملازم بادشاہ ہوئے ان کے بیٹوں میں سے سید نظام الدین نے لاہور آکر سکونت اختیار کی۔ یہیں ان کے ہاں بایزید فرزند متولد ہوئے۔ ان کے تین بیٹے تھے۔ ۱۔ سید عبداللہ۔ ۲۔ سید اللہ داد۔ ۳۔ سید عبدالحکیم۔ یہ عالم علوم ظاہر وباطن ہوئے اور طریقت میں حضرت عبداللہ قادری سے خلافت پائی۔ آپ بڑے متحمل مزاج اور پردہ پوش تھے۔ ایک دفعہ موضع سوریاں میں ایک مرید کے ہاں تشریف لے گئے۔ اس نے غلطی سے چاولوں پر شکر کی بجائے نمک ڈال دیا اور پیر صاحب کے سامنے طعام حاضر کیا آپ نے جتنا چاہا کھایا جب باقی بطور تبرک دوسروں نے چکھا تو غلطی کا پتہ چلا۔ مرید بڑی الحاح وزاری سے معافی کا خواست گار ہوا۔ فرمایا میں نے تو شکر کھائی ہے نمک کی تو مجھے خبر نہیں۔

سید عبدالحکیم موصوف ۱۰۳۱ھ عہد جہانگیر میں پیدا ہوئے اور ۱۱۰۸ھ مطابق ۱۶۹۶ء میں بعمر ۷۷ سال وفات پائی۔ مزار پُر انوار لاہور میں ہے۔ پہلے اس پر عالی شان گنبد تھا۔ جو زمانہ کے انقلاب سے مسمار ہو گیا۔ آپ کی اولاد اچھرہ وغیرہ اور ان کی اولاد اور مرید محمد

حیات اور محمد صدیق لاہور میں موجود ہیں جو ہر سال ان کا عرس کرتے ہیں۔

منظوم تاریخ

شہ عبدالحکیم آں معدنِ فیض — کہ بود او مطلع نورِ سعادت
"زخسِ المتقین" تولید او گیر — وصالش گو "شہنشاہِ ولایت" (سرور)
۱۰۲۱ھ — ۱۱۰۸ھ
عیسوی سال میں جا تاریخ — تا میا لکھ "حضورِ عالی صفات" (راحی)
۱۶۹۶ء

تحقیقاتِ چشتی ص ۴۲۵ میں لکھا ہے کہ مقبرہ سید عبدالحکیم غرب رویہ مقبرہ حضرت شاہ شمس الدین اور جنوب رویہ کوٹھی لفٹیننٹ گورنر کے تھا۔ ابتدائے عملداری سرکار انگریزی میں گر کر اس سڑک میں جو انار کلی سے کمپنی باغ جدید میں سے ہو کر چھاؤنی میاں میر جاتی ہے آ گیا مگر اب بھی نشان عمارتِ مقبرہ دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ غرب رویہ کمپنی باغ آٹھ نشان قبور بھی تا حال نظر آتے ہیں۔

سید محمد فاضل متوکل لاہوری قدس سرہٗ

سید محمد فاضل متوکل بن سید محمد ہاشم گیلانی قدس سرہٗ توکل' ریاضت اور عبادت میں یگانۂ عصر اور مقتدائے خلق اور ترک و تجرید میں شہرہ آفاق تھے اور دنیا اور اہل دنیا سے انہیں کچھ سروکار نہ تھا اور عمر بھر گھر سے باہر نہ نکلے کیونکہ والد بزرگوار (سید ہاشم) نے حج و زیارت کو جاتے ہوئے انہیں نصیحت کی تھی کہ اے نور العین کوچہ وبازار میں پھرنا موقوف کر کے اپنے گھر میں عبادتِ حق میں مصروف رہنا۔ اس حکم کی تعمیل میں زندگی بھر گھر سے باہر قدم نہ رکھا حتی کہ فوت ہو گئے اور جنازہ ہی نکلا شجرۃ الانوار کے مصنف لکھتے ہیں کہ سید محمد فاضل زاہد و عابد اور متوکل دائم الصوم اور دائم القیام عالم و عامل تھے۔ ہمیشہ کتاب جواہر خمسہ

پاس رکھتے اور فرصت کے وقت اس کا مطالعہ کرتے رہتے۔

شاہ عالمگیر آپ کا ارادت مند تھا۔ کئی بار حاضرِ خدمت ہو کر نقد و جنس اور جاگیر پیش کی مگر آپ نے کوئی شے قبول نہ فرمائی۔ آپ جامع کرامات تھے۔ دوم ماہ ذوالحجہ ۱۱۱۲ھ ۲۹ اپریل کو فوت ہوئے۔ مزار لاہور کے باہر سید اسماعیل محدث کی خانقاہ کے متصل ہے۔ اس مزار پر عالمگیر بادشاہ نے دلی ارادت سے بلند روضہ تعمیر کیا تھا اور ساتھ ہی عالی شان مسجد اور دل پسند عمارت بھی بنائی تھی مگر مرنگ کے زمینداروں نے خشت فروشی کا پیشہ اختیار کر کے انگریزوں کی عملداری کی ابتداء میں کلمہ گو ہونے کے باوجود عالی شان مسجد کو مسمار کر دیا اور اینٹیں بیچ دیں اور سنگدل سکھوں نے روضہ سے پتھر کے تختے اکھاڑ کر اسے منہدم کر دیا۔

تاریخ منظوم

سید فاضل ولیِ اہلِ دیں!
محمد چواز دنیائے دوں اندر جناں

"قبلۂ دیں فاضل" اہد رحلتش!
۱۱۱۲ھ
نیز "زیبِ اصفیا فاضل" خواں
۱۱۱۲ھ

"عاقل فاضل" بجو تاریخ او
۱۱۱۲ھ
باز "قطب الہند فاضل" کن بیاں (سرور)
۱۱۱۲ھ

عیسوی سال ہو اگر مطلوب
"فاضلِ معرفت" ہے اک تاریخ
۱۷۰۱ء

"درویش نیک ذات" اور
۱۷۰۱ء
"فضیلتِ فقرا" بھی تاریخیں ہیں (ہاتی)
۱۷۰۱ء

سید عُمر گیلانی قُدس سرّہٗ

سید عمر سید محمد ہاشم گیلانی کے فرزند ارجمند اور خلیفۂ اعظم ہیں۔ آپ شیخ باوقار اور اپنے وقت کے بہت بڑے عالم گوشہ نشین اور خدایار مجتہد تھے۔ سلوک نسبت قادریہ میں آپ کا ایک رسالہ ہے۔ اس پر عمل کیا جائے تو طالب اپنے مقصد کو حاصل کرے۔ آپ نے عقائدِ اہلسنّت میں بھی ایک کتاب تصنیف کی ہے جس پر کسی کو مجالِ سخن نہیں۔

کتاب شجرۃ الانوار کے مطابق آپ ۱۰۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور بروز اتوار ۱۶ ماہ شعبان ۱۱۱۵ھ مطابق ۱۲ جنوری ۱۷۰۴ء کو واصل حق ہوئے۔ مرقد لاہور تکیہ الٰہی والا میں ہے۔ حضرت صوفی علی صاحب متوفی ۱۰۰۲ھ کے مزار کے متصل جہاں سید ہاشم اور سید عبدالقادر المشہور شاہ گدا کی بھی قبور ہیں۔ (تحقیقاتِ چشتی ص ۲۶۵)

تاریخ منظوم

عمر چوں ز دنیا شد اندر بہشت
بتاریخ ترحیل آں باوقار

"عمر واصلِ شرعِ حق" شد رقم
۱۱۱۵ھ
"عمر جاں نثار" اندر آمد شمار (سرور)

ہاں بتا دے تو بھی یہ نامیا
کہ "شہیدِ عشقِ خدا عُمر" (ہاتی)

شاہ محمد رضا قادری شطاری قُدس سرّہٗ

شاہ محمد رضا قادری لاہوری جید عالم اور شیخ کامل تھے۔ علوم ظاہر میں صاحبِ فتویٰ اور علومِ باطن میں اہلِ ارشاد تھے۔ اسماء الٰہی کے ورد کی دعوت اور اوراد و وظائف کے ارشاد اور ادعیہ ماثورہ میں ان کا حکم محکم تھا۔ آپ کی ذات سے کبھی خطا سرزد نہیں ہوئی اور جو کچھ زبان گوہر سے فرماتے وہی وقوع میں آتا۔ کرامات و خوارق آپ سے بے اختیار سرزد ہوتے۔ مشائخ

متاخرین میں جس قدر ظاہری اور باطنی فتوحات آپ کی قسمت ہوئیں پنجاب میں اور کسی کو نہیں ہوئیں۔

آپ کے پیرانِ کبار کا سلسلہ چند واسطوں سے شاہ محمد غوث گوالیاری تک پہنچتا ہے۔ چنانچہ آپ (شاہ محمد رضا قادری) مرید تھے شیخ محمد فاضل لاہوری کے اور یہ شیخ الہ داد قادری اکبر آبادی کے اور یہ شیخ محمد جلال کے۔ یہ مرید شیخ نور کے۔ یہ مرید زین العابدین چشتی کے۔ یہ مرید شیخ عبدالغفور کے اور یہ شیخ وجیہہ الدین گجراتی کے اور یہ مرید شیخ محمد غوث گوالیاری کے۔ قدس اللہ اسرارہم۔

شیخ شاہ محمد رضا کی وفات ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۱۱۸ھ کو واقع ہوئی مطابق ۱۱ اگست ۱۷۰۶ء بروز یکشنبہ۔ مزار مبارک اب بازار سید محمد لطیف گنج میں جانب جنوب ہے۔ اس کی شمالی طرف سے اللہ پاک زنانِ بازاری کے گندے اڈے دور کرے۔ (آمین)

منظوم تاریخ

از دار فنا چو رخت بربست — آں شاہ رضا ولی والا
دل گفت کہ "آفتاب خلد" است — تاریخ وصالِ اوچہ زیبا
۱۱۸۱ھ
"محبوب جہاں رضا" رقم کن! — "ہادیٔ زمن رضا" بفرما (سرور)
۱۱۸۱ھ — ۱۱۱۸ھ
اگر عیسوی سال پری زناہیؔ — "محمد رضا تاج دہر" است تاریخ (ناہیؔ)
۱۷۱۶ء

"اخترِ شہر" اور "روشن نظر" سے بھی ۱۷۱۶ء برآمد ہوتا ہے۔

جج صاحب مرحوم نے تاریخ لاہور (انگریزی) کے صفحہ ۲۲۹ میں شاہ رضا قادری کے مزار کا پتہ قریباً وہی دیا ہے جو میں لکھ چکا ہوں۔ "متصل تحصیل" اضافہ ہے اور اب دفتر تحصیل اٹھ کر ضلع کچہری کے جانب جنوب جا چکا ہے۔ مزار چبوترے پر ہے۔ عرس میں اجتماعِ صوفیا ہونا لکھا ہے کہ حمد و ثنا سن کر درویش وجد کرتے ہیں۔ شاہ عنایت قادری نے شاہ

قصوری کافیاں والے سید کے پیر شاہ رضا کے مرید تھے۔ معلوم ہوا کہ مزار کی متصلہ زمین بک کر ہندوؤں کے ہاتھ چلی گئی تھی اب وہ جائیداد متروکہ مع مکانات پاکستانی حکومت کے قبضے میں ہے محکمہ اوقاف نے اس مزار پر غالباً ابھی تک قبضہ نہیں کیا اور نہ اسے اس کی ضرورت ہے۔

شاہ درگاہی قادری لاہوری قدس سرہٗ

بزرگ موصوف سلسلۂ قادریہ میں حضرت عبدالرزاق قادری کے مرید اور خلیفہ ہیں بڑے عابد و زاہد اور متقی تھے۔ حضرت شاہ چراغ کے ساتھ لاہور آئے۔ قادری خرقہ حاصل کرنے کے بعد خاندانِ چشتیہ صابریہ سے بھی فیضِ کامل حاصل کیا۔

آپ کی خانقاہ کے پاس ایک دہقان کا کنواں تھا اُس نے ایک دن عرض کیا کہ میرے بیٹے کو پانی دانہ پھنسیوں کی بیماری ہے دعا کریں کہ خدا شفا بخشے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے اپنے کنویں کے پانی سے نہلا دے۔ ان شاء اللہ آرام ہو جائے گا۔ بلکہ میں نے خداوند شافی سے دعا کی ہے کہ جس کے بچے کو یہ بیماری ہو اُسے اس کنویں کے پانی سے نہلائے تو اسے صحت ہو جائے گی۔ چنانچہ دہقان کے بچے کو شفا ہو گئی اور اب تک بچے اس کنویں کے پانی کے غسل سے صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ غسل اتوار کو ہوتا ہے اور اس وقت میٹھی اور نمکین روٹی حاضرین میں تقسیم کی جاتی ہے۔ یہ چاہ بنام "چاہ پانی دانیاں" حضرت درگاہی شاہ کے مزار کے پاس ہال روڈ پر متصل مزار سید اسماعیل محدث واقع ہے۔ متولی نے کنواں بند کر کے پمپ لگا دیا ہوا ہے۔ چڑھاوے کی اتنی آمدنی نہیں کہ محکمہ اوقاف اس پر قبضہ کرے۔

بزرگ مذکور ۱۱۲۲ھ مطابق ۱۷۱۰ء میں شاہ عالم بہادر شاہ بن شاہ عالمگیر کے عہد میں فوت ہوئے۔

تاریخ منظوم

گشت روشن چو رفت از دنیا — در جہاں ہمچو ماہ درگاہی!

گفت تاریخ رحلتش سرور — "قطب سردار شاہ درگاہی" (سرورؔ)

۱۱۳۲ھ

گفت تاریخ رحلتش ناؔمی! — شاہ درگاہی جلوۂ خورشید (ناؔمی)

۱۷۱۰ء

سید عبدالوہاب قادری لاہوری قُدّس سِرّہٗ

سید عبدالوہاب بن سید سرور الدین بن جان محمد حُضُوری زہد و تقویٰ میں بڑی شان والے سید اور شیخ تھے۔ لاہور میں مخلوقِ خدا کو راہِ حق دکھانا ان کا شغل تھا۔ خلقِ کثیر کو آپ سے فیض پہنچا۔ بروز جمعہ ۲۱ شوال ۱۱۳۱ھ مطابق ۲۶ اگست ۱۷۱۹ء کو آپ کا وصال ہوا۔

تاریخ منظوم

چو سید عبدوہاب از جہاں رفت — دو تاریخ وصال اوست درباب

یکے "ہادی مبارک شاہ محشر" — دگر "افضل مکمل عبدوہاب" (سرورؔ)

۱۱۳۱ھ — ۱۱۳۱ھ

ندا از ہاتفِ غیبم بیامد! — بگو ناؔمی "چراغ بزم سرور" (ناؔمی)

سید عبدالوہاب کا مزار مقبرہ جان محمد حُضُوری کے متصل گڑھی شاہو میں ہے۔ ایک چبوترے پر ان کی اور شاہ نورالدین کی قبر ہے۔

سید بدرالدین گیلانی لاہوری قُدّس سِرّہٗ

سید بدرالدین بن سید علی بن حاجی سید ہاشم شاہ اپنے زمانہ کے ولی، فاضل، متبحر اور متوکل تھے۔ وعظ میں مسائل دینی بیان فرماتے۔ آپ کے رعب و ہیبت کے سامنے کسی کو مجالِ دم زدن نہ تھی۔ گزران قلندرانہ تھی۔ بات بے باکانہ کہتے۔ محمد معزالدین بن بہادر شاہ بن عالمگیر بادشاہ نے ایک لاکھ روپیہ اور چند قطعہ زمین بطور نذر پیش کی مگر آپ نے قبول نہ فرمائی۔

آپ کی وفات حسبِ بیان کتاب شجرۃ الانوار ۱۱۳۰ھ مطابق ۱۷۱۸ء یا ۱۱۳۶ھ مطابق ۱۷۲۴ء (عہد محمد شاہ بادشاہ) ہوئی۔ مزار لاہور میں ہے۔ آپ کی والدہ بی بی سیدہ بی بی سادات بخاری کی اولاد سے تھیں جو ایمن آباد میں رہتی تھیں۔ منظوم تاریخ۔

رہنمائے زمانہ بدر الدین — رفت چوں از جہاں بباغ جناں

سال تاریخ رحلتش سرور — "بدر دین پیر دین شریف" خواں (سرورؔ)

۱۱۳۶ھ

آفتاب مروت آمد نیز — سالِ ترحیل آں شہِ دوراں

۱۱۳۰ھ

یکے "مقصود مخلوقات بدر الدین" — دگر گوئی تو "با تعظیم بدر الدین" (ناؔمی)

۱۷۱۸ء — ۱۷۲۸ء

شاہ شرف قادری لاہوری قُدّس سِرّہٗ

شاہ شرف لاہوری بڑے کامل بزرگ ہوئے ہیں۔ قصبہ بٹالہ کے متوطن تھے۔ آپ کے بزرگ کھتری پوری تھے۔ آپ کے دادا صاحب مشرف باسلام ہو کر بٹالہ میں قانون گوئی کے عہدہ پر مامور ہوئے۔ وقتِ ولادت شاہ شرف کا نام سعادت مند رکھا گیا۔ علم

ظاہری والد بزرگوار سے حاصل کیا۔ جب تین سال کی عمر ہوئی تو قضائے الٰہی سے آپ کا بھائی عبدالرحیم فوت ہو گیا۔ اُس کی بیوہ کا نام بیگم تھا۔ آپ ازراہ ہمدردی اپنی اُس بھاوج کی خبر گیری کرتے اور اکثر اس کے پاس آمدورفت رکھتے تھے۔ حضرت سعادت مند کی زوجہ کو یہ ہمدردانہ سلوک نہ بھایا اور تہمت لگانا شروع کر دیا۔ اس سے آپ کو بڑا دکھ ہوا اور بٹالہ سے چل کر لاہور آئے اور شیخ محمد فاضل قادری شطاری کے مرید ہوئے اور بعد تکمیل شاہ شرف کے خطاب سے ممتاز ہوئے۔ پھر آپ کی اہلیہ حاضر خدمت ہوئیں اور عرض کیا کہ آپ بٹالہ واپس جائیں اور خانگی کاروبار میں مشغول ہوں مگر آپ نے قبول نہ کیا اور دل و جان سے یادِ حق میں مشغول ہو گئے۔ آپ شاہ رضا قادری شطاری کے خواجہ تاش تھے یعنی دونوں شیخ محمد فاضل کے مرید۔ وہاں سلسلۂ ارادت مطالعہ کریں۔

شاہ شرف ۱۱۳۷ھ مطابق ۱۷۲۵ء میں فوت ہوئے۔ تاریخ منظوم:-

رفت از دنیا چو در خلد بریں	شہ شرف شیخ یقین تاج اشرف
سال تاریخ وصال آں جناب	شد عیاں "محبوب دیں تاج الشرف"
ہاتفی بگفتا سال او	"صالح خلف شاہ شرف"

اتنا لکھ چکنے کے بعد تحقیقاتِ چشتی کا مطالعہ کیا۔ مولوی نور احمد صاحب کتاب ہذا کے مؤلف نے خانقاہ شاہ شرف کا پتہ یہ لکھا کہ خانقاہ داہنی طرف سڑک جیل کے متصل ٹیلہ ہائے چاند ماری موجود ہے۔ یہ مزار ایک چبوترہ خشتی پر واقع ہے۔ اس پر تین قبریں ہیں ایک تو حضرت شاہ شرف کی۔ دوسری اُن کے مُرشد محمد فاضل صاحب کی اور تیسری ان کے مرید محمد عزیز اللہ کی۔ شاہ شرف ۱۲۰ برس کی عمر میں فوت ہوئے۔ آٹھ بیگھہ زمین مزروعہ اور سات بیگھہ غیر مزروعہ خانقاہ کے ساتھ معاف ہے اور دو چاہ جاری ہیں۔ آمدنی اس زمین کی مہتاب فقیر کو ملتی ہے۔ ۱۳ رجب کو محمد فاضل صاحب کا میلہ ہوتا ہے اور ۱۳ صفر کو شاہ شرف صاحب کا۔ ان کی قبر کے جنوب رویہ ایک مسجد کلاں ہے جو اب مسمار ہو گئی مگر نشان

باقی ہے۔ اس میں حضرت محمد فاضل صاحب درس دیں پڑھاتے تھے اور بادشاہ شاہجہان سے ان کو مدد ملتی تھی۔ بہت لوگ مفت تعلیم پاتے تھے اور فی سبیل اللہ درس جاری تھا (ص ۱۹۶) تاریخ لاہور (انگریزی) کے ص ۱۹۴ میں مزار شاہ شرف کے متعلق لکھا ہے کہ یہ خواجہ محمد سعید کے مزار کے مشرق کی طرف ہے۔ شاہ شرف کا زہد اور علمی قابلیت شہرہ آفاق تھی۔ آپ عہد عالمگیر میں مشہور اور ۱۱۰۴ھ مطابق ۱۶۹۲ء میں فوت ہوئے۔ آپ کا بڑا عظیم الشان مقبرہ ٹکسالی دروازہ کے مقابل موجودہ گورہ قبرستان کی مشرقی جانب تھا۔ مقبرہ اور مسجد فنِ تعمیر اور خوبصورتی کا کامل نمونہ تھی۔ اندرونی دیواریں سنگ مرمر سے پردانی سُرخ پتھر سے آراستہ تھیں۔

جب رنجیت سنگھ دیوار شہر کے باہر خندق کھودنے لگا تو مسجد اور مقبرہ کو حائل دیکھ کر گرا دیا اور سب قیمتی پتھر سکھی مندر سجانے کے لئے امرتسر لے گیا۔ شاہ شرف کا تابوت قبر کھود کر نکالا گیا اور فقیر عزیز الدین کی معرفت موجودہ مقام پر دفن کیا گیا۔

مفتی غلام سرور مرحوم کی دی ہوئی تاریخ وفات میں ۳۳ برس کا فرق تعجب خیز ہے۔ ۱۱۳۷ھ میں محمد شاہ بادشاہ کا عہد تھا اور ۱۱۰۴ھ میں اورنگ زیب کا۔

سید محمد لطیف مرحوم نے تاریخ لاہور ص ۶۰ میں مولانا محمد فاضل لاہوری کی نسبت لکھا ہے کہ آپ بدخشان سے لاہور آ کر مُلّا جمال لاہوری کے شاگرد ہوئے۔ جہانگیر کے عہد میں مفتی کے عہدے پر سرفراز تھے جس پر وہ شاہجہان کے ۸ء جلوس تک فائز رہ کر گوشہ نشین ہو گئے یعنی ۱۰۴۲ھ تک اس سے ثابت ہوا کہ یہ مولانا محمد فاضل اور تھے اور شاہ شرف کے مُرشد اور۔

مزار کا پتہ تحقیق طلب ہے۔

خواجہ محمد سعید رحمتہ اللہ علیہ

اسی تاریخ لاہور (انگریزی) کے ص ۱۹۳ میں لکھا ہے کہ خواجہ کا مزار ایک چار دیواری کے اندر نیلا گنبد کے بالمقابل جانب مشرق ہے۔ محمد سعید بڑے سیاح اور عالم تھے۔ دوران سیاحت کابل پہنچے اور کچھ عرصہ مقیم رہے۔ احمد شاہ درانی بادشاہ کا آپ سے تعارف تھا اور آپ کی بڑی عزت کرتا تھا۔ جب اس نے پنجاب پر تیسرا حملہ کیا تو لاہور آپ کی وجہ سے لوٹ مار سے بچ گیا کیونکہ آپ نے اُسے مختصر سے خط میں لکھا تھا کہ مخلوقِ خدا کو تنگ نہ کرو۔ وہ خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آداب بجا لایا۔ آپ علی گوہر شاہ عالم کے عہد میں مشہور ہوئے اور ۵ ربیع الاول ۱۱۸۱ھ مطابق ۱۷۶۷ء کو وفات پائی۔ دو بیٹیاں چھوڑیں جن کی اولاد موجود ہے۔

آپ کے مزار پر سالانہ عرس ہوتا ہے اور کابلی سردار بڑی عقیدت سے سائل ہوتے ہیں۔ ان کی ایک خاندانی شاخ جلال آباد (افغانستان) میں اور دوسری لاہور میں رہتی ہے۔ جب سردار سلطان محمد خان اور امیر دوست محمد خان لاہور میں بعہد رنجیت سنگھ مقیم تھے تو اکثر اس مزار پر زیارت کے لئے حاضر ہوتے تھے۔

نوٹ:- غالباً انہیں خواجہ سعید کے نام پر خواجہ سعید متصل لاہور ہے جس کے شمال مغربی جانب انہیں کی دختر زیر گنبد آسودہ ہے اور جس کے پتھر سکھ اُتار کر لے گئے۔ میں اس کو نقشہ مقابر میں حسب نمبر ۳۴ درج کر چکا ہوں۔

اسی موضع خواجہ سعید میں جد نا قلندر شاہ متوفی ۱۲۴۸ھ کے خلیفہ سید۔ متوطن موضع رتر چھتر (مکان شریف) کا بھی مزار ہے جیسا کہ کتاب اذکارِ قلندری میں مذکور ہے۔ (ناقی)

شاہ عنایت قادری قدس سرہ

شاہ عنایت موصوف حضرت شاہ رضا قادری شطاری لاہوری کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ آپ بڑی مدت ان کی خدمت میں رہ کر تکمیل کو پہنچے اور خرقۂ خلافت حاصل کر کے قصور تشریف لے گئے اور وہاں یادِ حق میں مشغول ہوئے سینکڑوں اشخاص آپ کے معتقد ہو گئے۔ ان میں بہت مشہور سید بلھے شاہ قصوری ہیں جن کی رُباعیاں مشہور ہیں۔ میں ان دونوں کے حالات روزنامہ امروز مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۵۷ء اور کثیر الاشاعت ماہنامہ لیل و نہار مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۶۰ء میں لکھ چکا ہوں ان میں مزارات کے فوٹو بھی دیے ہیں جو میرے لائق فرزند محمد ابو بکر بی ایس سی کاٹن انسپکٹر نے موقع پر جا کر کھینچے تھے اور بلاک بنوا کر کار پرداز ان اخبار و رسالہ نے چھاپے تھے۔ جب میرے مطبوعہ مضامین کا مجموعہ شائع ہو گا تو شائقین متمتع ہو سکیں گے۔ شاہ عنایت عمر کے آخری حصے میں قصور کے حاکم حسین خاں سے کبیدہ خاطر ہو کر لاہور چلے آئے۔ چنانچہ آپ کا مزار بھی لاہور ہی میں اس سڑک پر ہے جو اسمبلی ہال سے اچھرہ کی طرف جاتی ہے۔ چڑیا گھر سے مغرب کی طرف۔ مرزا عبدالرب صاحب ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کی کوٹھی کے متصل۔

شاہ عنایت کے پیروں کا سلسلہ اس سے پہلے شاہ رضا قادری کے حالات میں لکھا جا چکا ہے۔ آپ آرائیں زمیندار قوم کے خدا دوست فرد تھے۔ سید بلھے شاہ کو رشتہ داروں نے طعنہ دیا تھا کہ تم سید ہو کر ارائیں کے مرید بنے ہو چنانچہ یہ بات بلھے شاہ کے کلام سے ثابت ہے۔ فرماتے ہیں۔

بلھے نوں سمجھاون آئیاں بھیناں تے بھر جائیاں
آل نبی اولاد علی دی توں کی لیکاں لائیاں
چھڈ دے پلا ارائیاں

بلھے شاہ کو اس طعنے کا کیا اثر ہوتا وہ تو کہہ چکے تھے۔

بلھیا! جے تو چاہیں باغ بہاراں چاکر تھیں ارائیں دا
بلھے شاہ دی ذات کی پچھیں شاکر ہو رضائیں دا

یہ بھی فرمایا۔

تسیں وچ اُوچ دے اُچے او — اسیں وچ قصور قصوری آں
شاہ عنایت دی باغ بہاراں — اسیں اوہدی وچ لسوڑی آں

سید بلھے شاہ نے شاہ عنایت سے بیعت اُونچی مسجد اندرون بھاٹی دروازہ میں کی تھی جو ان کے خاندان کی تولیت میں تھی۔ نیچے دو دکانوں کا کرایہ معقول وصول ہوتا ہے لہٰذا محکمہ اوقاف نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا ہے اور مزار شاہ عنایت پر قبضہ نہیں کیا ہے۔

شاہ عنایت ۱۱۴۱ھ مطابق ۱۷۲۸ء میں واصلِ حق ہوئے۔ منظوم تاریخ۔

چو از فضل و عنایاتِ الٰہی! — عنایت رفت از دنیا جنت
"ز مشتاق کرم" جو وصالش — دگر "تاج یقیں اہلِ عنایت"
۱۱۴۱ھ — ۱۱۴۱ھ
ہے یہ تاریخ نامیا پچھان — "باغبان عنایت منان"
۱۷۲۸ء

محمد لطیف صاحب جج نے شاہ عنایت کا ذکر شاہ رضا قادری کے حالات میں کیا ہے۔ الگ نہیں کیا اور تحقیقاتِ چشتی میں پیر ہادی رہنما کے حالات کے اخیر میں لکھا ہے کہ کلاں خان کی عظیم الشان مسجد تعمیر کردہ بعہد اکبر بادشاہ (جواب کوٹھی بن گئی ہے اور اس میں سر جن کمپنی باغ کار رہتا ہے اور اس نے اس کے دروازے بند کر کے چوکھاٹ دروازہ لگائے ہیں) کی طرف جنوبی و مشرقی ایک چبوترہ خشتی جس کے میرے سفید ہیں موجود ہے اس میں چند قبریں ہیں۔ چنانچہ ایک عنایت اللہ قادری کی ہے جو مرشد حضرت بلھے شاہ صاحب کے ہیں۔ (صفحہ ۱۹۶)

سیّد حاجی عبداللہ گیلانی لاہوری قدس سرّہٗ

سیّد موصوف بن سید اسماعیل بن سید قاسم بن سید صوفی بن سید بدرالدین بن سید اسماعیل بن سید عبداللہ ربانی لاہور کے بڑے مشہور مستغنی المزاج بزرگ تھے۔ تاحیات اہلِ دُنیا کے دروازہ پر نہیں گئے اور رات دن تدریسِ علوم اور اہلِ حق کی تلقین میں مصروف رہے۔ نواب ذکریا خان ناظم لاہور اور اس کے اُمراء آپ کے معتقد اور مُرید تھے۔

شجرۃ الانوار کے قول کے مطابق آپ ۱۱ ربیع الثانی ۱۱۴۱ھ مطابق ۵ نومبر کو فوت اور سید اسماعیل محدث کے مزار کے سامنے مدفون ہوئے۔

تاریخ منظوم

رفت از دنیا چو در خلدِ بریں — سیّد عبداللہ پیر رہنما
سال ترحیلش بخواں "عاشق حق" — نیز فرما "اہلِ نعمت مقتدا" (سرور)
۱۱۴۱ھ — ۱۱۴۱ھ
ہمچنا ناگی حامد بتاریخ — کہ "عبداللہ فخر خاندان است"
۱۷۲۸ء

حضرت شاہ محمد غوث گیلانی لاہوری قدس سرّہٗ

حضرت شاہ محمد غوث قادری کے والد بزرگوار سید حسن پشاور کے رہنے والے تھے۔ شاہ محمد ظاہری اور باطنی علوم کے جامع ہونے کے علاوہ طریقت اور حقیقت کے رموز بھی آپ پر منکشف تھے۔ آپ کو قادری طریق میں خلافت اپنے والد بزرگوار سے حاصل ہوئی۔ آپ نے طلبِ حق کے لئے سارے ہندوستان کی سیاحت کی۔ چنانچہ سید بھیکھ چشتی عبدالغفور نقشبندی اور خلفائے حاجی محمد نوشاہ وغیرہم کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل

کیا اور سلسلۂ چشتیہ اور نقشبندیہ کی تلقین کی اجازت لی۔ خوارق اور کرامات آپ سے بے اختیار ظاہر ہوتی تھیں۔

آپ نے اپنے تصنیف کردہ رسالہ غوثیہ میں بیان کیا ہے کہ جب میں حق کی تلاش کے سلسلے میں لاہور پہنچا تو حضرت میاں میر لاہوری کے مقبرے میں کئی راتیں گزاریں۔ ایک رات حضرت میاں میر ظاہر ہوئے اور میری طرف توجہ فرمائی اور شغل میں مشغول ہونے کا ارشاد فرماتے ہوئے کہا کہ یہ بات پوشیدہ رکھنا اور کسی سے ذکر نہ کرنا۔ صبح اُٹھ کر میں شیخ حامد لاہوری کی خدمت میں حاضر ہو کر طالبِ فیض ہوا تو آپ نے فرمایا کہ رات جو تمہیں حضرت میاں میر بالا پیر نے شغل عطا فرمایا ہے وہی کافی ہے۔ حضرت شاہ محمد غوث نے شیخ حامد کے متعلق بتایا ہے کہ آپ ایک صاحبِ دل بوڑھے قادری درویش مرد ہیں جو پیر علی گنج بخش ہجویری قدس سرہٗ کے مزار کے متصل رہتے ہیں۔

حضرت شاہ محمد غوث کے ایک ہمنام بزرگ مرید پشاور میں رہتے تھے۔ جب نادر شاہ کابل پر متصرف ہو کر ہندوستان کی تسخیر کے ارادے سے پشاور پہنچا اور اس بارے میں ان سے استمداد کی تو آپ نے کہا کہ حضرت شاہ محمد غوث لاہوری کی طرف رجوع کرو۔ یہ سن کر نادر شاہ نے انہیں پشاور بُلا بھیجا۔ آپ نے جواب لکھ بھیجا کہ ہمارے پیروں کا یہ طریقہ نہیں کہ بادشاہوں کے پاس جا کر مدد مانگیں کیونکہ ہر ایک کا مددگار اللہ کافی ہے نادر شاہ یہ جواب سن کر برافروختہ ہوا اور بولا کہ میں لاہور پہنچ کر سب سے پہلے اس عدولِ حکمی کی سزا شاہ محمد غوث کو دوں گا اور پھر دہلی کی طرف جادہ پیما ہوں گا۔ چنانچہ جب وہ پشاور سے کوچ کر کے ایک ندی کے کنارے پہنچا تو بوجہ طغیانی اس سے عبور ممکن نہ ہوا۔ سیلاب روز بروز بڑھتا ہی گیا۔ آخر پریشان ہو کر شاہ محمد پشاور سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ طغیانی اُس بد ارادہ کا نتیجہ ہے جو بادشاہ نے حضرت شاہ محمد غوث لاہوری کی نسبت کیا ہے۔ یہ سن کر نادر تائب ہوا اور لاہور پہنچ کر آپ سے خلوصِ دل سے مُلاقی ہوا۔

مفتی غلام سرور مرحوم اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ رنجیت سنگھ کے پوتے

نونہال سنگھ نے جو لاہور میں برسرِ حکومت تھا لارڈ ویس فرنگی کی تجویز سے قرار دیا کہ لاہور شہر کے گرد و دور دور تک تمام درخت اور عمارات صاف کر کے میدان بنا دیا جائے چنانچہ بہت سے درخت اور عمارتیں منہدم بھی کی گئیں۔ جب حضرت شاہ محمد غوث کے مزار کی عمارتوں اور درختوں کے اکھاڑنے کی نوبت آئی اور بیرونی درخت اور عمارتیں گرائی جا چکیں اور اندرونی چار دیواری کی باری آئی تو نونہال سنگھ کا باپ کھڑک سنگھ مر گیا اور جب بیٹا باپ کی لاش کو نذرِ آتش کر کے لوٹا تو قلعہ لاہور کی دیوار سے ایک پتھر گر کر اس کے سر پر پڑا اور نونہال باغِ جوانی اس کے صدمے سے ہلاک ہو گیا۔ حضرت شاہ محمد غوث کا مزار انہدام سے بچ گیا اور نونہالی تجویز پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ بلکہ اس کے بعد جلد ہی سکھی حکومت تباہ ہو گی۔

دیدی کہ جرم سوختن پروانہ شمع را — چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

حضرت شاہ محمد غوث بقول صحیح حسب روایت مؤلف تشریف الشرفا مندرجہ خزینۃ الاصفیا ص ۲۸۱ ۱۱۵۲ھ مطابق ۱۷۳۹ء میں فوت ہوئے۔ یعنی نادر شاہ کے ہندوستان آنے سے ایک سال بعد۔

منظوم تاریخ رحلت

چوں محمد غوث رفت از دارِ فنا — سالِ وصل آں ولیٔ متقی!

"عارف مخدوم سالک" کن رقم (۱۱۵۲ھ) — ہم بفرما "راہبر سید تقی" (سرور) (۱۱۵۲ھ)

بسالِ عیسوی ہاتف بگفتا — "محمد غوث عالم" گفت تاریخ (۱۷۳۹ء)

آؤ اب جج محمد لطیف سے مزید معلومات حاصل کریں:- آپ تاریخ لاہور (انگریزی) کے صفحہ ۱۶۸ میں رقم طراز ہیں کہ شاہ محمد غوث کا مزار دہلی دروازہ کے باہر واقع مرجع انام ہے۔ احاطہ مزار خشتی ہے اور پاس زائرین کے لئے عمدہ حجرے

ہیں اور ایک مسجد بنا کردہ غلام نبی ہے شاہ محمد غوث' محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں پشاور سے لاہور آکر اقامت گزین ہوئے۔ آپ کے والد سیّد حسن کا مزار پشاور میں زیارت گاہ خلق ہے۔ شاہ محمد غوث کے حلقہ ارادت میں لاہور کے بہت سے لوگ داخل ہوئے۔ آپ غوث الاعظم پیران پیر دستگیر کی اولاد سے تھے۔ آپ کے معتقد پشاور سے لاہور تک پھیلے ہوئے ہیں جہاں اب آپ کا لاہور میں مزار ہے وہاں اورنگ زیب کے عہد میں اس کے صوبیدار فدائی خاں کا شاندار محل تھا۔ اس نے قلعہ لاہور کے مقابل بادشاہی مسجد بنوائی تھی۔

شاہ محمد غوث کا شاندار مؤلفہ رسالہ غوثیہ ہے۔ اس میں آپ نے حضرت میاں میر اور دوسرے بزرگوں کا حال لکھا ہے۔

جج صاحب موصوف نے اس کے بعد حضرت شاہ محمد غوث مذکورۃ الصدر کرامت کا ذکر کیا ہے جو کنور نونہال سنگھ کے حسب تجویز مسٹر الرو (مفتی صاحب نے نام کچھ اور لکھا ہے) لاہور کے مضافات کو اشجار و عمارات سے صاف کرنے اور میدان بنانے کے متعلق ہے اور جس کا نتیجہ نونہال سنگھ اور میاں اودہم سنگھ پسر راجہ گلاب سنگھ کی موت نکلا جو روشنائی دروازہ کی دیوار سے ۱۸۴۰ء میں پتھر گرنے سے (نہ قلعہ کی دیوار سے) کچلے گئے اور حضرت شاہ محمد کا مزار انہدام سے محفوظ رہا۔

جج محمد لطیف صاحب نے اولیاء اللہ کی شان میں یہ حدیث مع ترجمہ نقل کی ہے۔

اَنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا یَمُوْتُوْنَ بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ

"بالتحقیق اللہ کے اولیاء نہیں مرتے۔ وہ ہمیشہ زندہ ہیں مگر تم نہیں سمجھتے۔"

آپ نے تاریخ وفات وہی دی ہے جو اوپر مذکور ہوئی اور سالانہ میلے کا بھی ذکر کیا ہے جو بہ تقریب عُرس ۷ ربیع الاول کو منعقد ہوتا ہے۔[۱]

۱۔ حضرت شاہ محمد غوث کے مکمل حالات کے لئے پیر صاحب کا رسالہ حیاتِ شاہ محمد غوث ملاحظہ ہو۔

سیّد عبدالقادِر المشہور بہ شاہ گدا گیلانی قُدّس سرُّہٗ

سیّد عبدالقادر بن سیّد عُمر بن حاجی محمد ہاشم قُدّس سرُّہٗ یگانۂ روزگار اور احسنُ الخالقین کی صنعت کا نادر نمونہ تھے۔ آپ شریعت اور طریقت کے جامع اَسرارِ حقیقت سے واقف اور معرفت کے بلند پرواز شہباز تھے۔ عہدِ طفولیت سے وصال تک عمر ریاضت و مجاہدہ میں بسر کی۔ آپ کو شکار کا بڑا شوق تھا۔ خدا نے آپ کو جسمی توانائی بھی بہت عطا کی تھی۔

شیر پر دلیر:- ایک دن شیر سے مقابلہ آپڑا تو آپ دو گھڑی تک اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر کھڑے رہے اور شیر اس قدر دلیر ہونے کے باوجود حرکت نہ کر سکا۔ آخر آپ نے اس شدت سے اُسے جھنجھوڑا کہ اُس کے ہاتھوں کے جوڑ الگ ہو گئے۔ آپ اکثر دریائے راوی کے ساحل پر واقع (گورستان) میں رات بھر مصروفِ عبادت رہتے تھے اور چند دانہ جو سے روزہ کھولتے اور آپ کا کھانا صرف دو لقمے ہوتا۔

پیرانِ طریقت:- تمام دن بیماروں کے علاج میں صرف فرماتے۔ بچپن میں سیّد عبداللہ کلی سے جو دریا کے کنارے رہتے تھے فیض حاصل کیا جب وہ کے چلے تو آپ کو سیّد عبدالرحمٰن کے سپرد کر گئے اور جب اُنھوں نے وفات پائی تو آپ سیّد محمد بن سیّد علاؤالدین حُسینی مکین دھل محلہ لاہور کی خدمت میں 'جو عالم باعمل' شیخ کامل اور ولی مکمل تھے حاضر ہوئے اور جواہر خمسہ 'سراج السالکین اور علم جفر و تکسیر کی نذر گزرانی۔ سیّد محمد بن علاءالدین کا مزار محلہ کاغذ کوباں میں بنام سیّد میر موجود اور مشہور ہے۔ سیّد محمد مرید تھے۔ شیخ عبداللہ کے جو سراج السالکین کے مؤلف ہیں اور یہ مرید اور شاگرد تھے شاہ محمد غوث گوالیاری مصنف جواہر خمسہ کے۔

اُستادِ طب وغیرہ :- سید عبدالقادر موصوف نے علمِ طب شاہ عبدالرسول زنجانی لاہوری سے حاصل کیا اور علمِ تفسیر وحدیث وفقہ کی سند اپنے خالِ باکمال سید اسماعیل گیلانی بن قاسم بن سید صوفی علی سے لی اور قادری سلسلہ کا خرقہ اپنے والد بزرگوار سید عمر سے پہنا۔ کتاب کشف الاسرار خرد اور کشف الاسرار بزرگ آپ کی تالیف وتصنیف ہیں۔ علاوہ ان کے رسالہ اسرار العثمانی بھی علم حقائق اور دقائق پر مشتمل آپ کا مؤلفہ ہے۔

ہمعصر بزرگ :- سید محمد یار مجذوب۔ حافظ بلاقی اور محمد خاں آپ کے ہمعصر اور ہم جلیس اور مصاحب تھے۔

وفات :- سید عبدالقادر بروز جمعہ ۲ ذوالحجہ ایک گھڑی دن چڑھے ۱۰۶۳ھ کو پیدا اور بروز شنبہ ۱۱۵۴ھ مطابق ۱۷۴۱ء فوت ہوئے صاحب شجرۃ الانوار نے مصرع "آہ رفت از دارِ دنیا قطبِ عہد" سے تاریخ رحلت نکالی ہے اور مفتی صاحب نے۔

شاہ عالم شیخ عبدالقادر راست — میر اکبر، پیشوا و رہنما !

شد عیاں تولید "صادق حق پرست" — باز فرما "مُرشد دیں مجتبیٰ" !

۱۰۶۳ھ — ۱۰۶۳ھ

ارتحالش ہجو "عالی مرتبت" — نیز "مہدی متقی مقتدا"

۱۱۵۴ھ — ۱۱۵۴ھ

سید عبدالقادر کے چار بیٹے تھے۔ ۱۔ سید یُوسف شہید۔ ۲۔ سید محمد غوث۔ ۳۔ سید اصغر علی مؤلف کتاب شجرۃ الانوار۔ ۴۔ سید ابو صالح۔

ہاتف غیبم بگفتا بہرِ سال عیسوی — نامیا با نام او گو "واقفِ اسرار رفت"

عبدالقادر

۳۱۲+۱۴۲۹=۱۷۴۱ء

شیخ محمد سُلطان لاہوری قُدس سرّہٗ

شیخ محمد سُلطان المشہور بہ مرگ بینی یعنی آہو چشم مجذوبوں میں سالک اور سالکوں میں مجذوب صاحب جذب وسکر اور عشق ومحبت تھے۔ آپ قادری خاندان میں شیخ سعدی شاہ کے مُرید تھے۔ یہ شیخ عاقل کے۔ یہ مُلّا شاہ کے۔ یہ خادم علی شاہ کے۔ یہ سُلیمان شاہ کے۔ یہ خادم نُور جمال دہلوی کے۔ یہ شیخ محمد شفیع سدھوری کے۔ یہ شیخ محمد حیات کے اور یہ مرید حضرت شاہ قیص گیلانی قادری کے۔ یہ شیخ محمد سُلطان اپنے مُرشد سے فیض حاصل کرکے کمال کو پہنچے۔ آپ کے مُرشد نے آپ کی خوبصورت آنکھوں کی وجہ سے آپ کو مرگ بینی کا خطاب دیا۔

آپ ۹ شوال ۱۱۵۸ھ مطابق ۲۴ اکتوبر ۱۷۴۵ء کو فوت ہوئے۔ مزار مبارک لاہور میں ہے۔ شاہنواز خان صوبیدار لاہور نے آپ کا مزار تعمیر کیا۔ منظوم تاریخ۔

چو سلطان دنیا و دیں بادشاہ — ز دنیائے دوں شد بملکِ جناں

وصالش شدہ روشن از "نور عرش" — دگر "شیخ سلطان محمود" خواں (مرزا)

۱۱۵۸ھ — ۱۱۵۸ھ

اگر عیسوی سال پُرسی ز من — بگویم "سخن فہم شیخ" است سال

۱۷۴۵ء

شیخ محمد عظیم قادری قُدس سرّہٗ

شیخ محمد عظیم قادری، سید شاہ مقیم محکم الدین حجرہ والے پیر صاحب کی اولاد سے جامع کمالاتِ ظاہری اور باطنی تھے۔ آپ کی سکونت دریائے راوی کے پار واقع کوٹ ہنجم میں تھی۔ وہیں طالبانِ حق کو فائز المرام کرتے تھے۔

جب کابلی افغانوں کی تاخت و تاراج لاہور میں شروع ہوئی تو کوٹ بیگم کے ارد گرد کے گاؤں کے زمینداروں نے آکر عرض کیا کہ لاہور اور اس کے مضافات کے باشندے افغانوں کی غارت گری کے خوف سے اپنے مال و متاع اور متعلقین کو لے کر بھاگ رہے ہیں اس لئے ہمیں جو آپ حکم دیں اس کے مطابق عمل کیا جائے۔

جائے امان بیگم کوٹ :- فرمایا کہ جو کوئی کوٹ بیگم میں آئے گا وہ محفوظ رہے گا۔ چنانچہ لوگ اپنے مواضعات سے نکل کر اس گاؤں میں آجمع ہوئے۔ افغانوں نے لاہور اور اس کے گرد لوٹ مار مچادی مگر بیگم کوٹ کا رُخ نہ کیا۔

آپ ۱۱۸۱ھ مطابق ۱۷۶۷ء میں فوت ہوئے۔ اسی سال احمد شاہ ابدالی نے پنجاب پر آٹھواں حملہ کیا۔ لاہور کے بھنگی سردار پنجوار کی طرف بھاگ گئے۔ چونکہ ابدالی کو کوئی لائق آدمی نہ ملا جو ملک کا نظم و نسق سنبھال سکے۔ اس لئے اس نے مجبوراً لہنا سنگھ کو بلایا اور اُسے لاہور کا قبضہ دے دیا اور خود کابل کو لوٹ گیا جہاں چھ برس بعد فوت ہو گیا۔

(محمد لطیف ص ۲۷۹)

ابدالی کے بعد بھنگی سردار تیس ۳۰ برس تک اطمینان سے حکومت کرتے رہے جس میں احمد شاہ کے پوتے شاہ زمان بن تیمور شاہ کے ۱۲۱۱ھ - ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۷۹۷ء میں حملہ کرنے سے خلل پڑا۔ یہی وہ سال ہے جس میں پیر مراد شاہ نے لاہور میں قصہ چار درویش (رسالہ "غریب") بنام مراد الحسین۔ زمان شاہ کے لوٹ مار کر واپس چلے جانے کے بعد نظم کرنا شروع کیا۔ کیونکہ آپ نے اس کے جانے کی تاریخ "ناگہاں شاہ زماں رفت" نکالی ہے بات یہ ہے کہ ۱۲۱۱ھ کا آغاز ۷ جولائی ۱۷۹۶ء کو ہوا اور اختتام ۲۵ جون ۱۷۹۷ء کو۔

منظوم تاریخ رحلت شیخ موصوف

رفت چوں زیں دہر خلد بریں! مرد خدا پاک محمد عظیم
گفت بتاریخ وصالش عیاں "واصل خدا پاک محمد عظیم"

۱۱۸۱ھ

بتار حش چو ہاتف گفت نامی بنامش گفت "زرخت بار نامی"

محمد عظیم ۱۱۱۲ ۲۵۵=۱۷۶۷ء

حضرت شاہ سردار قادری قدس سرّہٗ

حضرت شاہ سردار قادری، مصاحب خان کلاں قادری کے کامل مریدوں میں رہے ہیں۔ جنہوں نے حضرت شاہ میر سجادہ نشین حضرات حجرہ سے خلافت پائی۔ شاہ سردار اپنے پیر موصوف سے خلافت پاکر کمال کو پہنچے اور علوم ظاہری و باطنی اور فقہ و حدیث و تفسیر میں یگانۂ آفاق ہوئے۔ پیروں کے حکم سے موضع باہوال میں جو اب شاہدرہ نارووال لائن پر دوسرا اسٹیشن ہے اور مڈل سکول قائم۔ سکونت اختیار کی اور علم و معرفت کا سلسلہ شروع کیا۔ جب احمد شاہ درانی نے پنجاب میں تاخت و تاراج کا سلسلہ شروع کیا تو موضع باہوال اور اس کے گرد و نواح کے دیہات کے لوگ آکر ملتمس ہوئے کہ دعا فرمائیں کہ ہم درانی کی لوٹ مار سے محفوظ رہیں۔

برکت چادر :- آپ نے اپنے دوش مبارک سے چادر اُتار کر عطا کی کہ اپنے اپنے گاؤں کے گرد اسے پھرائیں۔ چنانچہ جن جن گاؤں والوں نے آپ کے ارشاد کے مطابق عمل کیا وہ غارت گری سے محفوظ رہے۔

آپ کی وفات ۱۱۸۴ھ مطابق ۱۷۷۰ء میں واقع ہوئی۔ باغبانپورہ میں مزار زیارت گاہِ خلق ہے۔

نوٹ:- جب شاہدرہ نارووال ریلوے تیار نہیں ہوئی تھی ہم لاہور سے رتہ پیراں جاتے ہوئے باغبانپورہ سے گزرتے تھے۔ اُس وقت آنجناب کا حال نہ پڑھا تھا کہ مزار دریافت کر کے فاتحہ پڑھتے۔ تاریخ منظوم ـ

شاہ سردار آں ولی متقی! — شد چو از دنیا، جست جست راہ
گشت روشن از خرد "خورشید دیں" — سال وصل شاہ ہمچو مہرو ماہ
۱۱۸۴ھ
باز کن تحریر وصل آں جناب — سید ہادی پیشوا سردار شاہ (سرور)
۱۱۸۴ھ
ابنِ حامد سال فوت دیں پناہ — گفت باخلق و کرم سردار شاہ (ناسی)
۱۷۷۰ء

مُصاحب خان خُرد لاہوری قُدِّس سِرُّہٗ

آپ سید سردار شاہ موصوف کے کامل خلیفہ تھے۔ عالم باعمل اور زُہد و تقویٰ میں شُہرۂ آفاق تھے۔ پس بعد پیر روشن ضمیر ہدایتِ خلق میں مشغول رہے اور پانچ سو اشخاص کو حفظِ قرآن کی نعمت سے متمتع کیا۔ ۱۱۹۰ھ مطابق ۱۷۷۶ء میں فوت ہو کر موضع مذکور (باغبانپورہ) میں دفن ہوئے۔

تاریخ منظوم

رفت چوں از جہاں مُصاحب خاں — شد بفضلِ خدا مخلد مقیم
گفت تاریخ رحلتش سرور — "زندہ دل مہرباں مُصاحب خاں"
۱۱۹۰ھ

اور عیسوی تاریخ "زینتِ دستاں مُصاحب خان (۱۷۷۶ء)" سے برآمد ہوتی ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب لاہور میں ابدالی کی عطا کردہ بھنگی سرداروں کی حکومت تھی۔ اور دہلی میں خاندانِ مُغلیہ کا پندرہواں بادشاہ شاہ عالم جلال الدین حکمران تھا۔

شیخ جان محمد قادِری لاہوری قُدِّس سِرُّہٗ

آپ حضرت مُصاحب خان خرد کے خلیفہ ہیں۔ بڑے باکمال صاحب کرامت بزرگ تھے۔ مُرشد علیہ الرحمۃ کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور ہدایتِ خلق میں مشغول۔

کرامتِ عصا:- جب مُغلیہ خاندان کمزور ہو گیا اور کوئی بارعب حاکم نہ رہا۔ چوروں اور لٹیروں نے لوٹ مار شروع کر دی تو باغبانپورہ اور مُضافاتی مواضع کے زمینداروں نے ان سے استغاثہ کیا کہ بلند رہزنوں اور سارقوں سے بچاؤ کی کوئی تدبیر فرمائیں تو آپ نے اپنا خاص عصا عطا فرما کر کہا کہ اپنے اپنے گاؤں کے گرد اس سے خط کھینچ دو۔ ان شاءاللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی چور چکار داخل نہ ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

آپ ۱۲۰۶ھ مطابق ۱۷۹۲ء میں واصل حق ہوئے۔ مزار موضع باغبانپورہ مذکور میں زیارت گاہ ہے۔ منظوم تاریخ رحلت ـ

زدنیا شد چو در خلد معلیٰ — شہِ عالم ولی جان محمد
وصال "گلوز شیخ رہنما" جو — دگر فرما "غنی جان محمد" (سرور)
۱۲۰۶ھ — ۱۲۰۶ھ
تاریخ وصالش ناسی گفتا — "جان محمد خوش طلع"
۱۷۹۲ء

شیخ عبداللہ شاہ بلوچ لاہوری قادری قدس سرہٗ

شیخ موصوف 'قادری خاندان میں شیخ شرف الدین قادری پانی پتی کے مرید تھے۔ اور آپ کا سلسلہ ارادت چار واسطوں سے حضرت میاں میر لاہوری سے ملتا ہے۔ شیخ عبداللہ عابد و زاہد اور صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ مزنگ کے محلہ پیر عزیز میں سکونت تھی۔ شروع میں ساربانی پیشہ تھا۔ اس سے بہت سا مال جمع کر لیا تھا۔ جب جاذبِ حقیقی نے اپنی طرف کھینچا اور جو مال جمع تھا اس سے مزنگ کے پاس کوٹ عبداللہ آباد کیا اور شیخ شرف الدین کے مرید ہو کر تکمیل کو پہنچے۔ جب صاحبِ اجازت ہوئے تو خلقِ کثیر کو راہِ حق کی طرف رہنمائی کی۔

شُعبدہ گر کی توبہ :- ایک شخص نے عمل سے ایک جن کو مسخر کیا ہوا تھا اور اُسے حکم دے کر زمین کے نیچے چھپا کر جو چاہتا 'کہلواتا۔ مشہور ہو گیا تھا کہ یہ شخص صاحبِ کرامت ہے اور قبر میں مُردہ کو زندہ کر کے گویا کرتا ہے۔ چنانچہ اس شُعبدے سے اُس نے لاہور کے بہت سے جاہلوں کو اپنا مُرید بنا لیا تھا اور جو کوئی اپنے کسی مُردہ سے کچھ سننا چاہتا یہ اس کی قبر پر جا کر جن کی زبانی باتیں کرتا۔ آخر وہ ایک دن عبداللہ شاہ کے پاس آیا اور کہا اے فقیر تو نے بہت سی خلقت کو اپنا مرید بنا لیا ہے اور مشیخت کی دکان گرم کر رکھی ہے اگر مجھے بہت سا مال دے تو میں چپ رہوں نہیں تو تیری دکان سرد کر دوں گا اور کوئی انسان تیرے نزدیک نہ آئے گا۔ عبداللہ شاہ یہ سُن کر مسکرائے اور اپنے خادم شیخ فیض کو حکم دیا کہ اسے دس روپیہ دے کر رُخصت کر دو کیونکہ کُتے کا منہ لُقمہ سے بند کر دینا ہی اچھا ہے چنانچہ شیخ فیض نے اُسے دس روپیہ پیش کر دیے مگر اُس نے نہ لئے اور زبان درازی پر اتر آیا اور کہا کہ اگر تجھ کو فقیری کا دعویٰ ہے تو کوئی کرامت دکھا یا مجھ سے دیکھ اور مرید بن جا۔ میں سو سال کے مردے کو گویا کر سکتا ہوں اور یہ مسیحائی کرامت مجھ سے کئی بار ظاہر ہو چکی ہے۔ آخر عبداللہ اُسے لے کر گورستان میانی میں تشریف لے گئے اور ایک قبر پر نشان لگا کر کہا کہ اگر اس قبر کا مدفون اول کر

اپنا حال بتائے تو میں تیرا مرید ہو جاؤں گا۔ چنانچہ اس شُعبدہ باز نے اُس قبر پر کھڑے ہو کر کہا۔ یٰسٓ تو اندر سے آواز آئی وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْم۔ پھر عبداللہ شاہ سے کہا کہ قبر والا مُردہ زندہ ہو گیا ہے اب اس سے جو پوچھنا ہے پوچھ لے۔ وہ جواب دے گا۔ یہ سُن کر عبداللہ شاہ نے پائے مبارک زمین پر مار کر فرمایا کہ جس شخص کو اس آدمی نے زمین میں داخل کیا ہے۔ وہ باہر نکل آئے۔ اُسی وقت ایک چودہ برس کا لڑکا نکل کر سامنے آ گیا۔ آپ نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے عرض کی کہ میں کویت کے جنوں سے ایک جن ہوں اور چند برس سے اس شخص کی قید میں ہوں اور اس کے حکم سے زمین کے نیچے جا کر جو وہ کہتا ہے وہی کلام کرتا ہوں۔ عبداللہ شاہ نے فرمایا کہ میں نے اللہ کے حکم سے تجھے آزاد کیا اور اس بد عمل کا عمل بھی باطل کر دیا۔ اسی وقت وہ جن غائب ہو گیا۔ پھر عبداللہ شاہ نے اپنی زبان مبارک سے 'فرمایا۔ یٰسٓ تو سارے گورستان سے آواز آئی وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْم۔ اس کے بعد اُس شخص سے کہا کہ اب جس صاحبِ قبر سے جو چاہو اُس کا حال پوچھ لو۔ اس پر حاضرین سے نعرۂ تحسین بلند ہوا اور وہ شُعبدہ باز شرمندہ ہو کر اپنے بد عمل سے تائب ہو کر مُرید ہو گیا۔

شیخ مُراد بخش فرزند شیخ فیض بخش قریشی سے روایت ہے کہ میں لڑکپن میں عبداللہ شاہ سے قرآن پڑھتا تھا کہ لاہور کا ایک ہندو حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا کہ میں علم کیمیا کا شائق ہوں اور اس کے لئے کئی سال خرچ کئے ہیں مگر کامیاب نہیں ہوا۔ پتہ نہیں چلا کہ فی الحقیقت یہ علم ہے بھی کہ نہیں۔ اگر آپ میری تسلی فرما دیں تو عین مہربانی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا۔ ایک پیسے کا سم الفار اور گندھک لاؤ اور ایک روپیہ بھی۔ چنانچہ وہ جا کر سب چیزیں لے آیا۔ پس عبداللہ شاہ نے مجھے (مُراد شاہ) کو فرمایا کہ جس مٹی کے پیالے میں ہم کھانا کھاتے ہیں وہ لے آؤ اور تانبے کے پیسے اس میں ڈال کر سم الفار اور گندھک بھی شامل کر دو۔ اوپر کوئلے بھر کر آگ لگا دو۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ جب پیسے سُرخ ہو گئے تو آپ نے چمٹے سے باہر نکالے اور زمین پر دہرائے اور اُس ہندو سے فرمایا کہ انہیں کوٹو۔ جب سیاہ پردہ دور ہو گیا تو زرِ سُرخ نکل آیا۔ وہ شخص یہ دیکھ کر حیران رہ گیا اور اسلام کی سچائی کا معتر ہو کر

مرید بن گیا۔ شیخ عمر بخش کا بیان ہے کہ میں اُس وقت دس برس کی عمر کا تھا۔ میرے دل میں بھی کیمیا کا شوق چرایا اور جانا کہ یہ عمل تو آسان ہے۔ چنانچہ رات گھر جا کر وہی اشیاء (پیسے۔ سم الفار اور گندھک) خریدیں اور سب کچھ ایک برتن میں ڈال کر آگ دی۔ سُرخ ہونے پر ایک پیسہ نکالا تو دیکھا کہ وہ بھی بھسم اور ناکارہ ہے۔ اس پر میں بہت پشیمان ہوا اور بات چھپا رکھی۔ جب صبح آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سبق پڑھنے لگا تو آپ نے تبسم فرما کر کہا کہ رات تم نے اپنے گھر کیمیا گری کی اور ماہر ہونا چاہا۔ اِن شاءَ اللہ تعالیٰ چند سال میں تمہیں ایسی کیمیا گری سکھاؤں گا کہ اس کیمیا گری کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھو گے۔

خُلفائے عبداللہ شاہ :- آپ کے اکمل مریدوں میں سے ایک تو امام غلام محمد المشہور گاموں امام مسجد نواب وزیر خان تھے۔ دوسرے حافظ اللہ یار پشاوری۔ ان کو آپ نے ایمائے ربانی سے خود پشاور جا کر مُرید کیا جو کمال کو پہنچے۔ تیسرے شیخ فیض بخش قریشی خزینۃ الاصفیاء کے مؤلف کے پدر جدِّ مادری جو آپ کے خادمِ خاص اور مُریدِ خاص الخاص تھے اور رات دن حاضرِ خدمت رہے۔ ان کا مزار بھی روضہ عبداللہ شاہ کے متصل ہے اور تھے بھی عالمِ عامل اور فقیرِ کامل۔

مفتی غلام سرور مرحوم کے بزرگ :- آنجناب (شیخ فیض بخش) کی نسبت آبائی بھی چند درمیانی واسطے سے مفتی کمال الدین جد مؤلف سرور سے یوں ملتی ہے کہ شیخ فیض بخش بن شیخ اعظم بن شیخ مفتی محمد اکرمؒ بن مفتی محمد مکرمؒ بن شیخ محمد اکبرؒ بن مولانا مفتی کمال الدین قُریشی لاہوری۔ جب شیخ فیض بخش فوت ہوئے تو شیخ امام بخش مؤلف کے جد مادری اور اُن کے بھائی مُراد بخش زندہ تھے اور شیخ امام بخش قرآن لکھ کر معاش پیدا کرتے تھے اور ہر روز ایک جزو لکھنا معمول تھا۔ ایک مہینے میں ختم اور ہدیہ کر کے اہل و عیال کے لئے حلال روزی پیدا کرتے تھے۔ اب میرے ماموں زاد بھائی یعنی شیخ کریم بخش وَلَدْ امام بخش بن فیض بخش کے بیٹے امیر بخش اور مہر بخش لاہور میں موجود ہیں (یعنی ۱۲۸۰ھ میں) خدا تعالیٰ

سلامت رکھے۔

حضرت عبداللہ شاہ ۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۱۲ھ (جس سال پیر مراد شاہ نے اپنے دیوان خانہ واقع محلہ کھاری کھوئی گزر چوک مانگ لاہور میں کتاب مراد الحبین' قصہ چار درویش' نظم کرنا شروع کیا۔ ناتیؔ) واصل بحق ہوئے۔

آپ کا قطعہ تاریخ وفات شیخ فیض بخش نے یہ لکھا۔

چو عبداللہ شاہ مرد عجیب — شد ز دنیا بسوئے دوست قریب
جسم از دل چو سالِ تار بخش — گفت ہاتف بجوش ہوش "غریب"
۱۲۱۲ھ

رفت چوں از جہاں خلد بریں — شیخ عالی مکرم عبداللہ (از مؤلف)
رحلتش صاحب ظہور بجو! — نیز "معدنِ اعظم عبداللہ"
چو عبداللہ پیر جہاں گیر دیں — ز دنیائے دوں شد بدار القرار (ایضاً)
چو بود اختیارش بہر دو جہاں — بو صلش بجن اختیار "اختیار" (۱۲۱۲ھ)

ناتیؔ نے "شیخ عبداللہ خلد مکان" سے تاریخ مطابق ۱۷۹۷ء نکالی ہے۔

مقبرے کا پتہ :- جج عبداللطیف مرحوم تاریخ لاہور ص ۱۹۶ میں رقم طراز ہیں کہ شیخ عبداللہ بلوچ کا مقبرہ[1] مزنگ کے شمال مغربی گوشے میں واقع ہے اسے چار دیواری محیط ہے۔ موجودہ گنبد سردار خاں بلوچ نمبردار مزنگ نے ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۸۵۸ء میں تعمیر کیا

---

[1] مزنگ کی وجہ تسمیہ جج صاحب موصوف نے ص ۹۳ میں یہ بتائی ہے کہ یہاں ایک شخص پیر عزیزی افغان نے جس کے قوم کی گوت مزنگ تھی یہاں ایک محلہ آباد کیا تھا نام محلہ پیر عزیز جو بعد ازاں نام مزنگ مشہور ہوا۔ پیر عزیز کے مزار کے متعلق بتایا ہے کہ وہ خستہ حالت میں مزنگ کے جنوب میں واقع ہے۔

تھا۔ اسی نے اس کے نزدیک ایک وسیع مسجد بھی بنوائی۔ ارادہ چار بلند مینار بنانے کا تھا مگر وہ بنے تھے کہ وہ فوت ہو گیا۔ مسجد ایک نمایاں عمارت ہے اور کافی فاصلے سے اس کے مینار دکھائی دیتے ہیں۔

عبداللہ شاہ نے سرحاکمان شہر (سکھ) کے عہد میں عُروج پایا۔ انہوں نے مزنگ سے جانب مغرب ایک نیا موضع آباد کیا جو ان کے نام پر کوٹ عبداللہ شاہ مشہور ہے۔ آپ پنجابی زبان کے شاعر تھے۔ ان کے شعر لوگوں کو اب تک زبانی یاد ہیں۔ آپ تعلیم یافتہ شخص تھے۔ ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۷۹۷ء میں فوت ہوئے۔

سیّد شادی شاہ قادِری لاہوری قُدس سرّہٗ

سید شادی شاہ موصوف بے نظیر فقیر تارک الدنیا اور نمونۂ اخلاقِ محمدی تھے۔ پہلے علاقہ گجرات کے گاؤں لکھووال میں سکونت رکھتے تھے حضرت علی مخدوم گنج بخش لاہوری کے مزار پر چلہ کشی کے لئے لاہور آئے اور ایمائے باطنی سے یہیں مقیم ہو کر عبادتِ حق میں مشغول رہے اور بہت سے اہلِ لاہور ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ آخر ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰۶ء میں دارِ فانی سے ملکِ جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔

منظوم تاریخ

چو از روئے زمین مانند خورشید — نہاں شد میر شادی شاہ فردوس

بتاریخ وصال آں شہ دیں — عیاں شد "میر شادی شاہ فردوس"

(سرور) ۱۲۲۱ھ

جو ہو مطلب تم کو عیسوی سال — سنو ہاتف سے "خضرِ راہ" تاریخ

۱۸۰۶ء

شاہ سردار قادری قُدس سرّہٗ

بزرگ موصوف جان محمد قادری کے خلیفہ اور شاگرد تھے۔ بڑے بزرگ، عابد، زاہد اور متبرک۔ ریاضت و زہد و تقویٰ میں لاثانی تھے اور اپنے پیر کی وفات کے بعد طالبانِ حق کی تدریس اور تلقین میں مصروف ہوئے اور آپ سے بہت سی کرامات بے اختیار ظاہر ہوئیں۔ آپ کے والدین قوم افغان سے کابل میں سکونت رکھتے تھے۔ آپ بھی وہیں پیدا ہوئے اور پرورش پائی۔ جب جوان ہوئے تو ماں باپ نے نکاح کی تجویز کی اور دن بھی مقرر کر لئے مگر دو دن بیاہ میں باقی تھے تو آپ بے اختیار جذبِ حقیقی کے جذب سے شوق کے گھوڑے پر سوار ہو کر کابل سے نکلے۔ پشاور پہنچے اور مُرشدِ طریقت کی تلاش میں بہت سے مشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر وہاں آپ کی تسلی نہ ہوئی۔ آخر لاہور کی طرف روانہ ہوئے اور موضع باہوال پہنچ کر حضرت جان محمد قادری کی خدمت میں شرف یاب ہوئے۔ پہلے آپ نے عُلوم ظاہری حاصل کئے اور پھر طریقت کا راستہ اختیار کر کے پیر روشن ضمیر سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ بعد ازاں صدر الدین مقیم شاہی سے فیضِ کامل اور فائدۂ تام حاصل کیا اور زُہد و ریاضت میں مصروف ہو گئے۔ یہاں تک کہ ہر روز گندم پشاور شاہدرہ کی منڈی سے سر پر اُٹھا کر لاہور جا کر بیچتے اور جو کچھ نقد یا غلہ مزدوری میں ملتا۔ اس سے وہ اپنے گزارہ کے مطابق رکھ کر باقی خانقاہ کے درویشوں اور غریب طالب علموں کو دے دیتے اور کبھی آج کی کمائی کل کے لئے باقی نہ رکھتے اور اکثر اوقات شاہدرہ میں رہتے۔

ایک دفعہ سید قطب الدین بن سید صدر الدین گیلانی مقیم شاہی حجرہ سے شاہدرہ تشریف لائے اور دونوں مہرو ماہ ایک جگہ مل کر بیٹھے۔ اثنائے گفتگو میں سید قطب الدین نے فرمایا کہ اس سال عادت کے خلاف ہم خربوزے پکنے کے موسم میں شاہدرہ نہیں آئے اگر وہ موسم ہوتا تو شاہدرہ کے خربوزے کھاتے۔ یہ سن کر حضرت شاہ سردار مجلس سے اُٹھے اپنے حجرے کے اوپر جو مسجد کے دروازے پر تھا تشریف لے گئے اور وہاں سے بڑے عمدہ، خوش

رنگ، خوشبو، خوش ذائقہ دو خربوزے لکڑی کے ٹرے پر رکھ کر لے آئے۔ عرض کیا کہ اگرچہ خربوزے پکنے کا وقت نہیں ہے مگر کون سی چیز ہے جو اللہ کے فقیر کے پاس نہیں۔ یہ بات سن کر شیخ قطب الدین بہت خوش ہوئے اور دونوں خربوزوں کو اپنے ہاتھ سے چیر کر کچھ خود تناول کیا اور باقی حاضرین میں تقسیم کر دیا اور فرمایا کہ یہ بہشتی میوہ شاہ سردار کے وسیلے سے ہم نے تناول کیا۔

وفات :۔ شاہ سردار کی وفات ۱۲۲۵ھ مطابق ۱۸۱۰ء میں واقع ہوئی اور مزار بجوال میں ہے۔

منظوم تاریخ

رفت از دنیا چو در خلدِ بریں — آن شہ جن وبشر سردار شاہ (سرور)
۱۲۲۵ھ

سالِ ترحیل وصالِ آں جناب — وان ولی راہبر سردار شاہ (ناسّی)

جو تاریخ پوچھیں تو ناسیؔ کہو — کہ "سردار شاہ مطلع فیض" ہے
۱۸۱۰ء

سیّد علی شاہ قادری لاہوری قُدّس سِرّہٗ

بزرگ موصوف گیلانی سید ہیں اور آپ نے احمد آباد دکن سے ۱۲۱۷ھ میں لاہور آکر دریائے راوی کے کنارے بیلے میں قیام کیا اور اپنے لئے مختصر سی جگہ تجویز کی اور خلقت کی ہدایت میں مشغول ہو گئے۔

ایک دفعہ دریا میں اتنی طغیانی آئی کہ پانی شہر لاہور کی فصیل تک پہنچ گیا اور آپ کی خانقاہ گر گئی اور رنجیت سنگھ حاکم لاہور نے آپ کو لانے کے لئے کشتی بھیجی تاکہ آپ غرقابی کے صدمے سے محفوظ رہیں مگر آپ نے قبول نہ کیا اور فرمایا کہ خدا حافظ و ناصر ہے۔ میں نے اُس سے دعا کی ہے کہ دریا کا پانی بارشوں کے موسم کے سوا یہاں نہ آئے پس اسی طرح واقع ہوا اور دریا وہاں سے دور چلا گیا اور ادھر موسم برسات کے سوا کبھی پانی نہ آیا۔

آپ کا شجرۂ طریقت حضرت غوث الاعظم تک اِس طرح پہنچتا ہے کہ سید علی مُرید پیر غازی کے۔ یہ مُرید شاہ اعظم کے۔ یہ مُرید شاہ اکرم کے۔ یہ مُرید شاہ خلیل کے۔ یہ مُرید شاہ منا کے۔ یہ مُرید شاہ مُصطفیٰ کے۔ یہ مُرید شاہ میاں جی کے۔ یہ مُرید سیّد پیر کے۔ یہ مُرید شاہ کرم علی کے۔ یہ مُرید شاہ مسعود۔ اور یہ مُرید شیخ نور محمد کے۔ یہ مُرید شیخ احمد کے۔ یہ مُرید شیخ صوفی کے۔ یہ مُرید شیخ رحمتُ اللہ کے۔ یہ مُرید شیخ فضل اللہ کے۔ یہ مُرید سیّد عبدالوہاب کے اور یہ مُرید اپنے والدِ ماجد حضرت غوث الاعظم کے تھے۔

وفات :۔ آپ کی وفات ۱۲۲۷ھ مطابق ۱۸۱۲ء میں ہوئی۔ مزارِ مقدس حصنی چراغ شاہ میں ہے۔ جو آپ کے مرید اور سجادہ نشین تھے۔

تاریخ منظوم

رفتہ زیں دنیائے دون فانی چوں در ملکِ بہشت
حضرت سیّد علی شاہ زمان شیخ زماں

رحلتش "سید علی نور زمن مخدوم" گو (سرور)
"فضل نورانی" بداں ہم "شیخ نورانی" خواں

١٢٢٧ھ   ١٢٢٧ھ

ایضاً

زدنیا بدار البقا رخت بست   چو سید علی آں ولی متقی
بتاریخ ترحیل آں شاہِ دین   بخواں "مجمع فیض سید علی"
١٢٢٧ھ
وہ خوش خوش تھے ناؔمی! جہاں سے گئے   تو "خوش خوش" ہی تاریخ اُن کی ہے خوب
١٨١٢ء

حضرت شاہ غُلام نبی قُدِّس سِرُّہٗ

حضرت شاہ غلام نبی بن محمود بن محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہم اپنے والد ماجد کے خلیفہ ہیں۔ موسم برسات میں دریائے راوی کی طغیانی شہرِ لاہور کی فصیل تک جا پہنچی۔ کہ حضرت مخدوم علی گنج بخش ہجویری کا سالانہ عرس آ گیا۔ آپ نے اپنے مُرید عمر الدین سے کہا کہ آج ہمیں عُرس پر جانا ہے۔ اُس نے عرض کیا کہ پانی اس قدر چڑھا ہوا ہے کہ کشتی بھی نہیں چل سکتی۔ فرمایا۔ ان اللہ معنا۔ اللہ بے شک ہمارے ساتھ ہے۔ پس آپ نے موضع کوٹ بیگم سے دریا میں قدم ڈال دیا اور عمر دین سے کہا کہ میرے قدم بقدم چلے آؤ اور کچھ اندیشہ نہ کرو۔ آج پانی ہمارے ٹخنوں تک ہے۔ چنانچہ اُس صادقُ الیقین نے آپ کی تقلید کی اور پانی زانو سے نیچے رہا اور دریا عبور کر کے حضرت داتا گنج بخش کے مزار پر پہنچ گئے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ ابدال آب و آتش سے بسلامت گزر جاتے ہیں۔

وفات:- حضرت شاہ غلام نبی کی ١٩ محرم ١٢٤٧ھ مطابق ٣٠ جون ١٨٣١ء کو ہوئی۔

مزار غالباً بیگم کوٹ میں ہو گا۔

منظوم تاریخ

رفت زیں دیر چوں خلد بریں   حاکم دین شاہ غلام نبی (سرور)
گفت بتاریخ وصالش خرد   "طالب اللہ و غلام نبی"
١٢٤٧ھ
اُن کی تاریخ فوت اے ناؔمی   "خاتم معرفت" کرو تحریر (ناؔمی)
١٨٣١ء

سیّد قُطبُ الدین قُدِّس سِرُّہٗ

آپ بخطاب قُطبُ الانام مشہور سید صدر الدین کے فرزندِ دلبند ہیں۔ صاحبِ علم و حلم، جود و سخا اور اپنے وقت کے قُطب اور شہنشاہِ ولایت تھے۔ آپ میں بے پناہ جذب و استغراق تھا۔ آپ کی نظر میں دنیا اور اہلِ دنیا کی کوئی قدر نہ تھی۔

جدِ بزرگوار کے جانشین:- ایک دفعہ آپ کے جدِ بزرگوار سید عبد الرزاق بیمار ہو گئے۔ جب مرض شدت اختیار کر گیا تو آپ کے والد سید صدر الدین نے منت مانی کہ میں اپنے پدرِ بزرگوار کی صحت یابی کے لئے اپنے بیٹے قُطبُ الدین کو تصدّق کر دوں گا۔ ابھی آپ نے بات پوری نہ کہی تھی کہ قُطبُ الدین جن کی عمر اُس وقت چودہ برس کی تھی۔ اپنی جگہ سے اُٹھے اور جدِ بزرگوار کے گرد سات بار طواف کیا اور دادا صاحب کی دستار کو چارپائی سے اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ صدر الدین نے جب بیٹے کی یہ حرکت دیکھی تو پشیمان ہوئے مگر اپنے والد ماجد کی برہمی مزاج سے ڈر کر چپ رہے۔ سید عبد الرزاق نے فرمایا کہ اے صدر الدین پشیمان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ خدا نے تیری نذر قبول کی اور وہ طواف کر کے تصدق ہو

گیا۔ اس کے سر پر دستار رکھنے سے اشارہ یہ ہے کہ وہ کسی اور کے توسل کے بغیر میرا جانشین ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا اور بعد فوت سید صدر الدین ہی سجادہ نشین ہوئے باوجودیکہ سردار علی والد سید مدد علی موجود تھے۔ سید نعمت علی اور ان کی ہمشیرہ کی مرنے ان کی سجادگی پر اظہار رضامندی کیا۔

کرامت عطائے فرزند :- محمد شاہ اور احمد شاہ قریشی آپ کے مرید جھنگ سیالاں میں رہتے تھے۔ اُن کی ہمشیرہ لاولد تھی۔ حُصولِ اولاد کے لئے کوشش کی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔

ایک دفعہ اتفاقاً سید قطب الدین جھنگ تشریف لے گئے تو اُس خاتون نے آکر آپ کے قدم پکڑ لئے اور کہا میں انہیں نہیں چھوڑوں گی۔ جب تک آپ بشارتِ فرزند نہ دیں گے آپ نے کچھ تامل کے بعد فرمایا کہ تیری قسمت میں فرزند نہیں لکھا مگر ہمارے ہاں ایک فرزند کا ہونا مقدر ہے۔ ہم نے وہ فرزند تجھے دے دیا۔ یہ مُژدہ سن کر اُس نے قدموں سے ہاتھ اٹھالیا۔ چنانچہ نو مہینے بعد اُس ہمشیرہ محمد شاہ اور احمد شاہ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ جس کا نام بہادر شاہ رکھا گیا۔

تاریخِ ولادت اور وفات :- حضرت قطب الدین ۱۱۸۰ھ میں پیدا اور ۶ جمادی الاُخریٰ ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۱۸۳۴ء کو فوت ہوئے۔

منظوم تاریخ

قطب الاقطاب آں شہ قطب الانام — میر قطب الدین ولیٔ متقی
بہر ہر بخشش ز چرخ چار میں — طرفہ خورشید ہنی شد منجلی
رحلتش "مخدوم نعمت" کن رقم — نیز "قطب الافضلین کامل ولی"
۱۲۵۰ھ — ۱۲۵۰ھ
"میر حق ہیں زبدہ اخیار" گو — سرور لباب از وصالش آگہی
۱۲۵۰

نامیا سال عیسوی "سر دفتر فیض" کن رقم
۱۸۳۴ء

نوٹ :- آپ کو بعد وفات ہیم کوٹ (متصل لاہور) دفن کیا گیا۔ مگر پھر سید مدد علی شاہ مبارک نعش نکال کر بمقام حجرہ لے گئے اور وہاں دفن کیا۔

حضرت شیخ فضل نور نوری رحمتہ اللہ علیہ

(مؤذن جامع مسجد دربار حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ)

یہ بزرگ حضرت سید جلال شاہ صاحب گیلانی کے خلیفۂ اعظم و جانشین تھے۔

آپ کے والد ماجد کا نام لال بیگ اور والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ تھا۔ ہوتی مردان کے قریب موضع بعدادہ میں تولد ہوئے جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کے چہرے پر فضل کے آثار نمایاں دیکھ کر آپ کا اسم مبارک فضل نُور رکھا گیا۔ آپ کو بچپن ہی میں فطرتاً نیک کاموں سے محبت تھی اور والدین کے بڑے خدمت گزار تھے۔ جب آپ جوان ہوئے تو فوج میں بھرتی ہو کر ملک برما میں چلے گئے۔ سات سال تک ملازمت کی پھر راہِ حق کا شوق ہوا تو نوکری چھوڑ کر پیروں بزرگوں کی تلاش میں بہت سیر و سفر کئے۔ آخر کار دربار عالیہ حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ پر حاضر ہوئے۔ حضرت میاں غلام حسن صاحب سجادہ نشین داتا صاحب کی وساطت سے حضرت سید شاہ جلال گیلانی کی بیعت سے سرفراز ہوئے۔ پھر بحکم پیر روشن ضمیر دربار شریف کی خدمت اور جامع مسجد کی اذان دینے پر مقرر ہوئے۔ کنویں سے پانی نکال کر نمازیوں کو وضو کراتے۔ زائرین اور خادموں کی خدمت نہایت اخلاص سے کرتے تھے۔ ہر نماز کے بعد روضہ مبارک کی زیارت کر کے پھر کوئی دوسرا کام کرتے۔ خزانہ سرکار داتا

صاحب کے کلید بردار بھی آپ ہی تھے۔ جوانی کی عمر میں حاضرِ دربار ہوئے اور پچاس ساٹھ سال تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ آپ آخری زمانہ میں متقدمین بزرگوں کے اوصاف کا مجسم نمونہ تھے۔ اِس زمانہ میں آپ سا عاشقِ صادق عارف کامل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تابعدار کم ملتا ہے۔ تمام عمر آپ کی عبادت وریاضت اور ترک و تجرید میں گزر گئی۔ ورع تقویٰ مجاہدہ میں آپ نے کمال حاصل کیا۔ تواضع عاجزی انکساری مسکینی آپ پر ختم تھی۔ ترک جاہ و حشم میں لاثانی تھے۔

آپ جیسا زاہد عابد متوکل باللہ صاحب اخلاص دیکھا ہی نہیں۔ تمام عمر درویشی کی حالت میں گزار دی اور دنیا میں رہنے کے لئے کہیں گھر نہیں بنایا۔ خلوت نشینی تنہائی کو پسند فرماتے تھے۔

کرامت :- غلام جیلانی ولد شیخ محمد صدیق اور غلام صمدانی ولد شیخ محمد امین لاہوری دو بھائی ہیں۔ جن میں سے غلام صمدانی کثیر الاولاد ہے اور غلام جیلانی کے ہاں لڑکیوں کے علاوہ اولادِ نرینہ نہیں تھی۔ اِس بات سے وہ ہر وقت بہت بے چین رہتے۔ سینکڑوں بزرگوں کے پاس حصولِ مقصد کے لئے گئے اور بہت مزاروں پر منتیں مانیں لیکن امید بر نہ آئی۔ آخر انہوں نے مؤلف سے اپنی مشکل بیان کی تو میں نے اُن کو کہا کہ تم حضور پُر نور حضرت بابا صاحب سے کیوں عرض نہیں کرتے۔ آج تمام زمانے میں آپ سا کوئی درویش عارف خدا پرست عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نظر نہیں آتا۔ انہوں نے آپ سے بڑی عاجزی اور کمال انکساری سے عرض کی تو آپ نے ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فرزند عطا فرمایا جس کا نام انہوں نے غلام محی الدین رکھا اور اس کی خوشی سے حضور کے حسب الارشاد آپ کے مُرشدِ کامل حضرت سید جلال شاہ گیلانی قادری نوری اور ان کے بزرگان آباؤ اجداد حضرت سید عبدالوہاب ثانی اور حضرت سید صالح محمد گیلانی۔ حضرت سید محمد ظریف شاہ۔ حضرت سید عبدالواسع۔ حضرت سید علیہم اللہ کے مزارات پر ایک بڑا عالی

شان اور خوشنما گنبد بنوایا ہے۔ جو اب ۱۳۵۱ھ میں ۶۰۰۰ روپیہ کی لاگت سے تیار ہوا ہے۔ قابلِ دید عمارت ہے۔

مناقب

تعالے اللہ چہ شانِ فضل نوراست
بہر جا داستانِ فضل نوراست

کلید گنج اسرارِ الٰہی!
لب گوہر فشانِ فضل نوراست

گلِ توحید حق را نغمہ پرواز
ہزاراں بلبلانِ فضل نوراست

زاوجِ آسمان و عرش و کرسی
فزوں تر قصر شانِ فضل نوراست

عرب پروانۂ شمع صفاتش
عجم مدح خوانِ فضل نوراست

متاعِ عشق و مستی ہمچو منصور
سراسر وردِ کانِ فضل نوراست

کند فضلِ الٰہی باغبانی
عجب تر بوستانِ فضل نوراست

حسین و ہم حسن عالی جنابے
بہار بوستانِ فضل نوراست

جناب حضرت معصوم شاہے
غلام آستانِ فضل نوراست

بہ لاہور احمد بیچارہ مسکین
ہمیشہ مدح خوانِ فضل نوراست

قطعہ

شیخ فضل انور پیر خوش جمال
مظہر نور خدا مرد کمال!
معدنِ عرفان بحر عشق حق
از شاہ معصوم عبد ذوالجلال

آں جناب شیخ فضل انور آں فضلِ خدا
ہادیٔ راہِ ہدیٰ صدرِ اعلیٰ نُورُ الہدا

آنکہ ہست او خاک بوسِ آستانِ گنج بخش
بندہ سید جلال و مدح خوانِ گنج بخش

عاشقِ حق حلقہ در گوش غلامِ گنج بخش
جانفشان و بیخود و سرمست جامِ گنج بخش

مُرشدِ کامل شہ اقلیم تسلیم و رضا
یا الٰہی از طفیلش حاجتِ من کن روا

(نقل مطابق اصل)

وصال :- بروز جمعرات آپ کا وصال ہوا۔ اس روز سے پیشتر پانچ یوم بارش ہوتی رہی اور جمعہ کے روز آپ کو سید محمد معصوم شاہ صاحب نے غسل دیا۔ جو آپ کے مریدوں میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے سجادہ نشین اور درویش شامل تھے۔ آپ کے جنازے پر بہت بڑا ہجوم تھا۔ نماز جنازہ حضرت سید محمد معصوم شاہ صاحب نے پڑھائی۔ آپ کے جنازہ کو دربارِ معلی گیلانیہ کے گرد طواف کرا کر دروازے کے آگے رکھا آنا فانا بادل کی گھٹا چھائی اور رحمت کی بوندیں برسنے لگیں۔ جب آپ کو قبر مبارک میں رکھا تو جمعہ مبارک کی اذان ہوئی۔ جب دفن کر چکے تو خوب زور کی بارش رات دن ہوئی۔

تاریخ وصال

شیخ فضل انور آں پیر کامل
مُرشدِ کامل غلامِ گنج بخش
روز پنجشنبہ اور رفتہ از جہاں
چوں دنیا شد وصال آنحضور

شمع بزم حضرت سید جلال
بہرہ ور از فیض عامِ گنج بخش
بست ویک ذیقعد وقت ظہراں
سال وصلش آید صوفی فضل نور

۱۳۵۲ھ

(نقل مطابق اصل)

شیخ المشائخ حضرت ابوالحسن پیر سید محمد معصوم شاہ گیلانی قادری نوری

از : زاہد حسین انجم

حضرت کی ولادت باسعادت ۱۹۰۰ء میں سید فضل شاہ کے گھر ان کے آبائی گاؤں سادہ چک شریف (تحصیل و ضلع گجرات) میں ہوئی۔ سادہ چک شریف گجرات شہر سے تین میل جانب مشرق اینٹوں کی پختہ سڑک کے ذریعے ملا ہوا ہے۔ مزار تک جانے کے لئے گجرات شہر سے تانگے جاتے ہیں۔ سادہ چک اس اعتبار سے بھی تاریخی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہاں حضرت کے مُرشد کے علاوہ آپ کے خاندان کی چھ سات برگزیدہ ہستیاں جن میں سید میراں عبدالوہاب (حضرت کے جد امجد) سید صالح محمد۔ سید علیم اللہ شاہ۔ سید جلال شاہ۔ سید عبدالواسع اور شیخ فضل نور نوری محو استراحت ہیں۔

حضرت کا شجرہ نسب حضرت سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی سے ملتا ہے۔ حضرت پیدائش سے تھوڑا عرصہ بعد والد ماجد کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گئے۔ اس ناگہانی صدمہ کے تین ساڑھے تین سال بعد والدہ ماجدہ بھی جہانِ فانی سے کوچ فرما گئیں۔ حضرت کی والدہ بڑی عابدہ اور زاہدہ خاتون تھیں۔ چنانچہ وصال سے پہلے ہی انہیں یہ علم ہو گیا کہ اب وہ جلد ہی اپنے رب العزت سے ملنے والی ہیں۔ اس لئے انہوں نے حضرت کی تایا زاد بہن جو ان دنوں موضع مہانوالہ ضلع سیالکوٹ میں مقیم تھیں۔ وصیت فرمائی کہ میرے لعل کی میرے بعد حفاظت پرورش کرنا۔ یہ تمہارے باپ اور چچا کی نشانی ہے۔ جوان ہو کر یہ تمہارے خاندان کا نام روشن کرے گا اور ولی کامل کے عظیم رتبہ تک پہنچے گا۔ چنانچہ آپ کی تایا زاد بہن نے اپنی چچی کے ان الفاظ کو نبھانے کے لئے مقدور بھر کوشش کی اور اپنے عظیم بھائی کو دینی تعلیم سے روشناس کرانے کے لئے اُس وقت کے جید عالم مفتی امام الدین کے پاس بھیج دیا۔ مفتی صاحب چونکہ حضرت کے بزرگوں سے پہلے ہی بڑی عقیدت رکھتے تھے اس لئے انہوں نے انتہائی مشقت سے اپنے ہونہار شاگرد کو قرآن پاک باترجمہ پڑھایا۔ علاوہ

ازیں مروجہ علوم مثلاً لولہ وغیرہ بھی پڑھائے۔ وہاں سے فارغ ہونے کے بعد حضرت نے مُرشد کی تلاش شروع کر دی اور روحانی مراکز کی زیارت کے بعد حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے موذن حضرت شیخ فضل نور نوری کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور مُرشد کی خدمت میں رہ کر سلوک کے تمام منازل طے کئے جلد ہی مُرشد نے دستارِ فضیلت سے نوازا اور کشف المحجوب کی ایک جلد مرحمت فرمائی۔ اس کے ساتھ ہی حضرت کو کتاب ہذا کا درس دینے کی بھی تلقین فرمائی۔ مُرشد کے حکم کے مطابق حضرت ہفتہ میں دوبار دربار حضرت داتا گنج بخش میں انتہائی سادہ پیرائے میں کشف المحجوب کا درس دیتے جس سے سینکڑوں عقیدت مندوں کے دل روحانیت سے لبریز ہو گئے۔ سجادہ نشین دربار عالیہ تو آپ کی روحانیت کے اس حد تک قائل ہو گئے کہ اپنا حجرہ تک حضرت کے لاہور میں قیام کے لئے وقف کر دیا۔

بچپن ہی سے آپ بڑے خاموش طبع تھے۔ کھیل کود' ناچ گانوں' قوالی اور موسیقی سے سخت نفرت تھی۔

مریدوں اور معتقدین کا کہنا ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں حضرت کو خلافِ شرع کام کرتے نہیں دیکھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ سب کو نماز کی ادائیگی کے لئے سختی سے تلقین فرماتے اور بے نمازی سے میل جول پسند نہ کرتے۔

دیگر اولیائے کرام کی طرح حضرت کو بھی دینی تبلیغ کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ اس شوق کی تکمیل کے لئے حضرت نے چنڈی بھٹیاں' گجرات اور لاہور میں ۲۵ مساجد اور تین عید گاہیں تعمیر کرائیں۔ ان میں نوری مسجد نزد لاہور ریلوے سٹیشن خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اس کا نقشہ مسجد نبوی سے مشابہہ ہے اور اس کا گنبد دور ہی سے ہر آنے جانے والے کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ حضرت نے نوری مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں بہت سی صعوبتیں برداشت کیں۔ مگر اس کے باوجود پائے استقلال میں لغزش نہ آنے پائی۔ اس مسجد میں بچوں کو کلام اللہ کی تعلیم مفت دی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں مریضوں کے علاج کے لئے ایک طبی مرکز بھی قائم کیا گیا ہے۔ جہاں تمام طبی سہولتیں بلاامتیاز مفت فراہم کی جاتی ہیں۔

تبلیغِ دین کے علاوہ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ امام اہلسنّت وجماعت اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی' شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور مفتی احمد یار خاں گجراتی کی کتابوں کی از سرِ نو اشاعت تھا۔ اس ضمن میں حضرت نے ۱۹۴۳ء میں نوری کتب خانہ کے نام سے اپنا مکتبہ بھی قائم کیا۔ جسے حضرت کے فرزند سید محمد حسین شاہ صاحب بہ طریق احسن چلا رہے ہیں۔ اس مکتبہ سے شائع شدہ کتابوں کے مطالعہ سے سینکڑوں فرزندانِ توحید کے سینے روشن ہوئے ہیں۔

حضرت جہاں ایک بلند پایہ عالم دین' ولی اللہ' سچے عاشقِ رسول اور روحانیت کا سرچشمہ تھے۔ وہاں ایک زبردست مصنف بھی تھے۔ آپ کی تصانیف میں مواعظ القرآن و الحدیث (تین جلدوں میں) ارشاداتِ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ۔ ہجری روٹی منظوم (پنجابی) گلدستۂ ہدایت' گلدستۂ شریعت منظوم (پنجاب) ہدایت نامہ بے نمازاں' معصوم ہدایت وخطبۂ نوری نوری وہاں شامل ہیں۔

یوں تو حضرت سے بہت سی کرامات منسوب ہیں جنہیں طوالت کے خوف سے یہاں درج نہیں کیا جا رہا۔ البتہ قارئین کی دلچسپی کے لئے ایک چھوٹا سا واقعہ پیش خدمت ہے۔ جو حضرت کے کامل ہونے کا بین ثبوت ہے۔ حضرت کے خلیفہ جناب رؤف احمد نوشاہی سے ایک واقعہ منقول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت کا ایک مُرید ڈھاکہ میں ملازم تھا اس کا لڑکا اور بیوی لاہور میں مقیم تھے۔ ایک روز اتفاق سے لڑکا کسی ناگہانی مصیبت کی وجہ سے سخت پریشان ہوا اسی عالم میں اُسے خیال آیا کہ کیوں نہ میں اس مُشکل گھڑی میں یہیں سے اپنے اباجی کو آواز دوں اگر ان کا مُرشد کامل ہوا تو وہ میری آواز ضرور سن لیں گے۔ چنانچہ لڑکے نے باآوازِ بلند اپنے والد کو اباجی کہہ کر پکارا ڈھاکہ میں اسی لمحہ یہ آواز اس کے والد نے اس انداز میں سنی جیسے کسی نے بذریعہ ٹیلی فون اسے مطلع کیا ہو وہ اپنے لڑکے کی آواز سنتے ہی سمجھ گیا کہ میرا لڑکا ضرور کسی نہ کسی مشکل میں پھنسا ہوا ہے۔ اسی لئے اس نے مجھے پکارا ہے۔ چنانچہ وہ ایک ہفتہ کی رخصت لے کر فوراً لاہور آ گیا۔ اس کے کسی عزیز اور رشتہ دار کو اس کی

آمد کا پیشگی علم نہ تھا۔ چونکہ اس کی آمد غیر متوقع تھی۔ اس لئے سب نے بغیر اطلاع لاہور آنے کا سبب پوچھا تو اس نے تمام ماجرا کہہ سنایا۔ یہ سن کر وہاں موجود لوگوں نے حضرت کے ولی باکرامت ہونے کا اعتراف کیا۔

آپ کو دو بار حج بیت اللہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ بالآخر متشرع درویش ۲۹ شوال ۱۳۸۸ھ ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب پونے سات بجے مطابق ۱۸ جنوری ۱۹۶۹ء معصوم منزل نوری مسجد اسلام گنج عقب داتا دربار واصل الی اللہ ہوئے۔ لاہور میں نماز جنازہ اتوار کو نماز فجر کے بعد ۶ بجے صبح ادا کی گئی۔ یہ فریضہ مولانا محمد سعید احمد نے انجام دیا۔ اس کے بعد آپ کی وصیت کے مطابق میت کو گجرات لے جایا گیا۔ جہاں ہزاروں کی تعداد میں اس مرد قلندر کا آخری دیدار کرنے کے لئے لوگ جمع ہو گئے۔ دوسری نماز جنازہ مفتی احمد یار خان نے پڑھائی۔ تیسری نماز جنازہ حضرت کے آبائی گاؤں چک ساده شریف میں حضرت کے استاد فرزند میاں رحمت اللہ نے پڑھائی اور جسد مبارک کو مرشد کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

حضرت کے خلفاء میں سید محمد حسین شاہ صاحب گیلانی (فرزند اکبر) سید محمد حسن شاہ صاحب گیلانی (فرزند اصغر) سید نواب شاہ صاحب' سید علی شاہ صاحب اور صاحبزادہ رؤف احمد نوشاہی شامل ہیں۔

لاہور میں
سلسلۂ نقشبندیہ کے بزرگ
شیخ طاہر بندگی مجددی لاہوری قدس سرہٗ

شیخ موصوف لاہور کے باشندے تھے۔ وہ شہر لاہور کے اندر محلہ شیخ اسحاق میں رہتے تھے جہاں اب موتی بازار اور چونا منڈی اور جمعدار خوشحال سنگھ کی حویلی ہے۔ آپ بڑے پایہ کے عالم تھے۔ بے شمار لوگوں کو آپ کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔ تذکرہ مجددیہ کی تحریر کے مطابق آپ شیخ احمد سرہندی کے مرید تھے۔ گزارہ حدیث و تفسیر قرآن نقل کرنے پر تھا اور تمام وقت شاگردوں کو دینی تعلیم دینے میں صرف فرماتے تھے۔

آپ ۵ محرم ۱۰۴۰ھ مطابق ۶ اگست ۱۶۳۰ء جمعرات کے دن فوت ہوئے۔ مزار میانی صاحب میں مشہور ہے۔

این چنار بسال فوت نوشت   "نکتہ گنج بلیغ" و نیک سرشت
۱۶۳۰ء   ۱۰۴۰ھ

نمونۂ مکتوب شیخ طاہر:- تاریخ لاہور انگریزی میں جج محمد لطیف مرحوم نے تذکرۂ مجددیہ سے ان کا ایک فارسی مکتوب بطور نمونہ درج کیا ہے۔ میں اس کا اُردو ترجمہ لکھتا ہوں۔

حضرت من (مجدد الف ثانی) سلامت

احقر الذمت محمد طاہر عرض کرتا ہے کہ میں جب آستانہ عالیہ سے لاہور متوجہ ہوا تو ہر قدم پر اپنے آپ میں کہتا تھا کہ اے نادان اپنے مقصود کو چھوڑ کر کہاں جا رہا ہے۔ مگر غیب سے ندا آتی تھی کہ چلا چل۔ الغرض کشاں کشاں اس شہر تک پہنچایا گیا اور مسجد کے ایک

گوشے میں حیران بیٹھا۔ ناگاہ حضرت خواجہ نقشبند کی روح پر فتوح ظاہر ہوئی اور باعث ہوئی۔ (اس امر کی) کہ جس کام کے لئے تجھے مامور کیا گیا اس میں مشغول ہو۔ اس لئے بموجب ان کے اور آپ کے حکم کے چند آدمیوں کو مشغول کیا۔ اب مجلس گرم ہے اور عالی شان مشائخ فوج در فوج تشریف لاتے ہیں اور بڑی مہربانی فرماتے ہیں۔ خصوصاً حضرت خواجہ بزرگ یعنی خواجہ نقشبند کی روح اور غوث الاعظم اور حضرت خواجہ فرید گنج شکر حلقہ ذکر اور نماز میں تشریف فرما ہوتے ہیں۔

خواجہ خاوند المشہور بحضرت ایشاں قدس سرہٗ

خواجہ موصوف ولی مادر زاد اور قطب الارشاد' صاحب حال و قال' جامع کمالِ ظاہری و باطنی' مظہر جمالِ صوری و باطنی تھے۔ طریقہ عالیۂ نقشبندیہ میں آپ کا مرتبہ عالی اور درجہ مُعلّٰی تھا۔

آپ کا نسب شریف والد کی طرف سے خواجہ علاء الدین عطار سے ملتا ہے جو شاہ بہاء الدین نقشبند کے خلیفہ تھے۔ آپ کے والد ماجد کا نام میر سید شریف بن خواجہ ضیا بن خواجہ میر محمد بن تاج الدین حسین بن خواجہ علاؤ الدین عطار ہے اور یہ خوارزم کے سادات عظام سے تھے۔ ان کا نسب پاک ایک طرف سے حضرت آقا سے اور دوسری جانب سے شیخ فرید الدین عطار سے ملتا ہے۔

خواجہ خاوند محمود اگرچہ بظاہر مرید خواجہ ابو اسحاق سفید نقشبندی کے تھے مگر علاوہ ازیں خواجہ شاہ بہاء الدین نقشبند سے نسبت اویسیہ رکھتے تھے۔ چنانچہ محمد معین الدین کتاب رضوانی میں فرماتے ہیں کہ حضرت ایشاں کو خواجہ بہاء الدین سے جو نسبت ہے وہ اویسی ہے جو اول امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے خواجہ حسن بصری کو ہوئی۔ ان سے خواجہ

حبیب عجمی کو۔ ان سے داؤد طائی کو۔ ان سے معروف کرخی کو۔ ان سے سری سقطی کو۔ ان سے جنید بغدادی کو۔ ان سے ابو علی رودباری کو۔ ان سے ابو علی کاتب کو۔ ان سے ابو عثمان مغربی کو۔ ان سے شیخ ابو القاسم گرگانی کو۔ ان سے ابو علی فارمدی کو۔ ان سے خواجہ یوسف ہمدانی کو۔ ان سے خواجہ عبد الخالق غجدوانی کو۔ ان سے خواجہ بہاء الدین نقشبند کو اور ان سے خواجہ خاوند محمود رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کو پہنچی۔

منکر اولیاء اللہ کو سزا :- حضرت ایشاں کو ۲۰ سال کے سن میں ذوق و شوق الٰہی دامن گیر ہوا۔ بخارا سے وخش آئے ایک دن باقی بیگ حاکم وخش کی مجلس میں جانا ہوا۔ وہ سخت مزاج تھا۔ اس نے خواجہ کو دیکھ کر کہا کہ یہ لوگ جو خواجہ زادہ کہلاتے ہیں فی الحقیقت خلقت کو گمراہ کرتے ہیں۔ ناک کان کاٹ کر ان کی تشہیر کرنا چاہیے۔ میں باقی بیگ نہیں اگر یہ کام نہ کروں۔ یہ بات سن کر حضرت ایشاں نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ ایک دن تیرے ناک کان کاٹے جائیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک سبب پیدا کر دیا اور وہ یہ کہ عبد اللہ خاں شاہ بخارا کا میر شکار اپنے شکاری جانور لے کر وخش آیا۔ اس سے کوئی خطا ہوئی (جو معلوم نہ ہو سکی۔ ناقل) باقی بیگ نے اسے پٹوایا اور وخش سے نکال دیا۔ اس نے بادشاہ کے خاص باز کو راہ میں مار ڈالا اور بادشاہ (عبد اللہ خان) کے پاس فریاد کرتا ہوا پہنچا کہ باقی بیگ نے ناحق مجھے پٹوایا ہے اور غصے سے بادشاہی باز کو بھی مار ڈالا ہے۔ بادشاہ نے دو سپاہی بھیج کر باقی بیگ کو پکڑ بلایا اور حکم دیا کہ اس کے دونوں کان ناک سمیت کاٹ دیئے جائیں۔ چنانچہ وہ قطع کر دیئے گئے اور یہ منکر اولیاء اپنی سزا کو پہنچا۔

سیاحت :- جب عبد اللہ خان شاہ بخارا اور اس کا بیٹا عبد المومن خان فوت ہو گئے اور ہمایوں بادشاہ ہوا۔ تو حضرت ایشاں اشارہ غیبی سے بخارا سے کابل آئے۔ یہاں کچھ عرصہ مقیم رہ کر کشمیر پہنچے اور جمیل خاں حاکم کشمیر کے ہاں منزل گزین ہوئے۔ یہاں صدہا آدمیوں نے حاضر ہو کر بیعت کی۔ آپ بڑا عرصہ یہاں تشریف فرما رہے۔ چنانچہ آپ کی اولاد اور مرید ہزاروں کی تعداد میں کشمیر میں پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ آپ کی اولاد سے ہی ایک شخص خواجہ

احمد نام نے آپ کی لاہور میں رحلت کے دو سو اٹھارہ سال بعد ۱۲۷۰ھ میں لاہور آکر آپ (حضرت ایشاں) کے روضہ پر حاضر ہو کر فاتحہ پڑھی اور اپنی طرف سے فضل الدین صحاف کو متولی مقرر کر کے کشمیر واپس چلے گئے۔ (خیر یہ بات بطور جملہ معترضہ مفتی غلام سرور نے بیان کر دی ہے) الغرض حضرت ایشاں کشمیر سے ہندوستان آئے۔ لاہور' دہلی اور اکبر آباد وغیرہ میں قیام فرمایا اور جلال الدین اکبر' جہانگیر اور شاہجہان بادشاہ آپ کو بڑے احترام سے ملے حتیٰ کہ شاہی بیگمات اور مستورات آپ سے پردہ نہ کرتی تھیں۔

کرامت باراں :- ایک دفعہ حضرت ایشاں کشمیر سے روستاق کی طرف تشریف لے گئے۔ گرمی کا موسم تھا اور ماہِ رمضان' ہمراہیوں کو بڑی تکلیف ہوئی۔ پیاس سے جان لبوں پر آگئی۔ چلنے کی طاقت نہ رہی۔ آخر آپ سے التجا کی کہ بارش کے لئے دعا فرمائیں۔ آپ نے منہ آسمان کی طرف کر کے ہونٹوں کو حرکت دی۔ اُسی وقت بادل نمودار ہوا۔ تقاطر شروع ہوا۔ ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ سورج ڈوبنے تک ابر محیط آسمان رہا۔ حتیٰ کہ آپ کے ساتھی منزل پر بہ آرام پہنچ گئے۔

اسی طرح آپ کی کرامت سے' جبکہ آپ کشمیر میں حاجی باندی کے گھر مہمان تھے۔ موسلادھار بارش اس وقت ہوئی جبکہ امساکِ باراں کی وجہ سے وہاں قحط سے لوگ تنگ تھے۔ اس سے لوگوں کی تنگ حالی رفع ہو گئی۔

شرف بیگ کی موت وحیات :- ایک شخص شرف بیگ برادر جمیل بیگ کابل گیا۔ حضرت ایشاں نے اُسے ایک کام بتایا مگر اس نے پرواہ نہ کی۔ اس سے خواجہ صاحب کی طبیعت ملول ہوئی اور اس ملال کی وجہ سے شرف بیگ تپ میں مبتلا ہو گیا۔ بیماری نے تین مہینے تک پیچھا نہ چھوڑا۔ آخر عوض بیگ اپنے اس بیمار بھائی کو لے کر حضرت ایشاں کی خدمت میں آیا اور اسے آپ کے پاؤں میں ڈال دیا اور دعائے صحت کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے تکبیر کہی اور فرمایا کہ اگر خدا نے چاہا تو شفا ہو جائے گی۔ حاضرینِ مجلس نے سمجھا کہ خواجہ صاحب نے صحت کے لئے دعا نہیں فرمائی۔ چونکہ اس کا گھر حضرت خواجہ کی خانقاہ

کے متصل تھا تو رات کو شرف بیگ کے گھر سے ماتم اور واویلا کا شور اٹھا اور خبر آئی کہ وہ مر گیا ہے۔ اسی اثنا میں عوض بیگ حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے زمین پر گر گیا اور بڑی آہ وزاری سے کہا کہ خواجہ بہاء الدین نقشبند مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ میں بھی امیدوار ہوں کہ میرا بھائی زندہ ہو جائے گا۔ خواجہ نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا کہ گھر جا کر دیکھو کہ شاید شرف بیگ زندہ ہو۔ یہ بات ہو رہی تھی کہ شرف بیگ کے گھر سے واویلا کی آواز بند ہو گئی اور خبر آئی کہ اس نے آنکھیں کھول دیں اور زندہ ہو گیا اس کے بعد ایک دو دن میں وہ بالکل شفایاب ہو گیا۔

ملا صالح کا خاتمہ بالخیر :- کتاب رضوانی کے مؤلف رقم طراز ہیں کہ حضرت خواجہ عید کے دن نماز پڑھنے تشریف لے گئے کہ دس گھڑی دن تک حاکم کے انتظار میں رہے۔ اسی اثنا میں گفتگو ہوئی کہ نمازِ عید کا آخری وقت کب تک ہے۔ خواجہ نے فرمایا کہ زوال تک۔ ملا صالح لاہوری جو بڑے عالم بلقب ابر مشہور تھے۔ اس بات پر بگڑے اور بے ادبانہ باتیں زبان سے نکالیں۔ حضرت ایشاں نے فرمایا کہ اے ابر تم اپنی زندگی کے سورج کو ممات کے ابر کے نیچے آجانے سے نہیں ڈرتے؟ چنانچہ جب ابر صاحب نمازِ عید کے بعد گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کو روانہ ہوئے تو راستے میں گھوڑے سے نیچے گر پڑے اور گردن ٹوٹ گئی اور بڑی مشکل سے گھر پہنچے۔ جان گئے کہ یہ حضرت ایشاں کی شامت سے ہے۔ اُسی وقت نور الدین قاضی اور امیر حسین شیخ الاسلام لاہوری کو تقصیر کی معافی کے لئے خدمت خواجہ میں بھیجا۔ انہوں نے ملا مذکور کی صحت کے لئے فاتحہ پڑھنے کی التجا کی۔ آپ نے فرمایا کہ جو تیر چھوٹ چکا اور اس کا زخم ملا صالح کی جان کو پہنچ چکا۔ وہ واپس نہیں آسکتا۔ میں راضی ہو جاؤں گا مگر خواجگان راضی نہیں ہوتے۔ پس چاہئے کہ ملا صالح کی سلامتی ایمان کے لئے فاتحہ پڑھیں۔ یہ کہہ کر آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور بعد دعا فرمایا کہ ملا صالح دنیا سے ایمان سلامت لے گیا۔ قاضی اور شیخ الاسلام محفل سے ناامید لوٹے اور دوسرے دن ملا صالح جان حق تسلیم ہو گئے۔

قطعہ تعمیر خانقاہ :- مُلّا ذہنی شاعر کشمیر کا بیان ہے کہ حضرت ایشاں نے جو خانقاہ تعمیر کی تھی میں نے اُس کا تاریخی قطعہ لکھ کر جیب میں ڈالا اور حضرت ایشاں کو سنانے کے لئے حاضر ہوا مگر اُس وقت بڑے ہجوم کی وجہ سے تاریخ عرض کرنے کا موقع نہ ملا اور دوسرے وقت تک ملتوی رکھ کر واپس لوٹا۔ چند قدم گیا تھا کہ آپ نے آواز دی کہ اے اخوند تو نے جو جیب میں رکھا وہ مجھے نہ دیا۔ اسی وقت لا کہ اس سے بہتر اور کون سا موقع ہو گا۔ میں فوراً لوٹ آیا اور قطعۂ تاریخ پیش کیا۔ آپ نے ملاحظہ فرما کر بڑی تعریف کی اور ظاہری اور باطنی خلوت سے سرفراز فرمایا۔ وہ قطعہ یہ ہے:-

حضرت خواجہ آں شہ دیندار ‏ ‏ ‏ کہ ازل یافت دولتِ سرمد
طرفہ شاہے کہ دارش ایزد پاک ‏ ‏ ‏ از فنا تاج و از بقائے سند
ذاتِ قدسش کہ زندہ می دارد ‏ ‏ ‏ دینِ یزدان و مُنتخبِ احمد
در ہمہ کار و در ہمہ حالت ‏ ‏ ‏ یا بد از شاہِ نقشبند مدد
خانقاہ لطیف کرد بنا ‏ ‏ ‏ کہ براں می برد سپہر حسد
آسمان گل کش و قضا معمار ‏ ‏ ‏ خشتش از قُرص مہر و ماہ سزد
در فضایش کہ نو بہار صفا است ‏ ‏ ‏ بوئے صد قش نسیم مہر و زد
خاکِ آں توتیائے پیرِ فیض است ‏ ‏ ‏ کہ جنابش بروز دید آرد

گفت تاریخ سالِ آں ذہنی
"خانقاہے عجب لطیف آمد"

ناؔمی کے حساب سے اِس مصرع سے ۱۰۱۶ھ برآمد ہوتا ہے کیا خانقاہ حضرت ایشاں نے اپنی رحلت سے ۳۶ برس پہلے تعمیر کی؟

کتاب رضوانی میں لکھا ہے کہ جب حضرت ایشاں کی وفات کے دن آئے تو آپ نے پندرہ دن پہلے عصر کی نماز کے بعد اپنے مرید نواب افتخار خان عالی جاہ کو فرمایا کہ میں پندرہ دن بعد دارالبقا کی طرف رحلت کر جاؤں گا۔ سولہواں دن پہنچا تو بروز ۳ شنبہ (منگل)

نماز مغرب ادا کرنے کے بعد چند بار مولانا جامی کا یہ شعر پڑھا۔

الٰہی غنچۂ امید بکشا !
گلے از روضۂ جاوید بنما

وفاتِ خواجہ :- پھر عشاء سے پہلے سجدہ میں سر رکھا اور جانِ عزیز جانِ آفرین کو سونپ دی۔ جب غسل کے لئے نعش مُبارک کو صندلین تختے پر لٹایا تو قضاکار تہہ بند کا پیچ ڈھیلا پڑ گیا اور قریب تھا کہ کھل جائے۔ نہلانے والا اس بات سے غافل تھا کہ خواجہ نے دونوں ہاتھ ملا کر پیچ کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور کشفِ عورت نہ ہونے دیا۔ یہ حالت دیکھ کر تمام حاضرین نے مان لیا کہ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا يَمُوْتُوْنَ.

ترجمہ :- (کہ اللہ کے ولی نہیں مرتے)

اس موقع پر شاہجہان بادشاہ کی طرف سے جو لاہور میں موجود تھا۔ میراں سید جلال الدین صدر الصدور تجہیز و تکفین خواجہ کے لئے حاضر تھے۔ انہوں نے لحد میں نعش کو لٹانے کے بعد جب روئے مبارک سے پردۂ کفن زیارت کے لئے اٹھایا تو دیکھا کہ مبارک ہونٹ ہلتے ہیں۔ گویا آپ کچھ پڑھ رہے ہیں۔ بعد دفن نواب سعید خان نے عظیم الشان گنبد مزارِ پُر انوار پر تعمیر کیا۔

خانِ دوران کی موت :- خواجہ معین الدین نے کتاب رضوانی میں یہ بھی لکھا ہے کہ مزار پر روضہ عالیہ کی تیاری کے بعد شاہجہان بادشاہ کشمیر کو چلے گئے اور حاکم لاہور نواب خاں دوران مقرر ہوا۔ اسے حضرت خواجہ سے بیر تھا۔ اُس نے مزار کے گنبد کو مسمار کرنا چاہا اور مجھے کہ حضرت خواجہ کا کمترین فرزند ہوں بُلایا اور کہا کہ اس سے پہلے خاندانِ نقشبندی کے کسی بزرگ پر گنبد نہیں ہے تم نے بزرگوں کے طریق کے خلاف عمل کیا اور والد کے مرقد پر گنبد بنا لیا ہے۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اسے گرا دوں۔ میں نے کہا کہ صاحب مزار کو مردہ نہ جانو۔ اگر ہمت ہے تو مسمار کر دو۔ اس کے چند روز بعد خانِ دوراں لاہور سے سوار ہو کر اپنے دیہات کی جاگیر کی طرف چلا۔ دوپہر کے وقت شالامار کے باغ میں اترا۔

حضرت ایشاں کی خانقاہ کے خادم نے چند انگور خانقاہ کے باغ سے اسے بطور پیشکش پیش کئے۔ مگر اس نے ازراہ تکبر و غرور خود کوئی انگور نہ کھایا۔ سب نوکروں ہی کو دے دیئے اور ازراہ تمسخر خادم خانقاہ کو کہا کہ معین الدین پسر خاوند محمود کہتا ہے کہ میرے باپ کو مُردہ نہ جانو۔ اگر وہ مردہ نہ ہوتا تو اسے خاک سپرد کیوں کیا۔ خادم نے کچھ جواب نہ دیا اور واپس آگیا۔ جب خانِ دوراں دوپہر کے بعد سوار ہوا اور شہباز خان کے تالاب کے پاس پہنچا تو اس کے بیٹے نے جو اس سے عناد رکھتا تھا اور موقع کی تلاش میں تھا جب اپنے باپ (خانِ دوراں) کو تالاب کے قریب تنہا پایا تو تلوار نکال کر اس کا کام تمام کر دیا اور وہ دوستانِ خدا کا دشمن اپنے کردار کی سزا کو پہنچا۔

نوٹ :- تاریخ لاہور (انگریزی) میں خانِ دوراں کا سال وفات ۱۰۵۳ھ مطابق ۱۶۴۳ء لکھا ہے۔ یعنی حضرت ایشاں سے ایک سال بعد مگر اس کا بیٹے کے ہاتھوں مقتول ہونا نہیں لکھا۔ (ناقل)

اولادِ حضرت ایشاں :- آپ کے چھ فرزند دلبند تھے۔ ۱۔ خواجہ تاج الدین خاوند جو جامع علم و عمل اور صاحب حال و قال تھے اور عمر بھر مرتکب کبیرہ نہ ہوئے۔ ۲۔ خواجہ خاوند احمد جو پدر بزرگوار کے بعد سجادہ مشیخت پر بیٹھے اور زورِ ولایت سے صاحب مقامات بلند تھے۔ ۳۔ خواجہ خاوند محمود۔ ۴۔ خواجہ خاوند معین الدین جامع کتاب رضوانی جو علوم حدیث وفقہ۔ اصول و فروع میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے شاگرد تھے اور طریقت میں اپنے والدِ ماجد سے فیض یافتہ تھے۔ ۵۔ خواجہ خاوند قاسم۔ ۶۔ خواجہ بہاء الدین خاوند جو والد بزرگوار کی وفات کے بعد شاہی منصب ترک کر کے مزارِ پُر انوار پر مجاور ہو گئے اور عمر بھر مجاورت میں رہے۔

خلفاءِ حضرت ایشاں :- آپ کے سولہ خلیفے ہیں جو بعد تربیت و تکمیل مختلف اقالیم دور دراز پر ہدایت خلق کے لئے حسب الارشاد مامور ہوئے۔ اول۔ فرزند خواجہ احمد۔ دوم۔ خواجہ عبد الرحیم نقشبند جو خواجہ حسن عطار بن علاء الدین عطار کی اولاد سے تھے۔

سوم۔ خواجہ سید یحییٰ جو شاہ شجاع کرمانی کی اولاد سے تھے۔ چہارم۔ خواجہ محمد امین وحیدی۔ پنجم۔ خواجہ عبد العزیز وحیدی۔ ششم۔ خواجہ ترسون المشہور بہ خواجہ باقی۔ ہفتم۔ خواجہ شادمان کابلی۔ ہشتم۔ مرزا ہاشم برادر خواجہ دیوانہ بلخی جو سبحان قلی خان بادشاہ بلخ کے پیر تھے۔ نہم۔ خواجہ لطیف درخشی۔ دہم۔ مرزا ابراہیم برادر میر نعمان جو شیخ احمد مجدد الف ثانی کے اعاظم خلفاء سے تھے۔ یازدہم۔ خواجہ باندی کشمیری۔ دوازدہم۔ خواجہ حاجی طوسی۔ سیزدہم۔ حاجی ضیاء الدین۔ چہاردہم۔ خواجہ ابوالحسن سمرقندی۔ پانزدہم۔ مولانا پاکرہ حارثی۔ شانزدہم۔ خواجہ معین الدین فرزند دلبند حضرت ایشاں مؤلف کتاب رضوانی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

تاریخ وفات حضرت ایشاں :- آپ ۱۲ شعبان ۱۰۵۲ھ مطابق ۲۶ اکتوبر ۱۶۴۲ء کو واصل حق ہوئے۔ کتاب رضوانی میں یہ قطعہ تاریخ درج ہے۔

سرِ خواجگان خواجہ خاوند محمود — ز دنیا سفر کرد و جنت گزید
پے سال او ہاتف غیب گفت — "بابِ بزرگان جنت رسید"
شہ محمود خاوندِ دو عالم — کہ ذاتش بود مسجدِ انس مسعود
شد از دنیا خلدِ جاودانی — بفضل ایزد و الطافِ معبود
ندا شد بہرِ سال انتقالش — کہ "قطب اصفیا خاوند محمود"

۱۰۵۱ھ

ایضاً چو شد زیرِ زمین افسوس افسوس — ز دنیا آفتاب عشق محمود
وصالش "منبع فیض" است سرور — دوبارہ "آفتاب عشق محمود"
ایضاً شاہِ محمود چوں زوالِ فنا — رفت و شد وصل با خدا محمود
ہست "محمود شاہ رحمت" سال — نیز "مخدوم پارسا محمود"

۱۰۵۲ھ — ۱۰۵۲ھ

مزارِ پُر انوار حضرت ایشاں لاہور سے مشرقی جانب شالامار باغ کے متصل واقع ہے۔

بتاریخ وصالش ابنِ حامد "چراغِ انجمن افروز گفتا" (ناؔمی)

۱۶۳۲ء

جج محمد لطیف صاحب مرحوم کی تصریح :- جج صاحب موصوف تاریخ لاہور (انگریزی) کے ص ۱۳۹ میں رقم طراز ہیں کہ

> خواجہ محمود کا بلند گنبد بیگم پورہ کے مغرب کی طرف شالیمار سڑک پر ہے۔ کتاب رضوانی کی تحریر کے مطابق خواجہ محمود المشہور حضرت ایشاں بخارا کے باشندہ تھے انہوں نے تعلیم شاہی کالج میں پائی تھی فارغ التحصیل ہوئے تھے۔ آپ کی پارسائی اور زُہد کی شہرت دور و نزدیک پہنچی اور ہرات کابل اور قندھار میں آپ کے ہزاروں اشخاص مرید ہوئے۔

آپ اکبر کے عہد میں کشمیر آئے۔ جہانگیر اور اس کے جانشین آپ کو آگرہ لے آئے۔ شاہجہان کے عہد میں آپ لاہور میں رہے اس شہنشاہ نے سریر آرا ہو کر ایک لاکھ طلائی ٹکے آپ کی نذر کئے جن سے آپ نے ایک نفیس باغ لگایا موجودہ روضہ آپ نے خود تعمیر کیا تھا۔ وزیر خاں وزیر شاہجہان آپ کی بہت عزت کرتا تھا اور بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی دعا سے نور جہان نے سخت مرض سے شفا پائی۔ نواب خان بہادر خاں لاہور اور مقیم بیگم کے عہد میں مقبرہ خلقِ کثیر کی زیارت گاہ تھا۔ ہر ہفتے علماء یہاں جمع ہوتے تھے۔ غُربا کو روٹی کے علاوہ فی کس ایک روپیہ بھی ملتا تھا۔ یہاں تسبیح خانے اور مساجد نمازیوں سے بھرپور رہتی تھیں۔ مگر سکھا شاہی میں سب غیر آباد ہو گئیں۔ وہ منبر جس پر خواجہ محمود مسجد میں وعظ فرمایا کرتے تھے ابھی تک موجود ہے۔ آپ میاں میر کے ہم عصر تھے اور ان میں باہم مذہبی مباحث ہوتی رہتی تھی۔

شیخ حامد لاہوری نقشبندی قُدس سرّہٗ

شیخ موصوف حضرت شاہ آدم بنوری کے بڑے خلفاء میں سے ہیں۔ آپ بڑے متقی اور زاہد تھے۔ مرشد علیہ الرحمۃ ہی کے پاس ان کے طالبوں اور مریدوں کو تلقین کرتے تھے۔ شیخ حامد کم گو کم خواب کم خور تھے۔ بے ضرورت بات نہ کرتے اور اغیار کی صحبت سے متنفر رہتے۔

آپ بروز پنج شنبہ ۲۲ جمادی الآخر ۱۰۵۴ھ مطابق ۱۹ اکتوبر ۱۶۴۴ء کو فوت ہوئے۔ منظوم تاریخ۔

حمد گویاں شد رواں سید جنات النعیم	چونکہ حامد حامدِ دین خدائے ذوالکرام
سال وصال او چو جستم از خرد	گفت "حامد شیخ کامل" کن رقم (سرورؔ) ۱۰۵۴ھ
ہاتفِ غیب دال مرا القا نمودہ ہمیا	از "حامد فرشتہ خو" تاریخ او رقم نما (ناؔمی) ۱۶۴۴ء

مفتی صاحب مرحوم نے مزار کا پتہ نہیں لکھا۔ شیخ حامد عہد شاہجہاں میں واصل حق ہوئے۔

شیخ سعدی بلخاری مجددی لاہوری قُدس سرّہٗ

ماخذِ حالات کتب :- شیخ موصوف کا شمار جلیل القدر مشائخ میں ہے۔ آپ شیخ آدم بنوری کے کامل خلفیہ تھے جامع عُلومِ ظاہری و باطنی لڑکپن سے ہی پیر روشن ضمیر کے زیر سایہ عاطفت پرورش پائی اور استحکام ظاہری اور جمعیت باطنی بہم پہنچائی۔ شیخ محمد عمر پشاوری نے جو شیخ سعدی کے احباب میں سے ہیں۔ کتاب جواہر الاسرار میں شیخ موصوف کے احوال و

اقوال تولّد سے لے کر وفات تک لکھے ہیں اور اس میں آپ کے بے شمار خوارق و کرامات درج فرمائی ہیں۔ اسی طرح شرف الدین کشمیری مجددی نے بھی کتاب روضۃ الاسلام میں آپ کے مناقب و خوارق تحریر کیے ہیں۔ اس جگہ "یکے از ہزار و اندکے از بسیار" نقل کیے جاتے ہیں۔

پیدائشی سعید روح :- شیخ سعدی بیان کرتے تھے کہ جب میری عمر آٹھ برس کی تھی تو میں اپنے گاؤں کے نزدیک کنویں کے کنارے وضو کر رہا تھا کہ مولانا حاجی سعد اللہ وزیر آبادی جو شیخ آدم بنوری کے خلفاء میں سے تھے اور بنور جا رہے تھے اس راہ سے گزرے جب مجھے پوری احتیاط سے وضو کرتے دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور اپنے دوستوں سے کہا کہ اس خرد سالی میں یہ لڑکا کیسی احتیاط سے وضو کر رہا ہے۔ پس ایک لمحہ میری طرف متوجہ رہ کر آگے بڑھ گئے۔ میں نے ان کے بعض ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ کون سے بزرگ ہیں اور کیا نام ہے۔ انہوں نے بتایا کہ حاجی سعد اللہ نام ہے اور بنور جا رہے ہیں کہ اپنے پیر روشن ضمیر سے ملیں۔ میں یہ سُن کر جاذبِ حقیقی کے جذب سے ان کے عقب میں چل پڑا اور راہ میں مولانا کے کسی فقیر سے اختلاط اور آمیختگی نہ کی اور بے خورد خواب ان سے علیحدہ مشغول رہا۔ جب بنور پہنچے اور حضرت شیخ کی ملازمت سے مشرف ہوئے تو شیخ نے مولانا حاجی سے ہر ایک فقیر کا حال الگ الگ دریافت کیا۔ آخر جب میری باری آئی تو مولانا نے عرض کیا کہ یہ لڑکا بھی ہمارے ساتھ آیا ہے اور اس کے عجیب و غریب حالات ہیں۔ شیخ نے کہا کہ یہ نہ کہو کہ یہ لڑکا ہمارے ہمراہ آیا ہے بلکہ کہو کہ ہم اس کے ہمراہ آئے ہیں۔ یہ لڑکا ازلی سعادت مند اور مقبولِ خدا ہے اگر قیامت کے دن تمہیں خدا بخشے گا تو اس کے سبب سے بخشے گا۔ پھر شیخ میری طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے۔ عرض کیا کہ سعدی۔ آپ نے مبارک دیتے ہوئے فرمایا کہ جہاں جاؤ اور جہاں رہو سعد (نیک) ہو۔ دنیا میں بھی سعد ہو اور عقبیٰ میں بھی ۔

چرخ تا سالِ عمر او بشمرد　　سعد اختر ز تو سعادت بُرد

یعنی چرخ پیر نے عمر بھر دیکھا کہ سعد ستارے نے تجھی سے سعادت حاصل کی۔

پس بے شمار عنایات اور تلطفاتِ بسیار فرمائے اور اپنے ہمراہ مجھے حرم محترم میں لے گئے اور اہلِ حرم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آج ایک چھوٹی عمر کا لڑکا ہمیں ملا ہے جسے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور خیر النساء فاطمۃ الزہرا نے اپنی فرزندی میں قبول کیا ہے۔ پھر آپ نے مجھے اپنی بیعت سے مشرف کر کے خاص خدمات پر مامور فرمایا۔

اولیاء کی روحانیت سے فیض یاب :- صاحبِ روضۃ السلام حاجی محمد امین بدخشی مجددی کی کتاب کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ شیخ سعدی مادر زاد ولی تھے اور حضرت سید الانام کے اویسی۔ لڑکپن ہی میں ہر مشکل توجہ سے حل فرماتے۔ جنات ان کے نام نامی اور اسم گرامی سے بھاگتے تھے اور ان کے پاس آ کر ہر آسیب زدہ اچھا ہو جاتا تھا۔ اولیاء میں سے جس کی روحانیت کی طرف توجہ کرتے وہ فی الفور حاضر ہو کر کفایت فرماتے۔ مشائخ عظام کی روحانیت سے بھی مستفید اور ان کی خلافت سے ممتاز ہوئے۔

حضرت فاطمہ کی عطا :- صاحب تواریخ بدخشی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ شیخ سعدی فرماتے تھے کہ جب میں اپنے پیر روشن ضمیر کے ہمراہ شہر سہارنپور گیا تو ایک رات مسجد کے صحن میں بیداری اور نیند کے درمیان دیکھا کہ اُس شہر پر نُور چھا گیا اور اُس کے گرد پھرا اس حالت میں ایک نبی کی اولاد سے ایک عفیفہ میرے نزدیک آئیں اور کہا کہ حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا مسجد کے باہر کھڑی تمہیں بُلاتی ہیں۔ پس میں وہاں گیا تو دیکھا کہ خاتونِ جنت انبیاء علیہم السلام کی بیٹیوں کے ساتھ مقامِ پیشوائی اور امامت کے مقام پر کھڑی ہیں۔ پس میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے فرزند میں نے چاہا کہ اپنی طرف سے تحفہ دوں اور اسم اعظم سکھاؤں اور اجازت بخشی اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ہوا میں پرواز فرما کر میری آنکھوں سے غائب ہو گئیں۔

پیر نے بادشاہی کا تختہ اُلٹنے سے روک دیا :- نیز فرمایا کہ شاہجہان بادشاہ نے جب بعض گمراہوں کے کہنے سے حضرت شیخ آدم کو ہندوستان سے اخراج کا حکم دیا تو تمام اصحاب و احباب شیخ نے کہا کہ اس بادشاہ کو تنبیہ اور توبیخ کرنا چاہئے۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ بادشاہ اسلام رفاہ خاص و عام کا باعث ہے۔ اس کے حق میں بُرا ارادہ نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ معذور اور ہمارے باطنی حالات سے آگاہ نہیں۔ جب دوست آنجناب سے مایوس ہوئے تو باہمی مشورے سے میری طرف رجوع کیا کہ میں بادشاہ کی تنبیہ کی طرف متوجہ ہوں مگر مجھے شیخ کی نارضامندی کا اندیشہ ہوا۔ مگر شیخ ابوالفتح نے جو شیخ کے بڑے خُلفاء سے ہیں کہ میں شیخ کی رضامندی اور خوشنودی کا ذمہ لیتا ہوں اگر وہ آزردہ ہوں گے تو میں انہیں خوش کر لوں گا۔ پس میں نے اپنے ایک دوست کو اپنا رفیق بنایا اور باغ کامران میں جا بیٹھا اور توجہ کر کے اس کام پر تیار ہوا اور بادشاہ کو تخت اور اس کے سب اعیان و ارکان سمیت جو اُسے گمراہ کرنے کا موجب ہوئے ہیں اپنی ہتھیلی پر اٹھا لیا اور چاہا کہ انہیں زیر و زبر کر دوں تو ایک رکاوٹ آگئی اور مجھے تصرف سے روک دیا۔ دوسری دفعہ ہاتھ بڑھا تو دیکھا کہ ایک بڑا حصار بادشاہ کے گرد برپا ہے اور وہاں کسی کی دسترس نہیں۔ غیرت نے جوش مارا اور تیسری بار میں نے دست تصرف دراز کیا اور چاہا کہ حصار کو پھاند جاؤں اور بادشاہ کا کام تمام کر دوں اس وقت حضرت شیخ کی ذات بابرکات خود ظاہر ہوئی اور مجھے کمر سے پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ اے فرزند ان امور میں تحمل کرنا چاہئے لہٰذا میں اس ارادہ سے باز آیا اور غایت شرم اور حجاب سے تین دن تک زیارت سے مشرف نہ ہوا۔ اس کے بعد جب حاضر ہوا تو آپ نے تبسم فرما کر کہا کہ اس معاملے میں تمہارا گناہ نہیں بلکہ ابوالفتح کا ہے کہ تمہیں اس بات پر آمادہ کیا۔

شیخ نے بادشاہ کے قتل سے روک دیا :- شیخ محمد امین بدخشی فرماتے ہیں کہ لاہور میں جب نواب سعد اللہ خاں اور دوسرے حاسدوں نے بادشاہ کا مزاج شیخ آدم کی بابت مکدر کر دیا اور شیخ لاہور سے اپنے وطن کی طرف روانہ ہو گئے تو یہ بات شیخ سعدی پر بہت گراں

گزری اور بادشاہ کی خرابی کی طرف متوجہ ہوئے اور غیب سے تلوار ہاتھ میں لے کر چاہا کہ بادشاہ کو ماریں کہ ناگاہ شیخ آدم ظاہر ہوئے اور شیخ سعدی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ اس بات میں تحمل لازم ہے کیونکہ بادشاہ مسلمان اور خلقت کا خیر اندیش ہے۔

جہاز کو ڈوبنے سے بچایا :- محمد شرف الدین مجددی صاحب روضۃ السلام نے لکھا ہے کہ جب شیخ آدم بیت اللہ کی طرف روانہ ہوئے تو شیخ اپنے والدین کی زیارت کرنے کو گھر تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ وہاں رہ کر میر منصور بدخشی کے ساتھ جو پہلے امراء شاہی سے تھے اور پھر تارک ہو کر شیخ آدم کے مرید اور خادم بن گئے تھے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب جہاز پر تشریف لے گئے تو ایک طوفان عظیم برپا ہوا اور اہل جہاز پر بڑی مصیبت آئی اور وہ جہاز سمیت غرق ہونے لگے۔ اسی حالت میں میر منصور شیخ سعدی کی خدمت میں آئے اور مدد کی استدعا کی۔ فرمایا کہ اس جہاز میں اہل جہاز کی دوں ہمتی سے زنا اور لواطت کے ارتکاب ہوا ہے۔ اس لئے جہاز گرفتار حادثہ ہے مگر میں خدائے ارحم الراحمین سے توقع رکھتا ہوں کہ اس حادثہ عظیم سے وہ نجات پا جائیں گے جونہی آپ نے یہ کلمہ زبان مبارک سے ارشاد فرمایا طوفان رفع ہو گیا اور جہاز سلامت ساحل پر پہنچ گیا۔ جب مکہ معظمہ میں منصور شیخ آدم کی خدمت میں حاضر ہوا اور جہاز کی خرابی کی حالت بیان کی تو آپ نے فرمایا کہ اگر شیخ سعدی اس جہاز میں نہ ہوتے تو اہل جہاز اس جان گزا بلا سے جانبر نہ ہوتے۔

سردی سے بچاؤ کے لئے حلوا :- شیخ محمد امین بدخشی فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ سعدی بخاری نے فرمایا کہ مناسک حج ادا کرنے کے بعد جب میرا ارادہ حضرت شاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا پختہ ہوا تو حضرت شیخ آدم پیر روشن ضمیر نے مجھے اپنی روانگی سے پیشتر مدینہ منورہ کی طرف روانہ کر دیا۔ راستہ میں مجھے ایک وقت غسل کی حاجت ہوئی تو میں نے ایک نہر میں جس کا پانی بہت سرد تھا غسل کیا۔ صبح کی سردی اور ٹھنڈے پانی نے اثر کیا اور مجھے بدن میں کپکپی شروع ہو گئی۔ اسی اثناء میں غیب سے ایک شخص

پیدا ہوا جس نے نہر کے پانی سے نکل کر تر و تازہ گرم گرم حلوا مجھے دے کر فرمایا کہ کھا لے صحت یاب ہو جائے گا۔ جب میں نے وہ کھالیا تو صحت حال ہو گئی اور چل کر مدینے پہنچ گیا۔

عمر میں اضافہ :- شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ کچھ دن بعد حضرت شیخ آدم بھی مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ اُس وقت میں سخت بیماری میں مبتلا تھا میں ان کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا۔ آخر شیخ میری عیادت کو تشریف لائے اور مجھے حالتِ نزع میں دیکھ کر کچھ فرمائے بغیر لوٹ گئے۔ اسی رات میں نے حالتِ بے ہوشی میں جو نیند اور بیداری کے درمیان تھی دیکھا کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوۃ الملک الاکبر حضرت صدیق اکبر اور عمر اور سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ تختِ نُورانی پر تشریف لائے ہیں اور میں چاروں کے سامنے دست بستہ کھڑا ہوں کہ ناگاہ قلم و دوات کاغذ غیب سے موجود ہوا اور حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یا ابو بکر! عمر سعدی جو فاطمہ کا فرزند معنوی ہے کی زندگی ختم ہو گئی ہے اب ہم نے از سر نو اسے پچاس سال اور عمر عطا کر دی ہے۔ اس کاغذ پر یہ تحریر کر دو۔ پھر قدرے سکوت کے بعد فرمایا کہ ہم نے پانچ سال اور اسے بخشے ہیں تاکہ وہ پچپن ۵۵ سال اور دنیا میں رہے اور طالبانِ حق کی ہدایت میں مصروف ہو۔ ابھی یہ واقعہ پورا نہ ہوا تھا اور میں اسی عالم بے ہوشی میں بستر پر پڑا تھا کہ حضرت پیر میری عیادت کو تشریف لے آئے اور میرے سرہانے کھڑے ہو کر شیخ حامد کو فرمایا کہ اس رات سعدی کو حضرت شاہ رسالت مآب علیہ الصلوۃ والتحیۃ نے پچپن برس اور عمر عنایت فرمائی ہے ورنہ اس کی عمر ختم ہو چکی تھی میں حضرت شیخ کی آواز سن کر نیند سے بیدار ہوا۔ ان کے قدموں پر سر رکھا اور اپنے آپ کو صحیح اور تندرست پایا۔

مزار شیخ آدم :- محمد یحییٰ زنگی رحمۃ اللہ علیہ جو شیخ آدم کے خُلفاء میں سے تھے اور بخطاب سیر الاعظم مخاطب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ آدم (متوفی مدینہ منورہ ۱۰۵۳ھ مدفون نزدیک روضہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی رحلت کے

بعد شیخ سعدی ایمائے ربانی سے لاہور تشریف لے آئے اور اسی جگہ متوطن ہو گئے تو خلقِ خدا کی ہدایت میں مصروف ہو گئے اور ہزارہا طالبانِ خدا کو خدا تک پہنچا دیا۔ آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ میرے مرید آسمان کے ستاروں کی طرح اَن گنت ہیں۔ ان میں سینکڑوں کامل تکمیل کے بعد رتبہ ارشاد و اجازت تک پہنچ گئے۔

حضرت شیخ سعدی کے چار فرزند ارجمند تھے۔ ۱۔ خواجہ محمد سلیم۔ ۲۔ خواجہ محمد غنی۔ ۳۔ خواجہ محمد یُوسف۔ ۴۔ خواجہ محمد عارف۔ چاروں خانۂ دین کے ستون تھے جو پدر عالی قدر کی دستگیری سے ظاہری و باطنی کمالات تک پہنچے اور تمام مشائخ متاخرین سے بڑھ گئے۔

تاریخ وفات :- مفتی غلام سرور مرحوم فرماتے ہیں کہ میں نے جو پہلے سن سنائی تاریخ ۱۱۰۸ھ لکھی تھی اور جو صاحب تحقیقاتِ چشتی نے اپنا کر اپنی کتاب میں درج کر لی۔ وہ شیخ شرف الدین کی تصنیف روضۃ السلام کے مطالعہ سے غلط ثابت ہوئی۔ صحیح یہ ہے شیخ سعدی لاہوری بروز چہار شنبہ سوم ماہ ربیع الثانی ۱۱۰۸ھ مطابق ۲۰ اکتوبر ۱۶۹۶ء فوت ہو کر لاہور میں متصل محلہ عزیز پیر جو آب ترنگ کے نام سے مشہور ہے دفن ہوئے۔

منظوم تاریخ

شد چو سعدی از جہاں اندر بہشت — دل بسالِ رحلت آں شیخ پیر

گفت "سعدی تاج نعمت" کن رقم (۱۱۰۸ھ) — نیز "سعدی عارف اکبر فقیر" (سرور) (۱۱۰۸ھ)

ہم "شہنشاہِ ولایت" شد عیاں (۱۱۰۸ھ) — سالِ وصلِ آں شہ روشن ضمیر

از تو تاریخ ناہی! ار پرسند — گو "شرافت شعار سعدی" است (ناہی) (۱۶۹۶ھ)

شیخ حاجی محمد سعید لاہوری قدس سرہٗ

حاجی صاحب موصوف سلسلہ نقشبندیہ' قادریہ اور شطاریہ کے جلیل القدر شیخ ہیں چنانچہ تشریف الشرفا و نسب نامہ حضرات گیلانی کے مصنف فرماتے ہیں کہ حاجی محمد شریف نے خلافت قادریہ' سید محمود بن سید علی حسینی الکروی ساکن مدینہ منورہ سے مدینہ میں حاصل کی اور شیخ اشرف لاہوری سے آپ کا سلسلۂ عالیہ شاہ محمد غوث گوالیاری تک پہنچتا ہے اور نقشبندیہ کی اجازت حافظ سعد اللہ مجددی سے پائی اور آپ نقشبندی کہلاتے تھے۔

احمد شاہی لوٹ :- جب احمد شاہ ابدالی درانی بادشاہ ملک ہندوستان کی تسخیر کے لئے لاہور آیا تو تمام لاہوری اپنا اثاث البیت لے کر فوج شاہی کی غارت گری کے خوف سے جا بجا چلے گئے۔ اور لکھی محلہ اور عبداللہ واڑی کے محلہ دار جہاں حضرت حاجی سکونت پذیر تھے' آپ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ لاہور کے تمام باشندے بادشاہی فوج کی لوٹ مار کے خوف سے بھاگ رہے ہیں اور ہم صرف آپ کی اعانت کے بھروسے تا حال یہاں مقیم ہیں اگر ہماری حمایت آپ کو منظور ہو تو بہتر ورنہ ہم بھی اپنی کوئی پناہ گاہ ڈھونڈ لیں۔ حضرت حاجی نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ سارا شہر لاہور احمد شاہ کی فوج کی لوٹ مار سے بچ نہیں سکے گا مگر میں نے خداوند تعالیٰ سے درخواست کی ہے کہ لکھی محلہ [1] اور عبداللہ [2] واڑی غارت سے

۱۔ (تاریخ انگریزی لاہور) صفحہ ۹۳ میں لکھا ہے کہ لکھی محلہ وہاں آباد تھا جہاں کرنیل ہال کی کوٹھی باغ رتن چند کے پیچھے ہے۔ چونکہ یہاں لکھو چی خواجے اور پراچے رہتے تھے اس لئے یہ محلہ اس نام سے مشہور ہوا۔ بڑ چھا گردی میں جو لوٹ مار کا سلسلہ چلا تو اس محلہ کے مکین کچھ تو جموں چلے گئے اور کچھ شہر کے اندر آئے رنجیت سنگھ کے عہد میں خشت کشوں نے عمارات گرا کر بیچ دیں اور محلے کا نشان مٹ گیا۔

۲۔ محلہ واڑی کا محل وقوع حضرت چراغ کی خانقاہ کے جنوب کی طرف تھا جہاں اب گورنمنٹ ٹیلی گراف آفس ہے۔

محفوظ رہے۔ چنانچہ یونہی واقع ہوا۔ احمد شاہ کے لشکریوں نے تمام شہر میں لوٹ مار کا بازار گرم کیا اور جو کچھ ملا لوٹ لیا اور یہ دونوں محلے اللہ کے حفظ و امان میں رہے اور اس کا سبب یہ ہوا کہ جب احمد شاہ لاہور پہنچا تو لوگوں سے حضرت حاجی کی کرامتوں کا حال سن کر معتقد ہو گیا اور حاضر خدمت ہو کر مرید بن گیا اور اپنے نامور اُمراء کو بھی حاضر کر کے مرید کیا اور حکم دیا کہ لکھی محلہ اور عبداللہ واڑی میں جہاں حضرت حاجی سکونت پذیر ہیں' تاخت و تاراج نہ کی جائے اور اس اَمر کے لئے پہرے دار بھی مقرر کر دیئے۔ پس اُس دن سے حضرت حاجی پیر افغان مشہور ہوئے اور اب تک ایسے ہی مشہور ہیں۔

کہتے ہیں کہ جب احمد شاہ ابدالی کابل واپس چلا گیا تو ایک لاہوری شخص نے حضرت حاجی کی خدمت میں عرض کیا کہ میری ایک لڑکی تھی جسے احمد شاہ کے لشکری لوٹ کر لے گئے ہیں۔ میری اور کوئی اولاد نہیں اس بیٹی کے لئے بڑا بے قرار ہوں اگر اس میں میری مدد فرمائیں تو آپ کی عنایت سے بعید نہیں۔ یہ سن کر آپ مراقبہ میں چلے گئے اور سر اٹھا کر سائل سے کہا کہ آنکھیں بند کرے۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ جب آنکھیں کھولیں تو لڑکی کو اس حالت میں اپنے پاس کھڑی پایا کہ اُس کے ہاتھ میں روغن کا برتن اور چار پیسے تھے۔ سائل مُرادپا کر بڑا خوش ہوا اور اس لڑکی سے اس کی سرگزشت دریافت کی۔ اُس نے کہا کہ بادشاہ کے لشکری جب مجھے لاہور سے پکڑ کر کابل لے گئے اور ایک بادشاہی امیر نے مجھے اپنی لونڈی بنا لیا اور اپنے گھر میں رکھا۔ میں اس وقت کابل میں تھی۔ گھر کے مالک نے مجھے روغن کا برتن اور چار پیسے دیئے کہ بازار سے روغن خرید کر لے آ۔ جب میں بازار پہنچی تو یہی شیخ کہ یہاں تشریف رکھتے ہیں۔ مجھے ملے اور کہا کہ آنکھیں بند کرو۔ میں نے بند کر لیں ایک لمحے کے بعد کان میں آواز آئی کہ آنکھیں کھول دے۔ جب کھولیں تو اپنے آپ کو تمہارے پاس پایا۔ اس کے سوا اور مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میں کس طرح آئی۔

سلسلہ مشائخ قادری :- مخفی نہ رہے کہ حاجی محمد سعید دو دفعہ حرمین شریفین

تشریف لے گئے اور شرف حج و زیارتِ روضۂ مطہرۂ نبوی سے مشرف ہوئے اور بہت سے مشائخ طریق سے فائدۂ عام اور فیضِ تام حاصل کیا۔ چنانچہ آپ کی بیعت کا سلسلہ خاندانِ عالیہ قادری سے چند درمیانی واسطوں سے سید عبدالقادر گیلانی سے اس طرح پہنچتا ہے کہ آپ مرید شیخ سید محمود کُردی کے (جن سے مکہ معظمہ میں بیعت فرمائی) اور یہ (سید محمود) سید جلال الدین کے اور یہ مُرید سید شہاب الدین کے اور یہ سید جمال الدین کے اور یہ سید شمس الدین ابو العرفا کے اور یہ شہابُ الدین احمد کے اور یہ سید قاسم کے اور یہ عبدالباسط کے اور یہ سید بہاؤالدین ابوالعباس کے اور یہ سید بدرالدین ابوالحسن کے اور یہ سید علاء الدین کے اور یہ سید شرف الدین یحیٰی تاتاری کے اور یہ مرید سید ابو صالح نصر کے اور یہ مرید قطب الآفاق سید عبدالرزاق بن غوث الاعظم محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانی قُدّس سِرُّہٗ کے۔

سالِ رحلت :- حضرت حاجی ۱۱۶۶ھ مطابق ۱۷۵۳ء میں فوت ہوئے۔ آپ نے عمر طویل پائی جو ۱۱۰ برس سے زیادہ ہے۔ یعنی آپ ۱۰۵۶ھ سے ۱۱۶۶ھ تک زندہ رہے۔ آپ نے شاہجہان، اورنگ زیب، اعظم شاہ، شاہ عالم، معزالدین، جہاندار شاہ، فرخ سیر، رفیع الدرجات، رفیع الدولہ، نکوسیر، ابراہیم، محمد شاہ اور احمد شاہ مغلیہ بادشاہوں کا زمانہ پایا۔ یعنی ۱۳ کا۔ گو ان میں سے رفیع الدرجات، رفیع الدولہ، نکوسیر، ابراہیم کا عہد ایک سال ہی میں ختم ہو گیا۔ آپ آخری بادشاہ کی حکومت کے آخری سال واصل حق ہوئے۔

حضرت حاجی کی زندگی میں آپ کا نواسہ شیخ عبدالرحیم جوان کامل خلیفہ تھا فوت ہو گیا اور سید فضل علی لاہوری مرید و خلیفہ شیخ عبدالرحیم بھی چل بسا۔ مفتی صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ حضرت حاجی کا مزار لاہور میں زیارت گاہِ خلق ہے اور سید محمد لطیف جج فرماتے ہیں کہ مزار حضرت چراغ شاہ کی خانقاہ کی جنوبی سَمت ہے محلہ عبداللہ واڑی میں۔

منظوم تاریخِ رحلت

چوں سعید آں اسعدِ دورِ زماں — رفت از دنیا و در جنت رسید

رحلتش گو "شیخ نور" و "فضلِ نور" — نیز "بحرِ معرفت حاجی سعید" (سرور)

۱۱۶۶ھ — ۱۱۶۶ھ — ۱۱۶۶ھ

شد چہ تاریخ بہ ناؔمی پدید — "مرض الموت محمد سعید" (ناؔمی)

۱۷۵۳ء

نوٹ :- سلطنتِ مغلیہ کی کمزوری کی وجہ سے سلطنتِ ہندوستان کے اعضاء ہو گئے اور احمد شاہ ابدالی اور پھر زمان شاہ کے لئے میدان صاف ہو گیا اور انہوں نے لاہور کو لوٹ مار کے لئے چن لیا۔ شیخ محمد سعید کی زندگی میں جو احمد شاہ کا حملہ ہوا وہ غالباً ۱۷۴۸ء والا دوسرا حملہ تھا۔ تیسرے حملہ کا سال ۱۷۵۲ء ہے اس میں میر معین الملک نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ احمد شاہ نے اُس کی قدر کی اور اُسے رُستمِ ہند کا خطاب اور اپنا فرزند خاں کہہ کر نوازا اور روپیہ لے کر واپس چلا گیا۔ چوتھا حملہ ۵۶۔۱۷۵۵ء میں ہوا لاہور آ کر اس نے اپنے بیٹے تیمور شاہ کو لاہور کا چارج دیا اور قندھار کو لوٹ گیا۔ پانچویں دفعہ احمد شاہ لاہور ۱۷۶۱ء، چھٹی بار ۱۷۶۲ء، ساتویں دفعہ ۱۷۶۴ء اور آٹھویں بار ۱۷۶۷ء میں ہوا۔ اس دفعہ وہ لہنا سنگھ کو کام سپرد کر کے کابل کو چلا گیا اور اُدھر ۱۷۷۳ء کے وسط میں مر گیا۔ اس کے بعد لاہور پر بھنگی سرداروں کی حکومت رہی۔ جس میں ۱۷۹۷ء مطابق ۱۲۱۱ھ میں پھر زماں شاہ کے حملے سے خلل پڑا۔ اسی حملے کی لوٹ مار کی ہجو اور تاریخ میں حضرت مراد شاہ نے نظم لکھی ہے جس سے چند شعر از تواریخ جلیلہ ص ۹۹ درج ذیل ہیں۔

چہ تدبیرے زمیر آسماں رفت — کہ ہوش وطاقت از پیر وجواں رفت
پس از چل سال ایام جہالت — یکیں آمد کہ تمکین مکاں رفت
برائے غارت و تاراج پنجاب — چو دزد آہستہ تر آمد رواں رفت
زدست جور آں گول بیاباں — عجب حالت بجان شیریاں رفت
بسالِ رفتنش در جمع یاراں! — چواز تاریخ حرفے درمیاں رفت
مراواز خود پے طبع رسائے — بجفتا "ناگہاں شاہ زماں رفت"

۱۲۱۱ھ (مطابق ۱۷۹۶ء)

زمان شاہ سال بعد پھر آیا اور رنجیت سنگھ کو لاہور کی حکومت کا پروانہ دے گیا۔

سید منور شاہ لاہوری سہروردی نقشبندی قدس سرہٗ

سید صاحب موصوف سید گیلانی حضرت غوث الاعظم کی اولاد سے شیخ ارشاد اور صاحب طریقت ہیں۔ زہد ورع اور پرہیزگاری میں فائق تھے دنیا اور اہلِ دنیا سے کوئی غرض نہ تھی اور خاندانِ عالیہ نقشبندیہ سہروردیہ کے کامل پیروں سے بہت فائدہ حاصل کیا۔

آپ کا شجرہ نقشبندیہ نہیں ملا۔ ہاں شجرہ سہروردیہ آپ کے مریدوں سید حسین شاہ اور شیخ وہاب دین سے (مفتی صاحب مرحوم نے) یوں نقل کیا ہے کہ آپ اپنے والد سید صابر کے مرید تھے اور یہ اپنے والد میر عبدالرزاق کے اور یہ اپنے پدر میر عبدالرحیم کے اور یہ اپنے والد میر صدرالدین کے اور یہ اپنے والد میر حیدر کے اور یہ مرید شاہ نصیب الدین غازی کشمیری کے اور یہ شیخ داؤد خاکی کے اور یہ مخدوم حمزہ کشمیری کے اور یہ سید جمال الدین بخاری کے مرید تھے جو سید عبدالوہاب بخاری دہلوی کے بھائی تھے اور آپ بڑے شوق وذوق سے رات دن یادِ خدا میں مصروف رہتے اور اپنے مریدوں کو سلسلہ نقشبندیہ کے طریق پر تلقین فرماتے تھے اور آپ پر حال قلوب اس قدر مکشوف تھا کہ جو حاجت مند اور سائل حاضرِ

خدمت ہوتا اُسے اظہارِ حال کی ضرورت نہ پڑتی اور اپنے دلی سُوال کے مطابق جواب پالیتا۔

سید منور شاہ جامع الکمالات کی وفات ۱۲۶۴ھ مطابق ۱۸۴۸ء میں ہوئی۔ مزار مبارک شیخ محمد طاہر لاہوری کے مزار کی چار دیواری میں ہے۔ اس وقت آپ کی اولاد سے سید احمد شاہ آپ کے فرزند علم اور خلق میں مشہور لاہور میں موجود تھے۔

منظوم تاریخ

پر تو افگن چو شد منور شاہ — درجہاں ہم چو ماہ پارۂ نور!
گشت تاریخ رحلتش روشن — از "منور ولی ستارۂ نور (سرور)"
انتقا ہوا یہ ناکی حامد کو بے مثال — "فیاض خوش مزاج" ہے تاریخ انتقال

۱۸۴۸ء

نوٹ:- اِسی سال رنجیت سنگھ کی حکومت کے خاتمے اور سکھوں میں خانہ جنگی سے تباہی کے بعد لاہور میں انگریزی راج شروع ہوا۔

شیخ محمود شاہ نقشبندی مجددی لاہوری قدس سرہٗ

مفتی غلام سرور حدیقۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ یہ بزرگ خدا پرست عابد وزاہد لاہور میں سکونت پذیر تھے۔ آپ کو طریق احمدیہ مجددیہ میں شیخ عبدالکریم مجددی سے فیض پہنچا تھا اور شیخ عبدالکریم شاہ غلام علی دہلوی سے فیض یاب تھے لاہور کے طالبانِ خدا اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مستفید ہوتے تھے۔ آپ تمام عمر گوشہ نشین رہ کر مشغولِ عبادت وریاضت رہے۔ آخر ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۳ء میں فوت ہو کر متصل مقبرہ سید گھوڑے شاہ سہروردی مدفون ہوئے۔ روضہ منورہ زیارت گاہ خلق ہے۔

منظوم تاریخ

بتاریخ او ناؔمی خوش بیاں "سیادت نشاں شاہ محمود" گفت
۱۲۸۰ھ

از ناؔمی حامد زمانہ! "تن بریاضت" است تاریخ
۱۸۶۳ء

یہ ہندوستان کی جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء سے چھ برس بعد کا واقعہ ہے۔ لاہور میں سکھ شاہی کے خاتمے کے بعد انگریزی راج ۱۸۴۹ء میں قائم ہو چکا تھا یعنی شاہ محمود کی وفات سے ۱۴ برس پہلے۔

لاہور میں

سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ

حضرت عبدالجلیل المعروف بہ قطب العالم چوہڑ شاہ بندگی

قریشی حارثی اچکاری لاہوری

آپ جلیل القدر سہروردی مشائخ میں سے ہیں۔ نسب شریف چار واسطے سے سلطان التارکین حمید الدین ابو المغیث حاکم بادشاہ کیچ مکران سے ملتا ہے کہ شیخ عبدالجلیل بن شیخ ابو الفتح بن شیخ عبدالعزیز بن شیخ عبدالجلیل بن شیخ شہاب الدین بن شیخ نور الدین بن سلطان التارکین حمید الدین حاکم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

شیخ عبدالجلیل کراماتِ ارجمند مقاماتِ بلند کے مالک فرد یگانہ اور قطب خانہ تھے۔ آپ کا سلسلۂ ارادت اپنے والد بزرگوار ابو الفتح کے علاوہ دوسرے بزرگوں سے بھی سیر و سیاحت کے دوران میں تھا۔ آپ نے ان سب سے کامل فیض اور فائدۂ تام حاصل کیا۔ دنیا بھر کی سیاحی کے بعد آپ قصبہ مومبارک واپس آکر جو شیخ حمید الدین حاکم کا مسکن و مدفن تھا کچھ عرصہ مکین رہے اور پھر ایمائے ربانی سے وطن کو چھوڑ کر لاہور کی طرف روانہ ہوئے۔ جب نصف راستہ طے کر چکے تھے تو خواب میں دیکھا کہ شیخ فرید الدین گنج شکر فرما رہے ہیں کہ یا شیخ مناسب یہ ہے کہ آپ اجودھن میں ہمارے روضہ پر آئیں اور اپنا حصہ جو ہمارے پاس ہے لیں اور پھر لاہور جائیں۔ چنانچہ شیخ اجودھن تشریف لے گئے اور چالیس دن حضرت گنج شکر کے روضہ مطہرہ میں خلوت گزین رہے اور آپ سے خلافتِ چشتیہ کا خلعتِ فاخرہ حاصل

کیا۔

راس کے بعد لاہور تشریف لاکر شہر مذکورہ کے متصل کوٹ کروڑ میں منزل گزین ہوئے۔ یہ ایک موضع تھا لاہور کے باہر جانب گوشہ ککفنی مشرق اور جنوب کے درمیان کہ اس وقت اس کا نشان بھی باقی نہیں۔

ایک دن شیخ دریا کی سیر کو تشریف لے گئے جو اس طرف بہتا تھا جب راوی کے نزدیک پہنچے تو دیکھا کہ ایک دوغ فروش عورت دریا کو عبور کر کے لاہور کی طرف آرہی ہے۔ شیخ نے اس سے پوچھا کہ اس دہی کی کیا قیمت ہے۔ اس نے جو قیمت بتائی وہ شیخ نے خادم کو فرمایا کہ دے دو جب قیمت ادا کر دی گئی تو شیخ نے عورت کو ارشاد فرمایا کہ دہی کے برتن کو زمین پر دے پٹکو۔ چنانچہ اُس نے ویسا ہی کیا۔ جب برتن ٹوٹ گیا۔ دہی میں سے مردہ زہرناک سانپ برآمد ہوا۔ عورت حیران ہوئی اور اپنے گھر جاکر اپنے شوہر راموں پسر ہانڈو گوجر سے بیان کیا جو گاؤں (ہانڈو) کا رئیس تھا۔ وہ علی الصباح شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کفر سے توبہ کر کے مشرف بہ اسلام ہو کر آپ کا مرید ہو گیا۔ شیخ نے اسے شیخ جلال کے نام سے موسوم فرمایا اور وہ ایک کامل ولی بن گیا۔ شیخ جلال موصوف کا مزار موضع ہانڈو میں ہے۔ میں جب حضرت اشرف اپنے خال محترم کے ساتھ شیخ جلال کی اولاد کے پاس گیا تھا تو انہیں اس مورثِ اعلیٰ کا مزار درست کرنے کو کہا تھا۔ اُمید نہیں کہ انہوں نے توجہ کی ہو کیونکہ اب ان میں بعض بزرگوں سے بد عقیدہ ہو گئے ہیں اور یہ بات ہم پیروں کی غفلت کا نتیجہ ہے۔

شیخ جمال الدین لاہحر نے جو شیخ عبدالجلیل کے بھائی اور خلیفہ تھے۔ شیخ موصوف کے احوال میں ایک کتاب بنام تذکرہ قطبیہ تالیف کی ہوئی ہے۔ اس میں فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت کی بیعت سے مشرف ہونے کا یہ سبب ہوا کہ میں ایک دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے ہاتھ میں ایک خشک لکڑی تھی۔ دل میں خیال آیا کہ اگر میرے ہاتھ کی یہ خشک لکڑی آپ کی کرامت سے چند بالشت بڑھ جائے تو میں آپ کا مرید بن جاؤں۔ شیخ نے نُورِ باطنی سے میرے دلی خیال کو معلوم کر لیا اور فرمایا کہ خدائے جل شانہٗ اس بات پر قادر ہے

کہ خشک لکڑی کو لمبی کر دے۔ اسی وقت وہ چند بالشت دراز ہو گئی۔ میں اسی وقت اٹھا اور آپ کے پاؤں پر سر رکھ کر مرید ہو گیا۔

حضرت شیخ عبدالجلیل کتاب دلائل الخیرات مؤلفہ ابو عبداللہ سلیمان جزولی رحمتہ اللہ علیہ کا بڑے ذوق و شوق سے ورد رکھتے تھے۔ یہ ذکرِ دُرُود شریف میں بہت عمدہ کتاب ہے۔ آپ ایک بار صبح اور ایک دفعہ وقتِ شام اسے ختم فرماتے تھے اور جس مرید پر زیادہ مہربان ہوتے اُسے اس کی مداومت کا حکم فرماتے اور اس سے اُس کی مشکلیں بوجہ احسن حل ہو تیں۔

واقعہ وفات :- شیخ عبدالجلیل اس طرح درج تذکرۂ قطبیہ ہے کہ ماہ رجب ۹۱۰ھ کی یکم تاریخ تھی (جو یکشنبہ ۸ دسمبر ۱۵۰۴ء کے مطابق ہے۔ ناگی) اور آپ کی پُر انوار مجلس میں شیخ یُونُس، شیخ جلال، شیخ مولا نجار، شیخ میٹھ سیاہ پوش، شیخ موسیٰ آہنگر، ملا قرآن، شیخ زین العابدین اور دوسرے چند نامدار خُلفاء اور اولیاء کبار حاضر تھے کہ ناگاہ آنحضرت نے سجدہ میں سر رکھ دیا اور جان، جانِ آفرین کو تسلیم کر دی۔ وقتِ غسل سُلطان سکندر لودھی جو اس وقت لاہور میں تھا حاضر اور شریکِ غسل ہوا جب غسل سے فارغ ہوئے تو تین دفعہ اللہ تعالیٰ کا اسمِ مبارک شیخ کی زبانِ حق ترجمان سے صادر ہوا۔ بعض لوگوں نے خیال کیا کہ ابھی آپ زندہ ہیں۔ اس کے بعد دو گھڑی تک آپ کے لب مبارک حرکت کرتے رہے۔ آخر نمازِ جنازہ پڑھ کر آپ کو آپ کی عالی جاہ خانقاہ میں جو لاہور شہر سے باہر ہے دفن کر دیا۔ آنحضرت کا مزار پُر انوار زیارت گاہ خلق ہے اور صاحبِ تذکرۂ قطبیہ شیخ لاہحر نے شیخ جامع الکرامات کی تاریخ وفات لفظ شیخ ۹۱۰ھ سے اخذ کی ہے۔ از مؤلف:

شہ عبدالجلیل آں قطبِ عالم | بروئے او کشاد از فضلِ حق باب
جنابش افضلِ دنیا و دین است | تو سالِ رحلتش از "فضل" دریاب
۹۱۰ھ
دگر از دل بہ سرور سالِ وصلش | ندا آمد کہ "مہتابِ جہاں تاب"
۹۱۰ھ
چو عبدالجلیل از جہاں رخت بست (ایضاً) | بجو سالِ وصلش بطرزِ جمیل (سرور)
بگے "تاجِ عرفانِ امجد مجید" | دگر مہدیٔ حق خلیل و جلیل؟
۹۱۰ھ
پئے عیسوی سال اے ابنِ حامد | بجو "فضل حق شاہ عبدالجلیل" (ناؔمی)
۱۵۰۴ء

نوٹ:- (از ناؔمی) مفتی غلام سرور مرحوم نے یہ چند واقعات تذکرہ قطبیہ سے اخذ کئے ہیں جس کے مؤلف اپنے عہد کے مشہور فاضل ہوئے ہیں جیساکہ عہدِ جہانگیر کے مصنف مولوی محمد غوثی نے کتاب اذکارِ ابرار میں بیان کیا ہے یہ کتاب ۱۰۱۲ء عہدِ جہانگیر کی مصنفہ ہے۔

شیخ ابوبکر سلطان سکندر لودھی کے ساتھ آگرہ میں جا رہے تھے اور اس شہر کے محلہ جوگی پورہ میں آپ کا مزار ہے۔ میں دو دفعہ آپ کے مزار کی زیارت کے لئے آگرہ جا چکا ہوں اور یہ دیکھ کر مایوس ہوا کہ وہ محفوظ نہیں ہے۔

راوی کا بہاؤ:- آپ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عبدالجلیل کے خلیفہ سید مولانا بایزید ہاشمی قریشی فرزند قاضی رفیع الدین ساکن ماتحلہ کا مزار جو کوٹ کروڑ اور شیخ کاکو کے مزار کے درمیان بر لبِ دریا واقع ہے۔ یعنی میکلوڈ روڈ پر۔ اس بات کو موجودہ نسل سن کر حیران ہوگی مگر یہ حقیقت ہے۔ حضرت عبدالجلیل کی خانقاہ کے شمال و جنوب کی سمت واقع نشیبی زمین کی طرف بہ نظرِ غائر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یہاں کسی زمانے میں دریا بہتا تھا۔ اُوپر جو مفتی صاحب مرحوم نے گوجری کا دریا عبور کر کے موضع ہانڈوسے) آنا بیان

کیا ہے اس سے مراد اسی طرف کا دریا ہو سکتا ہے۔

چونکہ تذکرۂ قطبیہ اور تاریخ جلیلہ میں حضرت عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی کے مفصل حالات درج ہو چکے ہیں اس لئے میں یہاں زیادہ لکھنا تحصیلِ حاصل سمجھتا ہوں اور لکھنا مناسب نہیں سمجھتا۔

میرے خال محترم پیر محمد اشرف عالم شاہ مرحوم رئیس رتہ پیراں نے (یہ موضع جو پہلے ضلع امرتسر کے حدود میں شامل تھا اور پھر سیالکوٹ اور اب شیخوپورہ میں ہے) اپنی مملوکہ اراضی سے لاہور قلعہ گوجر سنگھ میں واقع چاہ چوہڑ شاہ بندگی والی زمین 'جو اس وقت بیس لاکھ روپیہ کی مالیت کی ہے 'وقف فرما کر مجھے متولی مقرر کیا تھا تاکہ میں اس کی آمدنی سے بزرگوں کا نام زندہ رکھنے کے لئے ان کے آثار کو قائم رکھوں اور اپنی خُداداد قابلیت سے کام لے کر ان کے حالات شائع کروں' چنانچہ میں نے اس سلسلہ کو دلی شوق و ذوق سے پورا کیا اور کر رہا تھا کہ محکمہ اوقاف نے اوقافِ اشرف پر قبضہ کر لیا (عرس بھی نہیں کیا) اور میں اس سلسلۂ مُفید و کو جاری رکھنے سے معذور ہو گیا۔ اب میں نے بزرگانِ لاہور کے حالات جو لکھنے شروع کئے ہیں تو بسم اللہ حضرت عبدالجلیل کے اسمِ مبارک سے ہی کی ہے اور قُدرتاً سلسلہ سہروردیہ کے لاہور میں تشریف لانے والے پہلے بزرگ آپ' ہی ہیں۔ (ناؔمی نزیل پاکپتن نزد فرزندم محمد ابوبکر بی۔ ایس۔ سی (قُطن) (کاٹن انسپکٹر مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۱۶ء)

حضرت عبدالجلیل کے دو اور لاہوری مرید و خلفاء کا ذکر تذکرۂ قطبیہ میں ہے۔ [1]

---

[1] حضرت عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی اور ان کے خلفائے کرام نیز اولادِ امجاد کے مفصل حالات کے لئے "تاریخ جلیلہ" مؤلفہ ناؔمی صاحب قبلہ ملاحظہ فرمائیں (نسیم افضل)

سیّد عثمان المشہور شاہ جھولہ لاہوری رحمتہ اللہ الباری

سید عثمان ذوق و شوق اور جذب و استغراق والے پیر روشن ضمیر تھے۔ مقامِ اوچ سے آکر لاہور مکین ہوئے اور خلقِ کثیر کو اپنی ارادت سے سرفراز فرمایا اور مقبولِ انام ہوئے۔ چھوٹے بڑے وضیع و شریف نے آپ کا اتباع کیا۔ علمائے عہد نے بھی آپ کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کے سوا چارہ نہ دیکھا۔

نسب :- آپ کا آبائی نسب چند واسطوں سے حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین اوچی قدس سرہٗ سے ملتا ہے۔ یعنی آپ سید محمود اوچی بن سید بہاء الدین بن سید حامد بن سید محمد شاہ بن سید رکن الدین المخاطب بہ ابوالفتح بخاری اوچی بن سید حامد بخاری الملقب بہ نور بہار صاحب دستار بن سید ناصر الدین بن سید جلال الدین مخدوم جہانیاں رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے فرزند دلبند تھے۔ یہ تمام حضرات سلسلہ سہروردیہ میں اپنے آبائے کرام کے مرید تھے۔

جھولہ ہونے کا سبب :- سید عثمان موصوف کے شاہ جھولہ بخاری مشہور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ اوچ سے لاہور کی طرف شتر سوار آرہے تھے تو اونٹ کو تیز چلانے کی وجہ سے آپ کے بازو ہل رہے تھے تو آپ نے اپنے بازوؤں کو مخاطب فرما کر کہا کہ تم ایسی حرکت کیوں کرتے ہو شاید تمہیں جھولہ ہوگیا ہے۔ اس کہنے پر واقعی بازو رعشہ زدہ ہوگئے اور آخری دم تک یونہی رہے۔ پنجابی میں جھولہ رعشہ کو کہتے ہیں۔

سید عثمان کی وفات آپ کی اولاد کے شجرۂ قدیمہ کے مطابق ۸ ربیع الاول ۹۱۲ھ کو سلطان سکندر لودھی کے عہد میں واقع ہوئی۔ مزار پُرانوار قلعہ لاہور کے اندر تہہ خانہ میں ہے۔ یہ جگہ قلعہ اکبری کی تعمیر سے پہلے شہر لاہور کی آبادی کے اندر واقع تھی آپ شیخ حسینی شیخ پیر کے نام سے مشہور ہیں۔

قطعہ تاریخ از مفتی غلام سرور مرحوم لاہوری

میر عثمان چوگشت راہیٔ خلد — یافت از حق بباغِ خُلد مکاں
گو وصالش "امیر عثمان" بود! — "معدن جود سید عثمان"
۹۱۲ھ — (مطابق ۹ر اگست ۱۵۰۶ء ۹۱۲ھ)

سال عیسوی تاریخ چاہو! — تو ہی سے سنو عثمانِ مہ رُخ
۱۵۰۶ء

شیخ موسیٰ آہنگر سہروردی لاہوری قدس سرّہٗ

شیخ موسیٰ حضرت شیخ عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی کے خلفاء میں سے نامدار ولی اور سید اول مریدین میں سے با اقتدار ہوئے ہیں۔ ابتداء میں آپ شیخ شہر اللہ بن یوسف سجادہ نشین روضہ عالیہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید تھے۔ جب وہ فوت ہوگئے تو شیخ عبدالجلیل کی خدمت میں حاضر ہو کر پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ حضرت عبدالجلیل کے تذکرہ نویس (شیخ جمال الدین ابابکر) فرماتے ہیں کہ جب شیخ شہر اللہ ملتانی کے آخری وقت شیخ موسیٰ حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ عُلومِ باطن کے چند دقائق و حقائق جناب کی خدمت میں ابھی حل کرنے باقی ہیں۔ ان کے متعلق کچھ وہ ارشاد فرمائیں جو اس کمترین کی بہبودی کا موجب ہو۔ شیخ شہر اللہ نے فرمایا کہ ان کی تکمیل قطب العالم عبدالجلیل لاہوری کی خدمت میں حاضر ہونے سے ہوگی۔ لہٰذا وہاں جاؤ اور اپنا نصیب حاصل کرو۔ پس شیخ موسیٰ شیخ شہر اللہ کی وفات کے بعد لاہور کی جانب روانہ ہوئے اور خانقاہ شیخ عبدالجلیل کے باہر فقراء کے زمرہ میں خاموش بیٹھ رہے۔ شیخ عبدالجلیل نے نورِ باطن سے شیخ موسیٰ کا حال معلوم کیا اور حجرہ کے اندر سے فرمایا کہ شیخ موسیٰ نووارد ملتان سے خانقاہ میں آیا ہے۔ اسے میرے پاس لاؤ۔ خادموں نے آواز دی کہ شیخ موسیٰ کہاں ہے' آئے۔ پس وہ حاضرِ خدمت ہوئے اور کئی سال

شیخ عبدالجلیل کے پاس رہے اور اپنے کام کو تکمیل تک پہنچایا۔ ان کا بڑے اولیاء میں شمار ہوا۔ حضرت شیخ نے بھی ان کی جدائی گوارا نہ کی اور اپنی خانقاہ کے پاس دو بگھہ زمین انہیں مرحمت فرمائی جہاں انہوں نے اپنا مکان تعمیر کیا اور کسبِ حلال کے لئے لوہار کا کام شروع کیا۔

ایک دن شیخ موسیٰ لوہار کا کام کرنے میں مشغول تھے کہ ایک عورت اپنا تکلہ سیدھا کرانے کے لئے آئی اس کا نام ہیرو تھا۔ وہ خوبصورتی میں بے نظیر تھی۔ اس نے واجبی اجرت پر تکلہ شیخ کے حوالے کر دیا۔ آپ نے اسے بھٹی میں ڈال دیا۔ ایک ہاتھ میں دھونکنی تھی اور دوسرے میں چمٹا اور نظر اس عورت کی طرف۔ آپ اس کی صورت گر کی صنعت کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ جب اس حالت میں ایک گھڑی گزر گئی تو عورت جھلائی اور بولی کہ تو کیسا دکاندار ہے کہ بیگانی عورت کو گھور رہا ہے اور خدا سے نہیں ڈرتا۔ تکلہ آگ میں ڈالے ہوئے ایک گھڑی گزر چکی ہے اور میرے جمال پر مفتون ہو گیا ہے۔ یہ بات سن کر اس بیدار دل شیخ موسیٰ نے آہنی دوک (تکلہ) آگ سے نکالا اور سلائی کی طرح اپنی آنکھوں میں پھیر کر فرمایا اے ماں اگر میں نے تجھے دیکھا ہے تو میری آنکھ جل جائے اگر تیرے پیدا کرنے والے (خالق) کو دیکھا ہے تو یہ لوہے کا تکلہ سونا بن جائے۔ چنانچہ اُسی وقت وہ تکلہ خالص سونا بن گیا۔ جب اس عورت نے یہ ظاہری کرامت دیکھی تو دنیا سے دل برداشتہ ہو کر اور جامِ عشقِ الٰہی کی مستانی ہو کر دیوانہ وار کوچہ و بازار میں پھرنے لگ گئی اور گھر بار سے اُس کا دل اچاٹ ہو گیا اور سو جان سے مالکِ حقیقی کی عاشق ہو گئی۔ اسی حالت میں چند برس بسر ہوئے۔ گھر والوں نے اسے پکڑ کر زنجیر بند کر دیا۔ اس نے کسی تدبیر سے اس قید سے رہائی پائی اور پھر کوچہ و بازار میں سر و پا برہنہ پھرنے لگی۔ آخر ایک دن اپنی میٹھی جان 'جان سپار' کو سونپ دی۔ لوگ اس کے کفن دفن کا انتظام کرنے لگے۔ شیخ موسیٰ اس کے سرہانے پر آئے اور فرمایا کہ اس کشتۂ الٰہی کی تجہیز و تکفین میں مصروف نہ ہو شاید کہ یہ زندہ ہو۔ ابھی آپ نے یہ لفظ منہ سے نکالے ہی تھے کہ مسمات ہیرو کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ جی اٹھی شیخ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور تمام عمر آپ کی خدمت میں بسر کر دی۔ جب فوت ہوئی تو شیخ موسیٰ کے روضہ میں اسے دفن کیا

گیا چونکہ دوسرا چھوٹا سا مزار جو آپ کے روضہ کے متصل ہے اسی پاک دامن عفیفہ کا ہے۔

کہتے ہیں کہ جب شیخ موسیٰ نے اپنے مرشد حضرت عبدالجلیل قطب العالم کی عطا کردہ زمین میں اپنا روضہ تعمیر کرنا چاہا تو معماروں کو بلا کر اس کی بنیاد رکھی۔ ان میں چند ہندو معمار بھی تھے انہیں ایام میں وہ دن بھی آ گئے جب ہندو جا کر دریائے گنگا میں نہاتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا کہ نہ جاؤ۔ جب غسل کا دن آئے تو مجھے بتانا۔ چنانچہ وہ دن آیا تو ہندوؤں نے آپ کو اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا کہ اس حوض میں (جو روضہ میں ہے) جا کر ڈبکی لگاؤ گنگا پہنچ جاؤ گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بعد غسل جب انہوں نے غوطہ مار کر سر نکالا تو حوض میں موجود تھے۔

شیخ موسیٰ آہنگر کہ شیخ مسلم تھے (از قوم ہودلہ جو اپنے آپ کو حضرت صدیق اکبر کی اولاد سے بتاتے ہیں۔ تاجی) بقول صحیح ۹۲۵ھ مطابق ۱۵۱۹ء میں فوت ہوئے یعنی ابراہیم لودھی کے عہد میں آپ کا مزار پُر انوار لاہور میں بر نگ سبز (میکلوڈ روڈ پر حضرت عبدالجلیل کی خانقاہ سے جنوب کی طرف حضرت اشرف کی وقف کردہ زمین کے متصل ہے)

تاریخ وفات از مفتی غلام سرور لاہوری

چو نور طور عرفاں شیخ موسےٰ
شد از دنیا بخلد جاودانی

سرِ و رشد عیاں تاریخ سالش
ز "سلطانِ زماں موسیٰ ثانی"
(۹۲۵ھ مطابق ۱۵۱۹ء)

چو از دنیا بجنت رفت آخر
ولیٔ جامع اوصاف موسےٰ

وصالش شد رقم "سر خداوند"
۹۲۵ھ
دوبارہ "راہبر کشاف موسےٰ"
۹۲۵ھ

پئے سالِ رحلت تو اے ابنِ حامد
بجو "شیخ موسیٰ ولایت ولی" (تاجی)
۱۵۱۹ء

سیّد جھولن شاہ المشہور گھوڑے شاہ

بخاری لاہوری رحمتہ اللہ علیہ

سید جھولن شاہ موصوف، سید عثمان جھولہ (نمبر ۲) کے فرزند (سید شاہ محمد) کے بیٹے ہیں۔ شجرہ جدی سید جلال الدین مخدوم جہانیاں سے ملتا ہے جو سید عثمان کے حال میں درج ہو چکا ہے۔ آپ کا نام بہاؤالدین تھا۔ مادر زاد ولی تھے۔ پانچ برس ہی کے سن میں آپ سے کرامات ظاہری ہونی شروع ہوئیں۔ بچپن میں آپ کو گھوڑوں سے دلی رغبت تھی۔ جو شخص آپ کی خدمت میں آکر مٹی کا گھوڑا پیش کرتا فوراً فیض مراد ہو جاتا۔

جب آپ کی ولایت کا شہرہ نزدیک و دور پہنچا تو لوگ حصولِ مُراد کے لئے جُوق در جُوق آنے شروع ہوئے۔ اس بات کی اطلاع آپ کے والد بزرگوار کو ہوئی تو ان کو رنج ہوا اور دعا کی کہ خدایا یہ لڑکا تیرے اَسرار کا کاشف اور استار کا مظہر ہو گیا ہے اس لئے اس کا دنیا سے اُٹھ جانا بہتر ہے۔ دعا کا تیر نشانے پر بیٹھا اور سید معصوم شاہد حقیقی سے جاملا۔

سید جھولن شاہ کی وفات حسب شجرۂ نسب سید حاکم شاہ محمد شاہ جو سید جھولن شاہ کے حقیقی بھائی سید عماد الملک کی اولاد سے لاہور میں سکونت پذیر ہیں اا ربیع الاول ۱۰۰۳ھ مطابق ۱۴ نومبر ۱۵۹۴ء کو اکبر بادشاہ کے عہد میں ہوئی۔ مزار پُرانوار زمین حاجی نالہ بیرون لاہور شالامار کی قدیم سڑک پر مقبرہ محمد شاہ کے مقابل زیارت گاہ خلق ہے۔ آپ کی وفات کے بعد سید شہباز بن عماد الملک ۷ رجب ۱۰۴۱ھ کو اور سید گھوڑے شاہ بن عارف شاہ بن عماد الملک ۲۲ رجب المرجب ۱۰۵۰ھ کو وفات پاکر مزار جھولن شاہ کے پہلو میں دفن ہوئے اور جو صاحب تحقیقاتِ چشتی نے لکھا ہے کہ حضرت جھولن شاہ کا نام شاہ محمد حفیظ ہے اور ارادت سلسلہ چشتیہ صابریہ کے محسن شاہ سے اور ان کی جان محمد چشتی لاہوری سے وہ محض غلط ہے۔

تاریخ وفات جھولن شاہ از مفتی غلام سرور مرحوم

شاہ جھولن چوں ز دنیا رخت بست   سال وصل آں ولی بحر و بر!
"عالم اسرار جھولن شاہ" داں   نیز "جھولن شاہ شاہِ نامور"
۱۰۰۳ھ   ۱۰۰۳ھ
تم سے تاریخ پوچھیں گر ہاں   تو کہو "مُرشدِ معظم" ہے!
۱۵۹۴ء

سید شاہ محمد بن سید عثمان جھولہ بخاری والد بزرگوار کی وفات کے بعد اوچ سے پنجاب کی طرف روانہ ہوئے اور کلانور کے پاس واقع موضع چک سردا میں مقام کیا۔ وہاں کے زمیندار سارنگ نے آپ کے مویشیوں کو پانی پلانے کی اجازت نہ دی۔ خدام سے یہ واقعہ سن کر آپ نے اپنے دودستی نیزہ کو زمین پر مارا تو چشمۂ آب پھوٹ نکلا اور سارنگ کے کنویں کا پانی خشک ہو گیا۔ یہ کرامت دیکھ کر سارنگ حاضرِ خدمت ہوا۔ طالبِ معافی ہو کر مُرید ہوا اور دین و دنیا میں معزز و ممتاز ہوا۔ اب تک وہاں اُس کی اولاد کے کئی گاؤں آباد ہیں۔

سید شاہ محمد ۱۱ ربیع الثانی ۱۰۱۱ھ مطابق ۱۸ ستمبر ۱۶۰۲ء کو فوت اور موضع ملکہ ضلع لاہور میں مدفون ہوئے۔ آپ کے پانچوں فرزند (سید عماد الملک، سید بہاء الدین جھولن شاہ المشہور گھوڑے شاہ، سید شاہ عالم بھاون شاہ اور نورنگ شاہ) صاحبِ کرامت بزرگ ہوئے ہیں۔

تاریخ رحلت از مفتی صاحب مرحوم

شہ محمد چوں ز دنیا رخت بست　　گفت "اعظم" سال ترحیلش عیاں

١٠١١ھ

باز شد پیدا زول "شیخ امیں"　　"صاحبِ فضل" است ہم اے مہرباں

١٠١١ھ

"شہ محمد عارف ربانی" است　　سالِ وصل آں شہِ والا مکاں

١٠١١ھ

بہر تاریخ رحلتِ سید　　گفت ناقی "صوفی ذی اقتدار"

١٦٠٢ء

شیخ حسن کنجد گر المشہور حسو تیلی لاہوری قدس سرہٗ

شیخ حسن موصوف 'شاہ جمال لاہوری کے خلیفہ ہیں۔ پہلے لاہور میں غلہ فروشی کی دکان کرتے تھے۔ ایک دن شاہ جمال لاہوری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعائے خیر چاہی۔ انہوں نے نصیحت کی کہ غلہ پورے تول تولا کرو۔ چنانچہ آپ نے کم وزنی ترک کر دی اور پورا تولنے لگے بلکہ یہ طریقہ اختیار کر لیا کہ جو گاہک آتا۔ ترازو اُس کے ہاتھ میں دے دیتے کہ خود تول لو۔ چنانچہ جو زیادہ تول کرلے جاتا اس کا غلہ گھر جا کر کم نکلتا اور جو پورا تولتا اس کا بڑھ جاتا۔ کئی سال آپ کا یہی معمول رہا اور کاروبار میں اس قدر ترقی ہوئی کہ آپ نے باٹ سونے کے بنا لئے۔

ایک دن یہ باٹ شاہ جمال کی خدمت میں لے گئے اور عرض کیا کہ آپ کی توجہ سے اس قدر کشائش اور برکت ہوئی ہے کہ بجائے ترازو بھی سونے کے بنا لئے ہیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ انہیں لے جا کر دریا میں پھینک دو۔ آپ تعمیلِ حکم کے لئے فوراً دریا پر گئے اور باٹ دریا میں ڈال دیئے۔ دو روز بعد دیہات سے غلہ فروش لاہور آتے ہوئے دریا سے گزرے تو وہ سنہری باٹ اُن کے پاؤں کے نیچے آ گئے۔ اُن کو معلوم تھا کہ یہ باٹ شیخ حسن کے

ہیں۔ لہٰذا انہوں نے لا کر انہیں دے دیئے۔ شیخ حسن پھر یہ باٹ شاہ جمال کے پاس لے گئے اور دریا سپرد کئے ہوئے پھر میرے پاس آ گئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا یہ راستی کا امتحان تھا۔ جب تو نے کم تولنا چھوڑ دیا تو مال میں برکت آئی اور جو تو نے حلال کمائی سے پیدا کیا اور دریا میں بھی ڈالا تو بھی ضائع نہ ہوا اور تیرے پاس لوٹ آیا۔

یہ بات سُن کر حسن اُسی وقت تارکِ دنیا ہو گئے اور اپنی دکان فی سبیل اللہ لٹا دی اور شاہ جمال کی ارادت اختیار کر کے زہد و ریاضت میں مشغول ہو گئے اور چند سال میں کمال کو پہنچ کر ولایت کے درجہ پر فائز ہوئے۔ آپ کی کرامات زبان زدِ خلائق ہیں۔ بقول صحیح ١٠١٢ھ مطابق ١٦٠٣ء میں فوت ہوئے۔ مزار لاہور میں مشہور ہے۔

تاریخِ وفات از مفتی صاحب مرحوم

رفت از دہر در بہشت بریں　　چو حسن شیخ متقی مخدوم

رحلتش ہست "شیخ اہل اللہ"　　نیز "محسن حسن ولی مخدوم"

١٠١٢ھ　　١٠١٢ھ

ز وگر پہ سند نامی جو　　کہ "عطش نشان" است تاریخ او

١٦٠٣ء

تاریخ لاہور انگریزی کے صفحہ ٢٠٢ میں مرقوم ہے کہ حسو تیلی کا مزار کلب ہاؤس کے شمال کو قلعہ گوجر سنگھ کے جنوب کو اس سڑک کی بائیں طرف ہے جو میو ہسپتال سے گورنمنٹ ہاؤس کو جاتی ہے۔ مزار چار دیواری کے اندر ہے۔ دروازہ جنوبی سمت ہے۔ یہ بزرگ بڑے پرہیزگار تھے۔ لوگ ان کے بڑے عقیدت مند ہیں۔ سیر العارفین کی تحریر کے مطابق آپ مادھو لال حسین کے ہمعصر تھے۔ آپ کی دکان چوک جھنڈا میں موجود ہے۔ لوگ اس کی عزت کرتے ہیں اور آپ کے مسکن پر ہر روز چراغ جلاتے ہیں۔ آپ شاہ جمال کے مرید تھے۔ جن کا مزار اچھرہ میں ہے۔ آپ اورنگ زیب کی وفات سے چار برس بعد ١٠٢٥ھ مطابق ١٦١٦ء میں فوت ہوئے۔ لاہور کے تیلی مزار کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہر سال عرس ہوتا ہے جس میں خلق کثیر حاضر ہوتی ہے۔

حضرت میراں محمد شاہ المشہور بموج دریابخاری قدس سرہٗ

حضرت موج دریا بخاری جلیل القدر بخاری سادات سے سہروردی بزرگ ہیں۔ آپ کا نسب ان واسطوں سے سید جلال الدین شریف اللہ سُرخ بخاری اوچی سے ملتا ہے۔ آپ (میراں محمد شاہ) بن سید صفی الدین بن سید نظام الدین بن سید علم الدین ثانی بن سید جلال الدین بن سید علم الدین اول بن سید ناصر الدین بن سید جلال الدین مخدوم جہانیاں بن سید احمد کبیر بن سید شیر شاہ جلال الدین الاعظم امیر سُرخ بخاری رحمتہ اللہ علیہم اجمعین۔ میراں محمد شاہ اپنے وقت کے شیخ، مقتدائے زمانہ، عالی قدر ولی اور بلند مرتبہ بزرگ تھے۔ اوچ میں متمکن تھے کہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ ہندوستان نے آپ کو مدعو کیا اور آپ اس سے چتوڑ گڑھ میں ملے اور اس جگہ کے قلعہ کی فتح کے لئے دعا سے امداد فرمائی اور مقبول خلق ہوئے۔ بادشاہ نے بڑی جاگیر علاقہ پرگنہ پٹیالہ میں نذر کی۔ فرامین عطائے جاگیر بادشاہی مُہروں سے مزین تاحال آپ کی اولاد کے پاس موجود ہیں۔ چونکہ بعض دیہاتِ جاگیر لاہور میں تھے۔ اس لئے آپ لاہور میں سکونت پذیر ہوئے اور فرمایا کہ ہمارا لنگر تین جگہ جاری کیا جائے۔ ایک لاہور کی خانقاہ میں۔ دوسرا موضع خان فتا متصل چھالیہ میں تیسرا ہمیانوالہ میں۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کے مطابق لنگر جاری ہوئے اور طالبانِ حق، درویشوں مسکینوں کو بافراغت روٹی ملنے لگی۔

ایک دن ایک منکر نے میراں محمد شاہ موج دریابخاری کی مجلس میں کہا کہ پنجابی کا مقولہ ہے کہ سیّد سُتّی نہیں کاٹھ دی کُتّی نہیں۔ یعنی سید سُتّی نہیں اور دیگ لکڑی کی نہیں ہوتی اور یہ بھی کہا کہ بیان کرتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں آگ سید کو نہیں جلاتی تھی۔ ایک دفعہ ایک سید صاحب آگ میں جا پڑے مگر ان کا ایک بال بھی نہ جلا۔ اب ممکن نہیں کہ کوئی ایسا صحیح النسب سید موجود ہو۔ حضرت موج دریا بخاری یہ سن کر جلال میں آگئے اور لکڑی کی ایک دیگ منگوائی اور دونوں پاؤں کو چولہا بنا کر اس میں آگ جلوائی اور اس میں چاول پکائے اور منکر

کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دیکھو سیّد سُتّی ہے اور دیگ لکڑی کی اور آگ نے سیّد کے پاؤں کو نہیں جلایا۔

اولاد :- یہ ثابت ہے کہ حضرت میراں محمد شاہ کے تین فرزند ارجمند مصدرِ جلال اور مظہرِ کمال تھے۔ بڑے سید صفی الدین نے اپنے جد بزرگوار کے نام پر موسوم ہوئے۔ دوسرے سید بہاء الدین جو بزرگ اور متقی تھے۔ ان دونوں کی والدہ حضرت بی بی کلاں بنت سید عبدالقادر ثالث بن عبدالوہاب بن سید محمد غوث بالا پیر گیلانی تھیں اور ماں باپ کی طرف سے ان کا حسب و نسب صحیح تھا۔ تیسرے سید شہاب الدین المشہور شہاب الدین نہرا (مزار در بھوگی وال) جو بی بی نورنگ کے بطن سے تھے اور بٹالہ میں سکونت پذیر ہوئے کیونکہ ان کی والدہ اسی جگہ مکین تھیں اور سابق الذکر ہر دو صاحبزادوں کی والدہ ماجدہ لاہور میں سکونت پذیر ہیں۔ مگر ایک قلمی کتاب میں حضرت موج دریا بخاری کے چار بیٹوں کا ذکر ملتا ہے اس نے فتح اللہ شاہ المشہور فتح شاہ بخاری مدفون امر تسر بیرون دروازہ لوہگڑھ والا ہوری کو آپ کا چوتھا بیٹا بتایا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تاریخِ ولادت و وفات :- حضرت موج دریا بخاری کی ولادتِ باسعادت ۹۳۰ھ میں ہوئی اور سالِ رحلت ۱۰۱۳ھ مطابق ۱۶۰۴ء ہے۔ عمر ۸۳ برس۔

مفتی غلام سرور مرحوم نے جو تاریخیں لکھیں وہ حسب ذیل ہیں۔

سیّد پاک بحرِ عرفانی   موج دریا ولیٔ والا جاہ
"سید دین، پیر روشن دل"   ہست تولید او عیاں چوں ماہ
۹۳۰ھ
سالِ وصلش چو از خرد جستم   گفت دل "خواجۂ محمد شاہ"
۱۰۱۳ھ
بہر تاریخ وصالش ہاتفی حامد بگفت   "موج دریائے بخارا عزت بزم" است سال
۱۶۰۴ء

سید محمد لطیف مرحوم نے تاریخ لاہور میں جو قطعے نقل کیے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔ ۱۔ جنوبی سامنے کے دروازے پر۔ روضہ مقدسہ زبدۃ الواصلین قدوۃ العارفین مقبولِ بارگاہ ایزدباری میراں سید محمد شاہ موج دریا بخاری نور اللہ مرقدہٗ۔ در عہدِ اکبر شاہ تعمیر یافت۔

۲۔ روضہ کی دیواروں پر۔

ز وضات جہاں بردار دل را
رُخِ وَجَّهتُ وَجْهِیَ در خدا کن
کہ آخر کارِ دنیا نا تمام است
بتوفیقِ خدائے لطف گستر
بسعیٔ سید رحمت شاہ بخاری
خرد تاریخ او در گوش ہر کس

ز جسم خلق داں ایں آب و گل را
دل خود را ازیں دنیا جدا کن
درونِ خاک ہر کس را مقام است
باروا حِ بزرگانِ مطہر
مرتب گشت اسفیداج کاری
بگفتا "روضہ والا مقدس"
۱۲۵۳ھ (مطابق ۱۸۳۷ء)

۳۔ شمالی دیوار کے اوپر یہ شعر لکھا ہے۔

محمد عربی کابروئے ہر دو سرا است — کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سرِ او

نوٹ:۔ سید صاحب موصوف یہ بھی کہتے ہیں کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ اس روضہ کی بڑی عزت کرتا تھا۔ اس نے چالیس روپیہ ماہوار مرمت کے لئے لگا رکھے تھے۔ علاوہ دیگر نذرانوں کے۔

سید سُلطان جلال الدین

بن سید صفی الدین بخاری قُدِّس سرُّہٗ

حضرت جلال الدین موصوف حضرت موج دریا بخاری کے سگے بھائی ہیں۔ آپ عُلوم ظاہری اور باطن کے جامع تھے اور صوری اور معنوی کمال حاصل تھا۔ عابد وزاہد اور تارکِ دنیا تھے۔ دنیا اور اہلِ دنیا سے کچھ سروکار نہ تھا۔ تجرید و تفرید میں یگانۂ روزگار تھے حضرت موج دریا کی طرف ان کو بہت رغبت اِس لئے نہیں تھی کہ ان کا کچھ تعلق دنیا سے بھی تھا۔ آپ رات دن ویران جگہوں میں مصروف عبادت رہتے تھے۔

وفات و مزار:۔ آپ ۱۰۱۶ھ مطابق ۱۶۰۷ء میں واصل حق ہوئے۔ مزار گوہر بار مقبرہ بی بی حاج و تاج (بیبیاں پاک دامن دختران حضرت سید احمد توختہ ترمذی) کے دیوار بدیوار جانب غرب ہے۔ عوام الناس اسے حضرات بیبیان کے استاد کا روضہ کہتے ہیں۔ آپ کی اولاد موضوع بھوگیوال متصل لاہور میں سکونت پذیر ہے۔

تاریخ وفات از مفتی صاحب مرحوم

شد جلال الدین چو از دنیا خلد
"خواجۂ کشاف" او عاشق مقتد است"
۱۰۱۶ھ ۱۰۱۶ھ
گرز ہاتی پرسی اے ہشیار

وصلِ آں روحِ جہاں جان بہشت
ہم "جلال الدین سلطان بہشت"
۱۰۱۶ھ
ہست تاریخ "مظہرِ اسرار"
۱۶۰۷ء

سیّد عماد الملک بن سید شاہ محمد جھولہ بخاری قُدّس سِرّہٗ

سید عماد الملک موصوف لاہور کے مشائخ عظام اور ساداتِ ذوی الاکرام میں سے بڑے باکرامت بزرگ ہیں۔

آپ کی ایک کرامت یہ ہے کہ ایک شخص سنگِ پارس کا ایک ٹکڑا بغرض امتحان لایا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے سجادہ کے نیچے رکھ دو وہ اسے رکھ کر چلا گیا۔ مدت کے بعد اس نے آکر وہ مانگا۔ فرمایا جہاں رکھا تھا۔ وہاں سے اُٹھالو۔ جب اُس نے سجادہ اُٹھایا تو دیکھا کہ وہاں کئی سنگِ پارس پڑے ہیں۔ حیران ہو کر عرض کیا کہ میں نہیں پہچان سکتا کہ میرا کون سا ہے۔ آپ نے اُس کا ٹکڑا اُٹھا کر اُسے دے دیا۔ اُس نے یہ کرامت دیکھ کر آپ کے پاؤں پر سر رکھ دیا اور آپ کا مرید ہو گیا۔

وفات :- سید عماد الملک ۱۰۳۹ھ مطابق ۱۶۲۹ء میں فوت ہوئے۔ آپ کا عالی شان روضہ سید جھولن شاہ المشہور گھوڑے شاہ بخاری کے مزار کے سامنے تعمیر ہوا۔ جب رنجیت سنگھ نے تعصب سے اسے مسمار کر دیا تو آپ کی نعش کو وہاں سے نکال کر حضرت شاہ بلاول قادری کے مزار کے متصل علیحدہ چبوترے پر دفن کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ والی مسجد ابھی تک باقی ہے۔ شیخ محمود شاہ مجددی نے اس مسجد کے پاس اپنا روضہ تعمیر کیا۔ اصل حال یہ ہے جو مذکور ہوا اور بعض حیوان صفت عوام جو اس مسجد کو مسمات سودن طوائف کی مسجد کہتے ہیں وہ جھوٹ بکتے ہیں۔

تاریخ وفات از مفتی صاحب مرحوم

چو از دنیا بفردوس بریں رفت	عمادی الملک معصوم زمانہ
زدل سالِ وصالش جلوہ گر شد	"عمادی الملک مخدوم زمانہ" ۱۰۳۹ھ
اگر پرسند نامی سالِ رحلت	بجوئی بر محل "خورشید طلعت" ۱۶۲۹ء

سید شہابُ الدین نہرا

بن میراں محمد شاہ موج دریا بخاری قُدّس سِرّہٗ

سید شہابُ الدین موصوف کو سعادتِ وُلایت اور کرامت میراث میں ملی تھی۔ آپ اپنے وقت کے قطب اور مردِ یگانہ تھے۔ ساری عمر ذوق شوق اور ہدایتِ خلق میں بسر کی اور آپ سے بہت سی کرامتیں ظاہر ہوئیں۔

ایک مشہور کرامت یہ ہے کہ آپ کے عہد میں ایک شخص شیر شاہ نام حاکم تھا۔ جو اپنے آپ کو صحیح النسب سید جانتا تھا اور ہندوستان کے سادات سے کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ اپنے طبعی غرور سے سیدوں کے امتحان کے لئے اُس نے ایک شیر پنجرے میں بند کر رکھا تھا اور ایک چوبی تیر اور لوہے کی زنجیر بنا رکھی تھی۔ علاوہ ازیں ایک لوہے کا تنور بھی تیار کیا ہوا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ جو صحیح النسب سید ہونے کا مدعی ہو وہ شیر کے سامنے جائے تپتے ہوئے تنور میں داخل ہو اور لکڑی کے تیر سے لوہے کی زنجیر میں چھید کر دے۔ جو اس کے پاس آکر سیادت کا دعویٰ کرتا۔ وہ اُسے ان سخت امتحانات میں پڑنے کا مطالبہ کرتا اور جو اس سے انکار کرتا وہ اُسے قید کر دیتا۔ چنانچہ کئی سید اُس کے پاس مقید تھے۔ آخر کار اُس کے اس ظلم کی اطلاع شاہ شہاب الدین کو بٹالہ میں ہوئی۔ آپ اپنے خادم سمیت جس کا نام محمد رفیع لوہار تھا شیر شاہ کے پاس چونڈ پہنچے۔ پہلے شیر کے پنجرے کے پاس جا کر دروازہ کھولا اور شیر کو کان سے پکڑ کر باہر نکالا اور کہا کہ حیف ہے کہ تجھ جیسا دلیر شیر پنجرے میں بند رہے۔ اپنی جگہ چلا جا۔ چنانچہ اُس نے اپنی راہ لی۔ پھر لکڑی کا تیر لیا اور زورِ کرامت سے چلا کر زنجیر کو شگافتہ کر دیا۔ شیر شاہ نے کہا کہ ابھی ایک امتحان باقی ہے۔ حکم دیا کہ تنور گرم کریں اور اس میں شہاب الدین داخل ہو۔ آپ نے فرمایا کچھ مضائقہ نہیں۔ لہٰذا اسی وقت تنور گرم کیا گیا۔ حضرت شاہ نے محمد رفیع لوہار کو اپنا رومال دے کر فرمایا کہ تنور میں داخل ہو جا اور کہہ۔ یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ

سَلٰمًا عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ۔ محمد رفیع اسی وقت تنور میں چلا گیا اور بسلامت نکل آیا۔ شیر شاہ نے جب یہ کرامت اپنی آنکھ سے دیکھی تو آپ کے پاؤں میں سر رکھ دیا اور مرید ہو گیا۔ اپنے مال و اموال سے کنارہ کش ہو اور جن سادات کو قید کر رکھا تھا ان کو آزاد کر کے اپنا مال دے دیا اور شاہ موصوف کی ارادت میں باقی عمر گزار کر چونڈ میں فوت اور دفن ہوا۔ اُسے دین و دنیا کی سعادت حاصل ہو گئی۔

وجہ خطاب نہرا :- کہتے ہیں نہرا کے معنی ہیں شیر۔ چونکہ آپ نے شیر کو قفس سے آزاد کیا تھا۔ اس لئے خطاب نہرا مخاطب ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ چونکہ آپ بہت خوبصورت اور بارعب تھے اور کوئی آپ سے علم ظاہری اور باطنی میں گفتگو نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے آپ کے والد بزرگوار نے آپ کو اس خطاب سے سرفراز فرمایا۔

تاریخ ولادت و وفات :- سید شہاب الدین نہرا کی ولادت ۹۶۵ھ میں اور وفات ۱۰۴۱ھ مطابق ۱۶۳۱ء میں واقع ہوئی اور بعض ۱۰۴۲ھ کہتے ہیں۔ آپ کا مزار پُر انوار موضع بھوگی وال لاہور میں زیارت گاہِ خلق ہے۔ اولاد کو حکم نہیں ہے کہ مزار پر گنبد بنائے یا قبر کا تعویز پختہ کرے۔ اسی لئے مزار کچا ہے۔ پہلے جس کسی نے قبر پر عمارت بنانے کا ارادہ کیا مبتلائے بلا ہوا۔

از مولف

شہاب الدین نہرا سید پاک — کہ بود از سیدانِ دین اعلیٰ

اگر خواہی زنامش سالِ تولید — بجو "شاہِ شہاب الدین نہرا"

۹۶۵ء

"شہاب الدین ہادئ حقیقت" — رقم کن وصل آں شاہِ معلیٰ

۱۰۴۱ھ

"شہاب الدین ولی لاثانی" آمد — دگر ترحیل آں پیر مزکی

۱۰۴۱ھ

ز ذکر پیر سند ناکی ! بجو — کہ تاریخِ فوت است "فیضِ خلائق"

۱۶۳۱ء

سید عبدالرزاق المشہور بہ سید مکی قُدس سرّہٗ

سید عبدالرزاق موصوف' حضرت میراں محمد شاہ موج دریا بخاری کے خاص مریدوں میں سے ہیں۔ آپ تارک الدنیا' زاہد' متقی' جامع کمالاتِ ظاہری و باطنی تھے۔ آپ سبزواری سید ہیں۔ پہلے غزنی سے پشاور آئے۔ وہاں کچھ عرصہ قیام کیا پھر دہلی پہنچے اور شاہی سپاہ میں بھرتی ہوئے۔ آخر کار جاذبِ حقیقی کے جذب سے میراں محمد شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دنیا اور اہلِ دنیا سے ترک اختیار کیا اور ان سے نفرت ہو گئی۔ تمام رات پیر روشن ضمیر کی خدمت میں رہتے اور سارا دن حجرہ میں عبادت میں گزار دیتے۔

تاریخ وفات :- آپ ۱۰۴۸ھ مطابق ۱۶۳۸ء میں فوت ہوئے۔ مزار پُر انوار لاہور میں ہے نیلا گنبد سے مشہور۔

تاریخ از مفتی صاحب مرحوم

چو در خلدِ معلیٰ شد ز دنیا — جناب شیخ عالم عبدرزاق

وصالش "محسنِ فیض" است دیگر — "شہِ مہدی مکرم عبدِ رزاق"

۱۰۴۸ھ — ۱۰۴۸ھ

چو تاریخ پے سند ناکی! بجو — "سخاوت شعار" و "خوش اخلاق ہست"

۱۶۳۸ء — ۱۶۳۸ء

سید شاہ جمال قادری و سہروردی لاہوری قُدس سرّہٗ

سید شاہ جمال ایک شیخ تھے جامع کمالات ظاہری و باطنی اور صاحب جمال صوری و معنوی علاوہ ازیں آپ مظہر جلال اور مصدرِ کمال بھی تھے۔ سلسلہ عالیہ سہروردیہ شیخ الشیوخ

شیخ شہاب الدین سہروردی سے یوں ملتا ہے کہ آپ مرید شیخ لنگر ایک کے اور یہ مرید شاہ شرف کے اور یہ شاہ معروف کے اور یہ جعفر الدین کے اور یہ فہیم الدین کے اور یہ شیخ جمال کے اور یہ شیخ عارف صدر الدین کے اور یہ مرید و فرزند شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے اور یہ شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی کے کہ حضرت ابوبکر صدیق اکبر کی نسل سے تھے۔

عمر نام است و از نسل ابوبکر   زہے نام وزہے نسل مبارک (تاجی)

شاہ جمال حسینی سید ہیں۔ آپ کی اولاد تا حال سیالکوٹ میں سکونت پذیر ہے۔ آپ کے ایک بھائی تھے شاہ کمال نام وہ بھی صاحبِ کمال تھے ان کا روضہ بھی لاہور میں ہے۔

دمدمہ شاہ جمال کے متعلق لکھا ہے کہ آپ نے یہ پانچ منزل بلند تعمیر کیا تھا۔ اس کے پاس ہی سلطان بیگم دختر اکبر بادشاہ نے باغ' مکان' سیر گاہ' تالاب اور بارہ دری بنوائی تھی بادشاہ زادی نے کہلا بھیجا کہ ایک فقیر کے لئے زیبا نہیں کہ شاہی عمارات سے بالاتر عمارت تعمیر کرے لہٰذا اسے خود پست کر دے تو خیر ورنہ ہم گرا دیں گے۔ یہ سن کر شاہ جمال ہنسے اور فرمایا کہ بہت اچھا ہم اس رات خود ہی اس دمدمہ کو پست کر دیں گے مگر یاد رہے کہ یہ فقیر خانہ قیامت تک قائم رہے گا اور شاہی باغ وغیرہ برباد ہو جائیں گے۔

چنانچہ جب رات ہوئی تو مجلسِ سماع میں آپ کو وجد آیا جس کے اثر سے دمدمہ کی پانچ منزلیں زمین میں غرق ہو گئیں اور اوپر صرف دو رہ گئیں جو اب تک موجود ہیں۔ یہ بات بھی مشہور ہے کہ اس دمدمہ کی تعمیر ہی کے وقت معمار شاہی عمارات کی تعمیر میں مصروف تھے اور شاہ جمال کو میسر نہیں آتے تھے۔ آخر وہ آمادہ ہوئے کہ رات کو آپ کا کام کریں گے۔ چنانچہ مشعلیں جلا کر دمدمے کا کام کیا جانے لگا۔ ایک دفعہ تیل ختم ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ چراغوں میں پانی ڈال کر دیئے روشن کرو چنانچہ آپ کی کرامت سے پانی نے تیل کا کام دیا۔

دودمل کے ہاں دو بیٹے :- حضرت شاہ جمال کا ایک ہندو کھتری دودمل نام معتقد لاولد تھا اور اکثر آپ کے پاس بغرضِ دعا آیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ چند تازہ خربوزے بطور تحفہ

لایا۔ آپ نے قبول فرمائے اور وہ اس کے حوالے کر کے خود نماز عصر پڑھنے لگے۔ اس نے خیال کیا۔ کہ شاید آپ نے مجھے یہ خربوزے چھلکے اتارنے کے لئے دیئے ہیں۔ چنانچہ اس نے ایک کو تراشا ہی تھا کہ آپ نماز سے فارغ ہو گئے اور کہا۔ تو نے یہ کیا کیا' میں نے تو اس لئے دیئے تھے کہ تم اپنی بیوی سے مل کر کھاؤ گے تو خداوند تعالیٰ تمہیں دو بیٹے عطا کرے گا۔ اب تو نے ایک تراش لیا ہے۔ خوب ہوا۔ اب ایسے ہی یہ خربوزے لے جاؤ اور میاں بیوی مل کر کھاؤ۔ ایک لڑکا مسلمان پیدا ہو گا اور ایک ہندو۔ چنانچہ دودمل نے حسب الارشاد شیخ خربوزے استعمال کئے تو بیوی کو اُسی رات حامل ہو گیا اور نو ماہ بعد واقعی دو لڑکے پیدا ہوئے ایک مسلمانی ختنہ کردہ اور دوسرا نامختون۔ دودمل مختون بیٹے کو شیخ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے اُسے اپنا بیٹا بنا لیا اور بہ اسم فخر الدین موسوم فرمایا اور تربیت فرما کر ظاہری اور باطنی دولت سے سرفراز کیا۔ (مفتی صاحب خزینۃ الاصفیاء مؤلفہ ۱۲۸۰ھ میں لکھتے ہیں کہ) چنانچہ تا حال لاہور میں فخر الدین کی اولاد سے شیخ سلام الدین اور نبی بخش وغیرہ موجود ہیں اور اپنے آپ کو سید شاہ جمال سے منسوب کرتے ہیں اور جو مکان شاہ جمال نے فخر الدین کی سکونت کے لئے خرید ا تھا وہ اب تک محلہ جوڑے موری میں موجود اور مکان شاہ جمال مشہور ہے۔ (یہ اب سے سو برس پہلے کی بات ہے۔ تاجی)

وقوعِ حادثہ سے پہلے اطلاع :- ایک دن شیخ فخر الدین اپنے مکان میں بال بچوں سمیت بیٹھے تھے کہ شاہ جمال آگئے اور آواز دی کہ فخر الدین بال بچے اور اسباب لے کر باہر آ جاؤ۔ چنانچہ آ گئے تو اسی وقت مکان گر گیا۔ فرمایا مجھے پتہ لگ گیا تھا کہ مکان گرنے والا ہے۔ لہٰذا میں خانقاہ سے آ کر یہاں بروقت پہنچ گیا۔ الحمد للہ کہ تم نے اللہ کے فضل سے خلاصی پائی۔

بے کفن روٹی کہنے والے کو کفن :- حضرت شاہ جمال کے وصال کے تیس سال بعد آپ کے عرس پر ایک منہ پھٹ فقیر آیا اُسے لنگر سے دو روٹیاں دی گئیں۔ اُس نے

کہا کہ تم عجیب آدمی ہو کہ بے کفن روٹیاں دیں (مطلب یہ کہ سالن کے بغیر) سجادہ نشین کے منہ سے نکلا کہ اچھا تمہیں کفن بھی مل جائے گا۔ چنانچہ اُسی وقت اُسے ہچکی لگی اور زمین پر گر کر مر گیا۔ چنانچہ اس کی قبر اسی خانقاہ میں عبرت آموز خلق ہے۔ (اولیاء کے غضب سے اللہ کی پناہ۔)

واقعہ رحلت شاہ جمال :- جہاں آپ کا تعویذ مزار ہے اس کے نیچے حجرہ میں آپ چلہ کاٹا کرتے تھے۔ آخری چلہ میں حسبِ معمول دروازہ مسدود کر کے بیٹھے تھے کہ تیس دن کے بعد بارش کے صدمہ سے حجرہ کے آگے کی دیوار گر پڑی۔ خادموں نے چاہا کہ حجرے کا دروازہ کھول کر آپ کو باہر نکالیں تو ناگاہ اندر سے آواز آئی کہ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ میری قبر اوپر بنا دو اور اس حجرے کو میرا مدفن تصور کرو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (یہ واقعہ ۴ ربیع الثانی ۱۰۴۹ھ مطابق ۴ اگست ۱۶۳۹ء میں بعہد شاہجہان وقوع پذیر ہوا۔ تاجی) آپ نے سو برس سے زیادہ عمر پائی۔

تاریخ وفات شاہ جمال سہروردی

رفت از دنیا خلدِ جاوداں — چوں جمال الدین کمال المعرفت
رحلتش "فیاضِ محسن" شد عیاں — ہم "ولی" حق جمال المعرفت" (سرور)
۱۰۴۹ھ — ۱۰۴۹ھ
بجو ناتیا سال ترحیلِ شاہ — کہ "شاہ جمال است نصرت پناہ" (تاجی)
۱۶۳۹ء
یا "ولی الحق جمال معرفت"
۱۰۴۹ھ

سیّد محمود المشہور شاہ نورنگ جھولہ بخاری قُدِّس سرّہٗ

سید محمود موصوف حضرت شاہ محمد بن سید عثمان لاہوری کے پانچویں صاحبزادے ہیں اور سید جھولن شاہ المشہور گھوڑے شاہ کے سگے بھائی۔ آپ فقر و تجرید و تفرید میں عالی شان اور مرتبہ بلند رکھتے تھے' ساری عمر اہلِ دنیا سے مستغنی اور بے نیاز رہے۔ آپ طالبانِ حق کے لئے رہنمائے حق تھے اور جن کو دنیا مطلوب ہوتی اُن کی طرف رغبت نہ فرماتے آپ کی دعا بیماروں اور دردمندوں کے لئے اکسیرِ اعظم تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ہماری وفات کے بعد جو بیمار ہماری قبر کی خاک کھائے[۱] یا مدفن سے کنکری لے کر گلے میں باندھے گا تو اللہ شافی کے حکم سے شفا پائے گا۔ چنانچہ اب تک یہ رسم باقی ہے اور اکثر اوقات لاہور اور اس کے گرد و نواح کے باشندے آپ کے مزارِ پُرانوار سے سنگریزے لا کر بیماروں کے گلے میں باندھتے ہیں۔ آپ کی وفات ۱۰۵۳ھ مطابق ۱۶۴۳ء میں بعہد شاہجہان بادشاہ ہوئی۔ مزار بیرونِ لاہور موضوع محمود بوٹی میں ہے جو آپ کے نامِ نامی پر موسوم اور مشہور ہے۔

تاریخ رحلت

شاہ محمود سیّد عالی — رحلت از دہر در جناں فرمود
گفت تاریخ رحلتش سرور — "شمع عشاق سید محمود"
ہم "شہ مستقیم محمود است" — سالِ ترحیل آں شہ باجود
۱۰۵۳ھ
پئے تاریخ او ہاتف بگفتا تاجی حامد — کہ "نورِ خاندان نورنگ جھولہ شاہ" ہو

۱؎ مٹی کھانا حرام ہے مگر پانی میں گھول کر پی سکتے ہیں یہاں کھانے سے یہی گھول کے پینا مراد ہے۔ ۱۲

شیخ جان محمد سہروردی لاہوری قدس سرہٗ

شیخ جان محمد موصوف ایک فاضل و عالم جامع کمالِ ظاہر و باطن مرد تھے۔ جب لاہور شہر کے باہر آبادی تھی تو آپ مسجد قصاب خانہ میں درس دیا کرتے تھے۔ آپ طریقہ عالیہ سہروردیہ میں حضرت شیخ اسماعیل المشہور میاں وڈہ مدرس کے مرید تھے۔ آپ نے ہزاروں کو فی سبیل اللہ سبق پڑھایا مگر کبھی کسی سے کچھ نہ لیا۔ چکی پیس کر قوتِ حلال پیدا کرتے تھے۔

عطائے تعویذ:- ایک دن حضرت شیخ اسماعیل نے آپ سے پوچھا کہ گزارے کی کیا صورت ہے۔ عرض کیا کہ اللہ کا شکر ہے۔ آسودگی سے گزر ہوتی ہے۔ فرمایا میں نے حق تعالیٰ سے معلوم کیا ہے کہ چکی پیس کر گزارہ کرتے ہو۔ اب اس کام کو چھوڑ دو۔ پھر ایک تعویذ دیا کہ اسے گھر میں رکھو جب دنیا کی نعمتوں سے سیر ہو جاؤ تو یہ تعویذ مجھے واپس دے دینا۔ چنانچہ تعویذ گھر لے جا رکھا۔ تین ہی دن میں ریل پیل ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور تعویذ پیر روشن ضمیر کی خدمت میں لا کر حاضر کر کے عرض کیا کہ فی الحال میں دنیا کی نعمتوں سے مالا مال ہو گیا ہوں اگر یہ تعویذ لکھنے کی اجازت دیں تو حضور کی عین عنایت اور مرحمت ہے۔ چنانچہ آپ (حضرت اسماعیل) نے اجازت دے دی۔

وہ تعویذ خزینۃ الاصفیاء نے شیخ احمد دین سجادہ نشین مزار محمد اسماعیل سے لے کر درج کر دیا ہے۔ جو یہ ہے۔

00000 لے لے معہ

٨ عـہ	٦ ۲

مالِ دنیا سے سیر ہو کر دولتِ عُقبیٰ کی طرف مائل:- ایک شخص نے شیخ جان محمد کی خدمت میں حاضر ہو کر فقر و فاقہ کی شکایت کی کہ عسرت و تنگی سے پریشان ہوں۔ میرے حال پر رحم فرما کر دعا فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہر نماز کے بعد رو بقبلہ ہو کر سو دفعہ کلمہ سبحان اللہ پڑھو اور ایک ہفتہ کے بعد مجھے اطلاع دو۔ چنانچہ اُس نے یہ عمل کر کے ہفتہ بعد بتایا کہ اس تسبیح کی برکت سے مجھ پر اسباب فتوحات پیدا ہو گئے ہیں اور لازوال دولت پر فائز ہو گیا ہوں۔ فرمایا ایک ہفتہ اور یہی تسبیح پڑھو۔ چنانچہ ہفتہ بعد حاضر ہو کر وہ عرض پرداز ہوا کہ زمین کے خزانے جہاں بھی ہیں مجھ پر ظاہر ہو گئے ہیں مگر میرا دل اب ان کی طرف مائل نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے وسیلے سے دولتِ عُقبیٰ سے بہرہ ور ہوں۔ پس وہ سب کچھ ترک کر کے حضرت جان محمد کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر کمالاتِ ظاہری اور باطنی پر فائز ہوا۔

وفات شیخ جان محمد:- آپ ۱۰۸۲ھ (مطابق ۱۶۷۱ء میں بعہدِ عالمگیر۔ ناؔی) فوت ہوئے مزار پُرانوار بیرون لاہور جانبِ مشرق متصل مسجد قصاب خانہ قدیم ہے۔

تاریخ وفات

شد ازیں دنیا چو در خلدِ بریں — پیرِ دیں جان محمد جانِ جاں

"شیخ دینِ حق" بجو تاریخ او — نیز فرما از زباں "عرش آستاں"

۱۰۸۲ھ — ۱۰۸۲ھ

"یارِ حق جانِ محمد قطبِ حق" — خواں وصالِ او دوبارہ اے جواں (سرور)

پے تاریخ نوتش ابنِ حامد — بجو "جانِ محمد شیخ خواجہ" (ناؔی)

۱۶۷۱ء

شیخ محمد اسماعیل مدرس سہروردی لاہوری

المشہور بہ میاں وڈہ قدس سرّہٗ

شیخ محمد اسماعیل اہلِ یقین کے شیخ مقاماتِ بلند اور کراماتِ ارجمند کے مالک اسلامی بزرگ تھے۔ دینی علوم کے بڑے عالم اور درس و تدریسِ قرآن میں اُستادِ کامل تھے۔

سلسلۂ ارادت :۔ سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں شیخ عبدالکریم کے شاگرد اور مرید تھے۔ یہ مرید مخدوم طیب کے اور یہ مخدوم برہان الدین کے اور یہ مرید شیخ چلن کے اور یہ شیخ میلون کے اور یہ شیخ حسام الدین متقی ملتانی چشتی سہروردی کے اور یہ سید شاہ عالم کے اور یہ سید برہان الدین قطب کے اور یہ سید ناصر الدین کے اور یہ سید جلال الدین مخدوم جہانیاں کے اور یہ مرید شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی کے اور یہ فرزند و مرید شیخ صدر الدین عارف ملتانی کے اور یہ مرید شیخ بہاء الدین (ذکریا ملتانی) کے۔

ولدیت و قومیت :۔ شیخ اسماعیل کے والد بزرگوار کا نام فتح اللہ بن عبداللہ بن سرفراز تھا۔ قوم کھوکھر زمیندار۔ آپ کی سکونت موضع چنبہ میں تھی جو دریائے چناب کے کنارے واقع ہے۔ آپ کی ولادت ۹۹۵ھ کے بعد ہوئی۔ والدین عہدِ اکبری میں اس موضع سے اٹھ کر موضع لنگر مخدوم میں جا رہے۔ اور شیخ اسماعیل کو' جبکہ وہ پنج سالہ تھے' شیخ عبدالکریم سہروردی کے سپرد کیا کہ انہیں تعلیم دینی دیں۔ بارہ برس کے ہوئے تو استاد نے انہیں درویشوں کے لئے آٹا پیسنے پر لگا دیا۔ ایک دن جبکہ استاد صاحب اپنے حجرے میں مشغولِ درس تھے تو شیخ موصوف حسبِ معمول آٹا پیس کر بروقت شریکِ درس نہ ہوئے لہٰذا استاد صاحب نے ایک درویش کو بھیجا کہ ان کے وقت پر آٹا پیس کر باورچی خانہ میں پہنچانے اور درس میں شریک نہ ہونے کا سبب معلوم کرے۔ درویش مذکور جب چکی والے حجرے میں آیا

تو دیکھا کہ شیخ موصوف کو عُلُومِ ظاہری کی کچھ خبر نہیں مشغولِ حق ہیں اور چکی خود بخود چل رہی ہے۔ وہ حیران ہو کر لوٹا اور شیخ عبدالکریم کو اس واقعہ کی خبر دی۔ چنانچہ وہ خود موقع پر آئے اور دیکھا کہ شیخ اسماعیل سربہ مراقبہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہیں اور چکی غیبی طاقت سے آٹا پیس رہی ہے۔ یہ دیکھ کر استاد صاحب بہت خوش ہوئے اور شاگرد کے اس شغل پر آفرین کہی اور اس کو اسی حال میں چھوڑ کر اپنے حجرے میں آ گئے۔ ایک گھڑی بعد شیخ اسماعیل عالمِ صحو میں آئے۔ آٹا اٹھایا' مطبخ میں پہنچا کر استاد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ آج سے آٹا پیسنے کی خدمت تمہیں معاف ہے کیونکہ یہ خدمت تجھے سپرد کرنا عالمِ بالا کے فرشتوں کو تکلیف دینا ہے۔

لاہور کو روانگی :۔ جب شیخ اسماعیل نے علمِ باطنی میں کمال حاصل کر لیا تو مُرشد (علیہ الرحمۃ) سے رخصت حاصل کر کے لنگر مخدوم سے روانہ ہوئے اور دس کوس کے فاصلے پر ایک شیشم کے درخت کے نیچے ڈیرہ جما لیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر اشارہ غیبی سے آپ لاہور وارد ہوئے۔ اُس وقت آپ کی عمر ۴۵ برس کی تھی۔ اقامت محلہ تیل پورہ میں فرمائی۔ اسی مقام پر آپ کا مزار واقع ہے۔ یہاں آپ نے تلقین و تدریس کا کام شروع کیا۔ پہلے چالیس روز حضرت سید پیر ہجویری داتا گنج بخش کے مزار پر معتکف رہے۔ پھر اپنے مقام پر تشریف لا کر مشغولِ درس ہوئے اور خلقِ کثیر طلبِ علم کے لئے آپ کے گرد جمع ہو گئی۔

مسجد سے ہندو جوگی کا اخراج :۔ اس محلہ تیل پورہ علاقہ گنج پور میں ایک پرانی مسجد تھی جس میں ایک ہندو جوگی صاحب استدراج متمکن تھا۔ جب شیخ اسماعیل یہاں تشریف لائے تو آپ نے اُسے کہا کہ یہ مسلمانوں کا عبادت خانہ ہے تجھے یہاں رہنا حرام ہے ہمیں یہاں رہنا اور درس دینا ہے۔ جوگی نے انکار کیا۔ آپ نے اُسے مکرر کہا تو وہ بولا کہ یہ مسجد ہمارے ساتھ مانوس ہے۔ اگر میں یہاں سے جاؤں گا تو یہ بھی ساتھ چلے گی۔ یہ کہہ کر وہ جوگی مسجد سے نکلا تو مسجد میں ایک جنبش سی پیدا ہوئی۔ شیخ اسماعیل نے اپنا دستی عصا اس کی دیوار پر

مار اور فرمایا کہ حرکت نہ کر چنانچہ وہ ساکن ہو گئی جوگی نے جب یہ کرامت ملاحظہ کی تو اس نے آپ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور چل دیا۔ آپ نے اس جگہ سلسلۂ درس و تدریس شروع فرمایا۔ اس کے بعد شاہجہان کی ایک دائی نے اس مسجد کو از نو تعمیر کیا اور وہی آج تک آپ کی خانقاہ کے احاطہ میں کھڑی ہے اور سلسلۂ درس قائم و دائم ہے۔

کرامت حفظِ قرآن :- آپ کی زبان کی تاثیر اور برکت سے چند ماہ میں ان پڑھ اشخاص قرآن حفظ کر لیتے تھے۔ ایک دن درس دے رہے تھے کہ ایک ان پڑھ شخص نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا کہ میرا نکاح ہوا ہے اور میری زوجہ حافظِ قرآن ہے وہ مجھے پاس آنے نہیں دیتی کہ میرے دل میں قرآن محفوظ ہے اور تم جاہل ہو۔ تمہاری صحبت سے قرآن کی بے ادبی ہو گی۔ لہذا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ مجھے قرآن مجید حفظ کرا دیں۔ آپ نے فرمایا یہاں چھ مہینے رہو۔ قرآن یاد ہو جائے گا۔ اس نے مکرر عرض کیا کہ اتنی مدت تک میں کس طرح صبر کروں۔ چھلنی میں پانی رہ سکتا ہے نہ عاشق کے دل میں صبر۔ جب اس نے رو رو کر اپنی حالتِ بے خودی ظاہر کی تو آپ کو اس پر رحم آگیا اور فرمایا کہ صبح کی نماز میں میرے پاس بیٹھنا جب آخری رکعت کے بعد دائیں طرف سلام کے لئے رُخ کروں تو آگے آ جانا ان شاء اللہ مقصد حاصل ہو جائے گا۔ چنانچہ اس نے تعمیلِ ارشاد کی اور اس وقت نہ صرف وہ بلکہ اور بھی جتنے تھے انہیں قرآن حفظ ہو گیا اور بائیں طرف والے ناظرہ خواں ہو گئے اور سائل مذکور شکریہ ادا کر کے مرید بن گیا۔

سلسلۂ درس میاں وڈہ جاری :- شیخ اسماعیل قُدِّس سِرُّہٗ نے فرمایا تھا کہ حفظِ قرآن کا فیض میرے وصال کے بعد میری خاکِ قبر سے بھی جاری رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ شیخ موصوف کی وفات کے بعد آپ کے بجدی بھائی شیخ محمد صالح ۵۵ سال، حافظ محمود ۴۲ سال، حافظ معزالدین ۳۵ سال اور حافظ شرف الدین ۶۰ سال علم قرآنی کے درس و تدریس میں یہاں مصروف رہے۔ جب حافظ شرف الدین ۱۲۰۷ھ میں فوت ہو گئے

تو ان کے فرزندِ ارجمند حافظ احمد الدین نے اس کارِ خیر کی سرانجام دہی کے لئے کمر ہمت باندھی اور اس وقت بھی ڈیڑھ سو بینا اور نابینا طالبِ علم اس مدرسہ میں تعلیم علومِ قرآنی حاصل کر رہے ہیں اور دو وقت کا کھانا اور دوسرے ضروری اخراجات انہیں مدرسہ کی طرف سے ملتے ہیں۔

حافظ احمد دین سجادہ نشین کا سلسلۂ آبائی اس طریق سے شیخ محمد اسماعیل کے بزرگوں سے ملتا ہے۔ کہ آپ کے تیسرے دادا دو بھائی تھے۔ ایک سرفراز اور دوسرے شہواز۔ شیخ محمد اسماعیل تھے فرزند شیخ فتح دین بن عبداللہ بن شہواز کے۔ اور حافظ احمد دین ہیں۔ بیٹے شرف الدین بن معزالدین بن محمود بن محمد بن صالح بن سرفراز کے۔

حافظ اللہ بخش لوریہ :- شیخ اسماعیل کے ایک کامل خلیفہ اللہ بخش تھے۔ جب وہ پہلی دفعہ مرید ہونے کے لئے آئے تو آپ نے ان کے جسم کی فربہی (موٹاپا) میں ان کے پستان کی کلانی دیکھ کر تبسم فرماتے ہوئے کہا اللہ بخش لوریہ (بزبان پنجابی معنی شیر دار) آپ کے یہ فرماتے ہی ان کے پستان میں دودھ بھر آیا اور وہ فی الحقیقت لوریہ (شیر دار) اور اسی خطاب سے مخاطب ہو گئے اور ان کا گاؤں بھی لوریہ مشہور ہے۔

خلفاء میاں صاحب :- اگرچہ شیخ محمد اسماعیل کے خلفاء ان گنت ہیں لیکن تبرکاً چند ایک کے نام لکھے جاتے ہیں۔ پہلے اکمل خلیفہ محمد صالح آپ کے ہم جدی ہیں اور ان کے سوا میاں جان محمد لاہوری، جان محمد ثانی، شیخ محمد ہاشم، شیخ عبدالحمید و عبدالکریم قصوری اور اخوند محمد عثمان، اخوند محمد عمر، امانت خان، حافظ محمد خوشحالی اور مولوی تیمور لاہوری آپ کی وفات کے بعد تدریس و تلقین کی مجلس آرا ہوئے۔

وفات :- آپ ۵ شوال ۱۰۸۵ھ (مطابق ۲۳ دسمبر ۱۶۷۴ء۔ ناقل) کو عہدِ عالمگیر میں جان حق تسلیم ہوئے۔ آپ کا مزار پُر انوار لاہور کے مشہور ترین مزارات میں سے

زیارت گاہ خلق ہے۔ قطعہ تاریخ وفات مزار کے دروازہ پر یہ لکھا ہے۔:-

شنو تاریخ آں دریائے معنے — کہ عرش گشت در عشق خدا صرف
دل و جاں کرد قربانِ الٰہی ! — کہ "اسماعیل ثانی بود بے حرف"
۱۰۸۵ھ

از مؤلف سرور

جناب شیخ اسماعیل مرحوم — ولیٔ حق قبول لایزالی
چو جستم سال تولیدش ندا شد — "خلیل اللہ اسماعیل والی"
۹۹۵ھ
بسالِ ارتحالِ آں شہ دیں — خرد فرمود "شیخ دین عالی"
۱۰۸۵ھ

ایضاً

جناب شیخ اسماعیل مرغوب — کہ نورش بود از مہ تا ماہی!
بتولیدش "شہ مخدوم" فرما — دگر "فیاض محبوبِ الٰہی"
"مکرم خواجہ مہدی قطب" فرما — اگر سالِ وصالِ او خواہی (سرور)
سالِ وفات ناآمیا — "بگو رہبر خدا پرست"
۱۶۷۴ء

سیّد زندہ علی لاہوری قُدس سرُّہٗ

سید زندہ علی بن سید عبدالرحیم بن صفی الدین بن میراں محمد شاہ موج دریا بخاری بڑے عابد زاہد اور متقی سید تھے۔ نجابت اور شرافت موروثی تھی اور سلسلہ ارادت بھی اپنے آبائے کرام سے قائم تھا۔ والد ماجد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔

کرامت:- آپ کی ایک کرامت یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت موج دریا بخاری کا جہاں مقبرہ ہے اس جگہ کے کنوؤں کا پانی بہت شور و تلخ تھا اور وہاں کے لوگ آپ کے خادموں نوڈا اور ٹوڈا کے وسیلے سے حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئے کہ پانی میٹھا درکار ہے کوشش فرمائیں۔ فرمایا نیا کنواں کھودو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ میٹھا پانی نکلے گا۔ چنانچہ کندہ کیا گیا تو اس سے آب شیریں برآمد ہوا اور خدا کی قدرت سے چند سالوں میں اس سرزمین کے تمام چاہات میٹھے پانی سے مالامال ہو گئے اور شوری اور تلخی کا نام و نشان نہ رہا۔

تاریخ ولادت ووفات:- سید زندہ علی ۱۰۵۰ھ میں پیدا اور ۱۱۱۱ھ میں فوت ہوئے۔ مزار حضرت موج دریا کی چار دیواری کے باہر "خانقاہ زندہ امام" کے نام سے مشہور ہیں۔ تواریخیں:

پیر زندہ علی ولیٔ خدا — مرشد رہنمائے خواص و عوام
گو "زہے آفتاب عالم تاب" — سالِ تولیدِ آں ذوی الاکرام
۱۰۵۰ھ
باز لفظ "معظم" آمد یاد — بہر تولیدِ آں ذوی الاکرام
۱۰۵۰ھ
"خازنِ جنت است" ترحیلش — نیز "نور بہشت زندہ امام"
۱۱۱۱ — ۱۱۱۱

یعنی آپ ۱۶۹۹ء میں اورنگ زیب سے آٹھ برس پہلے فوت ہوئے۔

بہ بود سید نامی! ہاتفِ غیب — چو "ظلِ رحمت سبحان" بگفتم
۱۶۹۹ء

مولوی جان محمد لاہوری قُدّس سرّہٗ

شیخ جان محمد، شیخ اسماعیل میاں وڈہ کے کامل خلیفہ اور مُرید اور طریقت، شریعت، فقہ اور حدیث میں کامل عالم و مقتدائے زمانہ تھے۔ لاہور کے بیرونی محلہ پرویز آباد میں سکونت تھی۔ لڑکپن میں میاں وڈہ کے دوسرے خلیفہ شیخ عبدالحمید سے پڑھتے تھے۔ ایک دن ان کے ساتھ میاں صاحب موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت وہ خوش وقت تھے۔ شیخ جان محمد سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے لڑکے! اگر تو ہمارے ساتھ تکرارِ احادیث کرے تو عالم و فاضل ہو جائے۔ وہ شرم و حیا کی وجہ سے چپ رہے۔ شیخ عبدالحمید نے کہا۔ کہو کہ اگر تحصیلِ علم کے لئے جناب میری طرف توجہ فرمائیں تو میں حاضر ہو جاؤں گا۔ چُنانچہ شیخ جان محمد نے ایسا ہی عرض کر دیا۔ میاں صاحب علیہ الرحمتہ نے دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور دعائے خیر کی۔ جو قبول ہوئی اور شیخ جان محمد نے چند مہینوں میں استعداد کلی حاصل کر لی۔ شیخ عبدالحمید نے جب دیکھا کہ اس نے مجھ سے قوت علمی زیادہ حاصل کر لی ہے اور طائر ہمت زیادہ بلند پرواز ہے تو اپنے سے الگ کر کے انہیں شیخ تیمور کے حوالے کیا جو وقت کے عالم کبیر تھے اور انہوں نے تھوڑے عرصہ میں تحصیل تامہ حاصل کر لی اور دستار فضیلت باندھ لی۔

ایک دن میاں صاحب کلاں مراقبہ میں تھے کہ شیخ جان محمد کا خیال آیا اور اپنی طرف کھینچ لیا چنانچہ وہ اس کشش سے فی الفور حاضرِ خدمت ہو گئے اور حجرہ پر پہنچ کر آواز دی۔ تو آپ نے بلا تامل اندر بلا لیا۔ بغلگیر ہوئے اور نعمت فراواں عطا کر کے بڑے مرتبہ پر پہنچایا اور فرمایا کہ بروز جمعہ اور پیر آکر پیر کے ساتھ حدیث کا دورہ کرنے کا وعدہ کرو۔ چنانچہ شیخ جان محمد حسبِ وعدہ ضرور آتے رہے۔ اگر کسی حدیث کے متعلق شبہ ہوتا تو شیخ محمد اسماعیل مراقبہ فرما کر روحِ سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شُبہ رفع اور تصحیح فرما لیتے۔

مرید و پیر کے مزار برابر :- شیخ جان محمد وفات کے بعد اپنے مسکونہ محلہ پرویز آباد میں دفن ہوئے چند سال گزرے تھے کہ محلے کے مقدم نے جو آپ کا خادم تھا خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ میری نعش کو یہاں سے نکال کر حضرت میاں وڈہ کی قبر کے پاس دفن کر دو اگر نہ کرو گے تو تمہارے محلے پر بڑی آفت آئے گی۔ علی الصبح مقدم اٹھا اور حسب اشارہ آپ کے جسم مقدس کو نکال کر حضرت اسماعیل کے قریب سپردِ خاک کر دیا اور بپاسِ ادب شیخ جان محمد کے سر کو میاں کلاں کے مزار کے برابر رکھا جب رات گزر گئی تو صبح دیکھا کہ شیخ جان محمد کی قبر حضرت شیخ اسماعیل کے برابر ہے۔

تاریخِ وفات :- شیخ جان محمد ۱۱۲۰ھ (مطابق ۱۷۰۸ء عہد شاہ عالم بہادر شاہ میں۔ ثانی) فوت ہوئے مزار پُر انوار پر یہ قطعہ تاریخ تحریر ہے۔

جہان معنی و جانِ محمد	کہ از عشقِ محمد گشت محمود
خرد از فضلِ حق تاریخ سالش	"وصالِ عاشق و معشوق" فرمود
	۱۱۲۰

از مفتی صاحب مرحوم

چو در خلدِ معلیٰ گشت روشن	بہ روئے زمین جانِ محمد
بجو "خورشید" سالِ ارتحالش	بفرما "شیخِ دیں جانِ محمد"
۱۱۲۰ھ	۱۱۲۰ھ
چو شد او رہگرائے ملکِ بقا	گفت ثانی نجیبِ "خلدِ بریں"
	۱۷۰۸ء

شیخ حامد قاری سہروردی قُدّس سرُّہٗ

شیخ حامد کے والد بزرگوار کا نام حسن ہے۔ آپ عُلومِ ظاہری و باطنی کے جامع تھے اور خطۂ پنجاب میں زہد و ورع و تقویٰ اور قرأۃ قرآن اور ادائے حق تلاوت میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ شہر لاہور میں آپ درس دیتے تھے اور طریقہ عالیہ سہروردیہ میں مولوی تیمور لاہوری کے مرید و خلیفہ تھے اور مولوی ممدوح کی ارادت مولوی عبدالکریم سے تھی۔ ان کو مخدوم طیب سے۔ ان کی شیخ بُرہانُ الدین سے۔ ان کی مخدوم حسین سے۔ ان کی شیخ میلون سے اور ان کی شیخ حسامُ الدین متقی ملتانی سے (ارادت) تھی۔ حضرت حامد قاری علیہ الرحمۃ اللہ الباری اپنے وقت کے یگانہ مُرشد اور استاذِ زمانہ تھے اور حُکامِ وقت ان کی خدمت کرنا فخر جانتے تھے۔ آپ سے بہت سی کرامتیں ظاہر ہوتی تھیں۔

تاریخ ولادت و وفات :- آپ کی ولادت باسعادت کا عہد عالمگیر میں ۱۰۷۱ھ مطابق ۱۶۶۰ء ہے اور وفات ۱۱۶۶ھ ۷ جمادی الآخریٰ (مطابق ۲۱ اپریل ۱۷۵۳ء۔ ثانی) کو واقع ہوئی۔ عمر شریف ۹۵ برس ہوئی۔

تاریخ از مفتی صاحب مرحوم

حامد آں قاری قُرآنِ عظیم ۔۔۔ بود محبوب جناب ذوالمنن
"افضل اقطاب والا جاہ" کو ۔۔۔ سالِ تولیدش باقوالِ حسن
۱۰۷۱ھ
بہرِ تاریخ وصالِ آں جناب ۔۔۔ گفت سرور "حافظ و حامد حسن"
۱۱۶۶ھ
سالِ انتقال شیخ حامد ۔۔۔ بگو ثانی "مخبیر داورِ خلق"
۱۷۵۳ء

حضرت حامد قاری کا مزار اب مغل پورہ کے علاقہ میں ویت مین روڈ پر ہے۔ تاریخ لاہور (انگریزی) میں مزار بدھو کے آوے سے دو میل پرے بتایا ہے اور لکھا ہے کہ آپ کا مدرسہ اپنی تعمیر کردہ مسجد میں قائم تھا جو تاحال موجود ہے اس کے ساتھ کنواں بھی ہے اور درویشوں کے لئے حجرے بھی ہیں۔ مسجد کے محرابوں پر یہ تاریخ لکھی ہے۔

خداوند را شکر دارم بیاں ۔۔۔ چہ خوش مسجد از دستِ مسکین نہاد
خرد گفت از سالِ تعمیر آں ۔۔۔ "ز آفاتِ دوراں زوالش مباد"
۱۱۳۱ (مطابق ۱۷۲۸ء)

حضرت پیر کرم شاہ قریشی قُدّس سرُّہٗ

حضرت کرم شاہ (المشہور مسیتا شاہ (جن کا آباد کردہ موضع مرید کے منڈی سے مغرب کی طرف قلعہ مسیتا شاہ ان کے بیٹے پیر قلندر شاہ کے پوتے پیر محمد اشرف عالم شاہ کی دختری اولاد کی ملکیت ہے) خاندان عالیہ سہروردیہ کے مشائخ میں سے ہے۔

سلسلہ نسب و ارادت :- آبائے کرام کا نسب شیخ عبدالجلیل قطب العالم لاہوری قُدّس سرُّہٗ سے اس طرح سلسلہ ملتا ہے کہ آنجناب (کرم شاہ) بن ابوالفتح المشہور شاہ جی (جن کا مزار خانقاہ عبدالجلیل موصوف میں ہے) بن شیخ ابوالحسن ثانی بن شیخ فخر اللہ بن شیخ ابوالفتح بن شیخ برخوردار بن شیخ ابوالفتح بن شیخ عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی قطب العالم لاہوری قُدّس سرُّہٗ العزیز اور آپ طریقت میں ارادت اپنے والد بزرگوار سے قدم بہ قدم اپنے آبائے کرام سے رکھتے تھے۔ ساری عمر خلقت کی ہدایت میں مصروف رہے۔ آخر جب سکھوں کے خُروج کے عہد میں پنجاب میں تفرقۂ عظیم پڑا اور سکھوں نے دستِ تاراج تمام پنجاب خصوصاً شہر لاہور پر دراز کیا اور ایسا آباد شہر ویران ہو گیا تو آپ بھی شہر لاہور سے ہجرت کر

کر ۱۱۹۶ھ میں اہل و عیال سمیت شہر لکھنؤ کے عازم ہوئے۔ وہاں پہنچ کر کچھ عرصہ شیخ نور الحسن قریشی عقیلی ہاشمی کے پاس رہے جو آپ کے خسر نامدار تھے۔ وہاں سے مراجعت کے وقت جب شہر شاہجہان پور' جو لکھنئو اور بریلی کے مابین ہے' پہنچے تو راہ مار قزاقوں کے ہاتھ سے شربتِ شہادت پیا اور وہیں مدفون ہوئے صاحبِ اذکارِ قلندری (پیر فرخ بخش جو شہید کے فرزند ہیں) واقع شہادت ۱۲۰۱ھ (مطابق ۱۷۸۶ء بتائی) فرماتے ہیں اور قطعہ تاریخ شہادت اس کتاب میں یہ درج ہے۔

وحید العصر آں شاہ کرم شاہ ۔۔۔ کہ نابد دریاں وصفِ کمالش
شہادت یافت چوں از حکمِ یزداں ۔۔۔ "شہادت یافت" شد تاریخ سالش
۱۲۰۱

ایضاً

دریغا کرم شاہ رفت از جہاں ۔۔۔ کہ بد ذاتِ او مُرشدِ خاص و عام
وصالش اگر ہست مطلوبِ تو ۔۔۔ بجو از "کرم شاہ جنت مقام"
۱۲۰۰ھ

از مؤلف (سرور)

مکرم شیخ دیں حضرت کرم شاہ ۔۔۔ شہِ مسعود رضی اللہ عنہ
ز "خورشیدِ عطا" دل جُست تاریخ ۔۔۔ دگر فرمود "رضی اللہ عنہ"
۱۲۰۰ھ ۔۔۔ ۱۲۰۱ھ
زتو گر ہجر سند نائی! بجو ۔۔۔ کہ "خورشید تنویر" تاریخ اوست
۱۷۸۶ء

حضرت سکندر شاہ بن کرم شاہ قریشی قُدس سرُّہٗ

شیخ سکندر شاہ شجاعت و سخاوت اور زہد و ورع میں عدیم المثال تھے اور فقر و فنا میں صاحبِ حال و قال۔ جوانی میں پیرانِ باصفا سا کام کرتے تھے۔ آپ کا حال عجب تھا اور طبع موزوں اکثر اوقات اشعار کی طرف رغبت فرماتے۔ چنانچہ ان کے شعروں کے دو مطلعے حسبِ ذیل ہیں۔

نثارِ موئے مژگاں دو ختم ایں چشم حیراں را ۔۔۔ رفو از رشتۂ جاں کردہ ام چاکِ گریباں را
خیالِ روئے تو با من چناں ہم آغوش است ۔۔۔ کہ کارِ ہر دو جہاں از دلم فراموش است

بقول صاحب اذکار قلندری آپ ۱۲۱۳ھ میں جبکہ عمر ۲۰ سال کی تھی رحمتِ حق سے پیوستہ ہوئے۔ مزار گوہر بار لاہور میں شیخ عبد الجلیل قطب العالم عظم اللہ تعالیٰ کے مزار کے متصل ہے۔

تاریخ از مولف۔

چوں سکندر بادشاہِ دو جہاں ۔۔۔ یافت از حق دولتِ ایصال مفت
عقلِ سالِ ارتحال آں جناب ۔۔۔ "عارفِ اکبر سکندر شاہ" گفت

نوٹ:- ہماری تحقیق میں حضرت سکندر شاہ ۱۲۱۰ھ مطابق ۱۷۹۵ء کے قریب فوت ہو چکے تھے جیسا کہ ان کے بڑے بھائیوں (پیر مُراد شاہ اور قلندر شاہ) اور پیر نبی بخش نامی کے پڑدادا کے اشعار سے ثابت ہے۔ اس کی تصریح میں نے تاریخ جلیلہ طبع ثانی میں کر دی ہے۔

"ملک خصلت" بجو تاریخ نامی ۔۔۔ دگر از "حضرتِ فاروقِ اعظم"

حضرت مُراد بخش مُرآد قریشی لاہوری

بن کرم شاہ قُدس سِرّہٗ

حضرت شاہ مُراد اپنے دادا (شاہ جی ابوالفتح) کے برادر معظم (حضرت خدا بخش) سے سلسلہ ارادت رکھتے تھے (جیسا کہ فرماتے ہیں طفیل نام پیر ما خدا بخش بصیاں شرمسار م یا خدا بخش) آپ عابد وزاہد اور متقی۔ صاحب تصانیف بزرگ تھے چنانچہ فارسی میں کتاب مثنوی مُراد العاشقین اور ترجیع بند مسمّٰی بہ ماہ مریداں بروزن ماہ شعباں اور دیوان مُراد اور مُراد المحبین (قصۂ چار درویش) بزبانِ اردو (دونوں رسالہ اُردو دہلی میں ڈاکٹر محمد باقر صاحب ایم۔اے اور میں نے شائع کرا دیئے ہوئے ہیں) آپ کے نظم کردہ ہیں۔ آپ کے استعارات اور اشعار سراسر تصوف اور عین سلوک ہیں۔

حضرت مراد کی وفات بقول صاحب اذکار قلندری ۱۲۱۵ھ (۵ محرم مطابق ۲۹ مئی ۱۸۰۰ء میں ہوئی۔ مزار پُر انوار موضع مردانہ کھوکھر (مریدوں کے گاؤں متصل مہتہ سوجا اسٹیشن شاہدرہ نارووال لائن) میں (بلندی پر متصل مسجد) ہے۔

تاریخ از مولف

چوں مراد از دارِ دنیا رخت بست — رفت در گلزارِ جنت با مراد

سالِ وصلش گو "شیخ مقتدا" ۱۲۶۵ھ — ہم بخواں "شاہ کرامت با مراد" ۱۲۱۵ھ

ناگہ ترا پئے تاریخ شد خیال — از "عظمت فقیر" جو سالِ انتقال ۱۸۰۰ء

نوٹ:۔ حضرت مراد شاہ کے مزار کے لئے موضع مردانہ کے ایک چاہ کا معاملہ سجادہ نشین رتہ پیراں کو سکھی اور انگریزی حکومت کی طرف سے جاگیر تھا۔ آخری سجادہ نشین پیر

محمد اشرف عالم شاہ کے کوئی نرینہ اولاد نہ تھی اس لئے جاگیر حسب شرط ضبط ہو گئی اور حضرت اشرف نے بزرگوں کی خانقاہوں کی آبادی کے لئے جو وقف کئے تھے وہ حال ہی میں سرکاری محکمہ اوقاف پاکستان نے اپنی تحویل میں لے لئے ہیں۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا[1]

حضرت پیر قلندر شاہ قریشی حارثی ہکاری

بن شیخ کرم شاہ قریشی قُدس سِرّہٗ

حضرت قلندر شاہ متاخرین مشائخ کاملین سے جامع خوارق وکرامت اور مظہر زہد وریاضت تھے۔ اگرچہ سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں اپنے باپ دادا سے اجازت وخلافت رکھتے تھے مگر دوسرے طریقوں میں دوسرے مشائخ عظام سے بھی خلافت حاصل کی۔ چنانچہ طریقہ عالیہ چشت اہلِ بہشت کی تلقین اذکار شیخ بدرالدین چشتی صابری سے اور سلاسلِ خمسہ یعنی چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، قادریہ اور مداریہ کی خلافت شیخ اجمل الٰہ آبادی سے حاصل کی اور اس اکتساب اور حصولِ تکمیل کے بعد آپ مقتدائے زمانہ اور یگانۂ وقت ہو گئے۔ صاحب اذکار قلندری (پیر فرخ بخش آپ کے بھائی اور خلیفہ) فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت قلندر شاہ موضع بہے میں جو لاہور کے مضافات میں ہے تشریف لے گئے۔ اس وقت بارش نہ ہونے کی وجہ سے زمیندار بہت تنگ تھے۔ سب نے اکٹھے ہو کر (آپ) مقتدائے دین کی خدمت میں نزولِ باران کے لئے عرض کی۔ لہٰذا آپ نے مریدوں میں سے چار اشخاص کو ارشاد فرمایا۔

---

[1] حضرت مراد کے حالات کے لئے ملاحظہ ہوں۔ تاریخ جلیلہ، نامہ مراد، مثنوی مراد العاشقین اور پنجاب میں اردو از حافظ محمود شیرانی۔ (حتیم افضل)

ورودِ نزولِ باراں :- کہ جنگل میں جا کر جتنا بھی ہو سکے کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا ذکر کرو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مینہ برسے گا۔ پس انہوں نے حسبِ ارشاد عمل کیا کہ تین گھڑی کے اندر آسمان پر بادل چھائے اور بارش ہوئی شروع ہوئی اور ایسی ریل پیل ہوئی کہ پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔

کرامت فراخیٔ طعام :- صاحب اذکار قلندری نے سید حق آگاہ فضل شاہ ساکن سانڈہ کی زبانی جو کہ حضرت موصوف کے بڑے خلیفوں میں سے ہیں۔ لکھا ہے کہ ایک دن آنحضرت چھ درویشوں کے ساتھ سانڈہ میں سید فضل شاہ کے ہاں رونق افروز ہوئے اور سید ممدوح نے بارہ آدمیوں کو کفایت کرنے والا کھانا پکوایا۔ جب کھانے کا وقت آیا تو آپ کے بہت سے اور مرید بھی آ گئے۔ فضل شاہ آدمیوں کی کثرت اور کم کھانا دیکھ کر حیران ہوئے۔ شیخ علیہ الرحمتہ نے نورِ باطن سے اُن کی پریشانی معلوم کر لی تو فرمایا سید صاحب حیرانی کی کوئی بات نہیں جس قدر طعام موجود ہے میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ حاضرِ خدمت کیا گیا اس خیال سے کہ آں جناب تبرک کا تھوڑا تھوڑا حاضرین میں تقسیم کر دیں گے۔ اسی اثنا میں شیخ خود اُٹھے اور کندھے سے اپنی متبرک چادر اتار کر کھانے پر ڈال دی اور تقسیم شروع کی۔ جب سب نے سیر ہو کر کھا لیا تو چادر اٹھانے پر دیکھا کہ کھانا ویسے کا ویسا موجود ہے۔

تاریخ ولادت ووفات :- صاحبِ اذکارِ قلندری کے قول کے مطابق حضرت قلندر شاہ کی ولادت ۱۱۸۵ھ میں اور وفات ۲۶ رمضان ۱۲۴۸ھ (مطابق ۱۸ فروری ۱۸۳۳ء) ہجر رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحریم و شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ (تی) ہوئی۔ (عرس ۲۷ رمضان کو ہوتا رہا ہے اس سال محکمۂ اوقاف کے ذمے تھا جو نہیں ہوا۔ (تی)

آنجناب کے قطعاتِ تاریخ وفات تصنیف کردہ صاحبِ اذکارِ قلندری و شاہ غلام

محی الدین فرزند ارجمند آنجناب یہ ہیں۔

صاحب اذکار قلندری سے

دریغا کہ شاہ قلندر زدنیا
سفر کرد از ماسوائے دارِ عُقبیٰ

چو تاریخ سال وصالش جستم
بگفت ہاتفِ غیب کن گوش بابا

بفضلِ خدا آں ولیٔ زمانہ
گرفت از پئے خویش "باغ ارم جا"
۱۲۴۸ھ

از شاہ غلام محی الدین

غلامی بیا نالہ و آہ کن !
جہاں راز دردِ دل آگاہ کن

کہ پدرم شہنشاہ عالی جناب
بہ آرامگاہِ جناں کرد خواب

خبر جستم از سال تاریخ آں
ہمن ہاتفِ غیب گفت آں زماں

کہ یادِ خدا بود مرغوب آں
تو سالِ وصالش "زمرغوب" خواں
۱۲۴۸ھ

از مولف

قلندر شاہ شیخ ہر دو عالم
کہ ذاتش پیر ہر برنا و پیر است

بود تولیدِ او "خورشیدِ اجلال"
۱۱۸۵ھ

وصالش "زاہد صافی ضمیر" است
۱۲۴۸ھ

ایضاً ؎

حضرت شاہ قلندر باوقار   آنکہ شد روشن بعالم مثل ماہ
عقل "شمس الدین قلندر شاہ گفت   طرفہ تر تولید او باعز و جاہ
۱۱۸۵ھ   "بے نیاز عاشق قلندر بادشاہ"
          ۱۲۴۸ھ
سال ترحیلش ہمہ در شد عیاں   ز "فضلِ کبریا شاہ قلندر"
مرا تاریخ شد معلوم ناگی   ۱۸۳۳ھ

نوٹ:- خانقاہ قلندری کے لئے جاگیر اور وقف

حضرت قلندر شاہ کی خانقاہ کے لئے سکھوں نے جو جاگیر دے رکھی تھی وہ حکومتِ انگریزی نے بھی بحال رکھی۔ اس میں شرط یہ تھی کہ صرف سجادہ نشین کی ذکور اولاد مستحق ہوگی۔ سرکار نے نصف موضع رتہ پیراں کا معاملہ بطور جاگیر دے رکھا تھا۔ چونکہ حضرت اشرف عالم شاہ مرحوم کو نرینہ اولاد کی طرف سے مایوسی تھی اس لئے آپ نے خیال دور اندیشی خانقاہ کے قیام اور اپنا جدی سلسلہ مسافر پروری و مہمان نوازی قائم رکھنے کے لئے آٹھ مربعے زمین وقف کر دی جس کو مغربی پنجاب کے محکمۂ اوقاف نے اپنے قبضہ میں لے لیا ہے فی الحال سلسلہ منقطع نظر آرہا ہے۔ دیکھئے خدا کو کیا منظور ہے؎

ہر کسے تدبیر کارے می کند   ما رہا کر دیم بر نعم الوکیل

غلام دستگیر ناگی متولی مقرر کردہ حضرت اشرف واقف ابن نبیرہ
حضرت قلندر شاہ نزیل پاکپتن ۹/۴/۶۱

لاہور میں

سلسلہ چشتیہ کے بزرگ

سلسلہ چشتیہ ہندوستان میں حضرت خواجہ معین الدین سجزی (س۔ج۔ز۔ی) ثم اجمیری کے وجود باجود سے پھیلا اس سلسلہ کے بزرگ زیادہ تر دہلی اور اس کے مضافات میں مصروف تبلیغ رہے لاہور کی طرف بہت کم بزرگوں نے رُخ کیا۔ لاہور میں زیادہ تر سلسلہ سہروردیہ اور گیلانی بزرگوں کے آثار پائے جاتے ہیں۔ جن کے حالات گزر چکے ہیں۔ اب چشتی بزرگوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت شاہ کاکو چشتی لاہوری قدس سرُّہٗ

شاہ کاکو شیخ نور الدین قطب العالم المشہور بہ نور قطب العالم بنگالی قُدس سرُّہٗ متوفی ۸۵۱ھ مدفون قصبہ پنداوہ کے خلفاء میں سے تھے۔ پیر صاحب موصوف نے بعد تکمیل خرقۂ خلافت عطا کر کے آپ کو تبلیغ و تلقین کے لئے لاہور بھیجا۔ یہاں آپ نے خلقِ کثیر کو حق کی طرف رہنمائی کی۔ شاہ کاکو کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت مسعود فرید الدین گنج شکر پاکپتن سے ملتا ہے۔ مفتی غلام سرور مرحوم لکھتے ہیں کہ جامع کمالات شیخ کاکو کی وفات بقول تذکرہ شیخ چوبڑ ہند کی قطب العالم ۸۸۲ھ مطابق ۱۴۷۷ء میں واقع ہوئی جبکہ سلطان بہلول لودھی کا عہد تھا۔ مزار پُر انوار لاہور میں ہے۔

تاریخ رحلت یہ ہے

چواز دنیائے دوں رخت سفر بست　　جناب شاہ والا جاہ کاکو
چو سرور جست تاریخ وصالش　　ندا شد "شاہ اکبر شاہ کاکو"
۸۸۲ھ
بہر تاریخ ناؔمی حامد　　"شاہ کاکو غلام احمد" گفت

جوگی کی پیش کش :- تذکرۂ قطبیہ میں جو حضرت جمال الدین لاہر قریشی مدفون محلہ جوگی پورہ آگرہ نے اپنے مرشد اور بڑے بھائی حضرت عبدالجلیل قطب العالم چوہڑ شاہ بندگی عظم اللہ تعالیٰ لاہور کے حالات میں لکھا ہے جو مسطور ہے اسی سے استنباط کر کے پیر فرخ حشمت مدفون رتہ پیراں نے اذکارِ قلندری مطبوعہ کے صفحہ ۱۲۹ میں رقم فرمایا ہے کہ جب حضرت عبدالجلیل موصوف (۸۸۲ھ کے لگ بھگ) مبارک ریاست بہاول پور سے لاہور وارد ہوئے تو اسی زمانہ میں راجہ سین پال سلہریہ نے سلطان بہلول لودھی سے سرکشی کی جس کی تادیب کے لئے سلطان مذکور نے فوج روانہ کی۔ اس نے اپنے مہنت جوگی اجے پال کو (جس کا نام پیر نبی حشمت جد امجد والد ناؔمی نے ہری ناتھ لکھا ہے) سفیر بنا کر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ جس نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ رب العالمین نے اپنے بندوں کو بادشاہوں کے قبضے میں دیا ہے کہ وہ عدل وانصاف سے ان کے حقوق ادا کریں۔ اگر اجازت ہو تو بندہ کچھ عرض کرے۔ فرمایا اجازت ہے۔ عرض کیا کہ اگر حضُور کا منشا ہو کہ قوم سلہریہ رضائے دل اور رغبت خاطر سے دائرۂ اسلام میں داخل ہو تو آپ کسی صاحبِ حال بزرگ سے مجھے ہم کلامی کا موقع دیں جو مجھے کرامت دکھائیں یا مجھ سے دیکھیں۔ اگر وہ غالب آجائیں اور مجھے قائل کر لیں تو میں دینِ اسلام قبول کر لوں گا اور میرے ساتھ بے تردد راجہ اور تمام قوم سلہریہ مسلمان ہو جائے گی اگر وہ مردِ خدا مجھے مغلوب اور قائل نہ کر سکیں تو بادشاہِ گیتی پناہ عہد فرمائیں کہ پھر راجہ سین پال کے مزاحم نہ ہوں گے۔ جرم گزشتہ کو معاف کر دیں گے

اور راجہ مذکور سے خراج ادا کرنے کا عہد لے کر اسے آزاد کر دیں گے۔

دعوتِ اسلام کے لئے مبلغ کی تلاش :- سلطان بہلول لودھی نے یہ بات مان لی اور تلاش ہوئی کہ ان دنوں کون بزرگ ہیں جن کو جوگی سے مکالمہ کے لئے مامور کیا جائے۔ پتہ ملا کہ حضرت شاہ کاکو لاہور میں موجود ہیں۔ بادشاہ نے اپنے وزیر کو ان کی خدمت میں تمام بات سمجھا کر بھیجا۔ بزرگ موصوف نے فرمایا کہ میں بوجہ کبر سنی بہت کمزور ہو گیا ہوں۔ کلام کرنے کی بھی طاقت نہیں رہی۔ لاہور ہی میں چند ماہ سے شیخ عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی سلطان حمید الدین حاکم اور شیخ ابوالحسن بکاری کی اولاد سے رونق افروز ہیں۔ ان سے التماس کریں وہی اس مہم کو سر کریں گے۔

دعوتِ اسلام کے لئے حضرت شاہ کاکو کی نامزدگی :- چنانچہ وزیر موصوف سلطان بہلول لودھی کی اجازت سے حضرت قطب العالم کی خدمت میں حاضر ہوا اور حقیقتِ حال عرض کی۔ آپ نے فرمایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس بے دین راجہ کے جوگی کو مع قوم سلہریہ مشرف باسلام کیا جائے گا۔ چنانچہ مجلسِ مناظرہ منعقد ہوئی۔ وہ جوگی صاحبِ استدراج تھا اس نے آپ کو سیر ارض وما فیہا کرائی۔

جوگی حقانیتِ اسلام کا قائل ہو گیا :- پھر حضرت قطب العالم نے اسے مراقبہ میں لے جا کر عالم حقیقت کا جلوہ دکھایا جس کے مشاہدہ سے وہ حقانیت اسلام کا قائل ہو گیا۔ خود مسلمان ہوا اور راجہ اور قوم سلہریہ کو بھی دعوتِ اسلام دے کر مشرف باسلام کیا۔

(الحمد لله علىٰ ذالک)

یہ قوم سلہریہ وغیرہ اسلام قبول کر کے اب تک نسلاً بہ نسل اولاد حضرت عبدالجلیل قطب العالم عظم اللہ تعالیٰ کی مرید چلی آتی ہے۔ ان کے مملوکہ دیہات کی فہرست مع مختصر حالات تاریخ جلیلہ طبع ثانی میں بھی دی ہے اور صفحہ ۳۶۵ تا ۳۷۳۔ یہ کتاب اور

دیگر کتب حضرت محمد اشرف عالم شاہ سجادہ نشین دودمان جلیلہ کے اوقاف فنڈ سے چھپا کر مفت تقسیم کی جاتی رہیں مگر اب محکمۂ اوقاف نے ان اوقاف پر قبضہ کر لیا ہے اور فی الحال یہ سلسلۂ تبلیغ واشاعت معطل ہو گیا ہے۔ خدا اسے جاری کرے۔

وضاحت :- اوپر جو بیان کیا گیا ہے مقصد اس سے یہ بتانا ہے کہ حضرت شاہ کاکو کے بعد ان کی جگہ کون بزرگ صاحبِ ولایت ہوئے اور انہوں نے دین کی کیا خدمت کی۔

حضرت شاہ کاکو کا مزار کہاں واقع تھا :- تذکرہ قطبیہ میں لکھا ہے کہ خطہ کوٹ کروڑ (جہاں حضرت عبد الجلیل قطب العالم کی خانقاہ ہے) اور مزار شاہ کاکو کے درمیان حضرت بایزید مرید حضرت قطب کا برلب دریا واقع مزار ہے) حضرت بایزید کے مزار کے پاس سے دریا نے مدت سے رُخ موڑ لیا ہوا ہے اور اب اس مزار کا نیم افتادہ گنبد مشن احاطہ کے اندر ریلوے پولیس کے دفتر کے قریب واقع ہے۔ اب یہ سمجھنا چاہئے کہ حضرت قطب العالم کی خانقاہ سے کوئی چوتھائی میل کے فاصلہ پر جانب شمال شیخ کاکو کا مزار تھا جو ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے سکھوں نے انگریزی قانون کے زور سے مع مسجد کھود ڈالا۔ اب یہ جگہ سکھوں کا شہید گنج واقع لنڈا بازار کہلاتی ہے کیونکہ اس جگہ حسب تحریر سید محمد لطیف جج صفحہ ۷۴ '۱۶۱ تاریخ لاہور (انگریزی) باغی سکھوں کو 'جنہوں نے ایمن آباد کے گردو نواح میں لوٹ مار مچا رکھی تھی' دیوان لکھپت رائے 'وزیر اعظم یحییٰ خان نے ۱۷۴۶ء میں اپنے بھائی جسپت رائے کے قتل کا سکھوں سے بدلہ لینے کے لئے کئی سکھوں کی گردنیں ماردی تھیں۔ یہ جگہ گھوڑا نخاس (منڈی) کہلاتی تھی۔ سکھوں نے اس مقتل کو شہید گنج کا نام دیا اور اب تک یہی مشہور ہے۔ یہ جگہ ایک چار دیواری سے محصور ہے اور پاکستانی حکومت اسے پولیس کے پہرے میں محفوظ رکھے ہوئے ہے۔ بھارتی حکومت کو اس سے شرمندہ ہو کر سبق حاصل کرنا چاہئے جس نے امرتسر وغیرہ میں عظیم الشان مساجد کو منہدم کر کے سکھوں وغیرہ کو بسا کر آلودہ کر دیا ہے۔

حضرت شاہ کاکو کا عرس شیخ کھوبے (جو اب خواجہ کہلاتے ہیں) کیا کرتے تھے مگر جب مزار ہی نہیں اور مقام سکھوں کے لئے محفوظ اور بند ہے تو کوئی عرس وہاں کس طرح کرے۔ ہاں مرید اپنے گھروں میں ختم دلا سکتے ہیں۔

تاریخ لاہور (انگریزی) کے ص ۴۲ میں مسطور ہے کہ شیخ کاکو کے فرزند مولانا اسحاق لاہور میں رہتے تھے۔ شیخ سعد اللہ وزیر شاہجہان' شیخ منور (مترجم مجمع البلدان۔ و مصنف مشارق الانوار۔ بدیع البیان اور ارشاد قاضی وغیرہ) متوفی در قید ۱۰۱۱ھ مطابق ۱۶۰۲ء اور دیگر علماء آپ کے شاگرد تھے۔ آپ نے سو برس سے زیادہ عمر پائی۔ تذکرہ قطبیہ میں شیخ کاکو کے ایک لڑکے کا ذکر ہے جس نے حضرت عبد الجلیل کو متہم کرنے کی کوشش کی تھی اور ملک بدر ہونے کی سزا حضرت قطب العالم کی سفارش سے بادشاہ نے معاف کی تھی۔

(تاریخ جلیلہ ص ۱۱۳)

شیخ محمد سلیم چشتی صابری لاہوری قُدِّسَ سِرُّہٗ

شیخ محمد سلیم شیخ محمد صدیق چشتی لاہوری (متوفی ۱۰۸۲ھ) کے کامل خلیفہ ہیں۔ آپ عشق و محبت۔ جذب و سُکر اور سماع و وجود کے جامع تھے۔ مقامِ فقر میں مقامِ بلند اور درجہ مُعلیٰ کے مالک تھے۔ سماع میں ایسی حالت طاری ہو جاتی کہ افتراقِ روح کی نوبت آجاتی اور دو دو تین تین دن مست اور بے خود پڑے رہتے اور لوگ سمجھتے کہ فوت ہو گئے ہیں۔

آخر ۱۰۳۰ھ کی سوم ماہ ذوالحجہ مطابق ۹ اکتوبر ۱۶۲۱ء کو عہدِ جہانگیر میں اس پُرملال دنیا سے قربِ ایزدِ متعال سے جا ملے اور اپنے پیر کے مزار کے جوار میں بمقام میدان زین خاں مدفون ہوئے۔

منظوم تاریخ

چواز دنیا بفردوس بریں رفت — سلیم آں شاہ عالم شاہ حق بیں
"حبیب کبریا مرد سلامت" — بجو سالِ وصالِ آں شہ دیں
دگر "فیضِ سلیم" آمد وصالش — رقم کن باز فارغ باش بنشیں
۱۰۳۰ھ
"ظہیر وقت" ہم "فخر خلائق" — دو تاریخ وصالش گفت ناؔمی
۱۶۲۱ء ۱۶۲۱ء

نوٹ:- مفتی صاحب مرحوم نے اس بزرگ کی تاریخ کے متعلق خزینۃ الاصفیاء اور حدیقۃ الاولیاء میں تضاد پیدا کر دیا ہے ملاحظہ ہو اس ولی کا حال بطور نمبر ۹۔

شیخ جان اللہ چشتی لاہوری قدس سرہٗ

آپ شیخ نظام الدین بلخی (متوفی ۸ رجب ۱۰۳۶ھ و مدفون بلخ) کے پندرھویں خلیفہ ہیں۔ ان کے لاہوری پیر بھائیوں کے نام ا۔ سید اللہ بخش بھکری۔ ۲۔ شیخ عبدالکریم لاہوری (مدفون متصل موضع نواں کوٹ) ۳۔ بندگی شیخ اللہ بخش لاہوری اور ۴۔ شیخ دوست محمد لاہوری ہیں۔

شیخ جان اللہ کو علومِ ظاہری اور باطنی میں پوری استعداد تھی۔ شروع میں انہوں نے تعلیم لاہور میں حاصل کی۔ پھر جاذبِ حقیقی نے اپنی طرف کھینچ لیا اور تعلیم سے فارغ ہو کر لاہور سے نکل کر قندھار پہنچے اور شیخ نظام الدین بلخی کے مُرید ہوئے اور زہد و ریاضت میں کمال حاصل کیا۔ پیر کے ساتھ کعبہ کو گئے اور پھر بلخ پہنچ کر خرقۂ خلافت پایا۔ جب واپس لاہور آئے تو آپ کی کرامت کا شُہرہ زیادہ ہوا اور بہت سی خلقت نے آپ کی ارادت اختیار کی۔ آپ

۹ جمادی الاخری ۱۰۳۹ھ مطابق ۱۴ جنوری ۱۶۳۰ء کو فوت اور باغ مہماں سنگھ لاہور میں دفن ہوئے۔

تاریخ منظوم

شیخ جان اللہ چوں مظہر قضا — زیں جہاں رفت سوئے دارِ جناں
ہست "فیض الحسن" بتاریخش — ہم دگر "اہلِ فیضِ جان جہاں"
۱۰۳۹ھ ۱۰۳۹ھ
چو سال وصالش بپرسند ناؔمی — بجو "نکتہ سنج بلیغ" است تاریخ
۱۶۳۰ء

رافضی کو قتل کر دیا:- شیخ جان اللہ موصوف کے مُرشد کی ایک کرامت مفتی صاحب نے یہ لکھی ہے کہ جامع بلخ کا امام رافضی تھا۔ جس نے سُنیت کا جامہ پہنا ہوا تھا۔ آپ جمعہ کی نماز اس کے پیچھے نہیں پڑھتے تھے۔ لوگوں نے بادشاہ سے شکایت کی کہ جمعہ کی نماز دو جگہ ٹھیک نہیں۔ بادشاہ نے جو آپ (حضرت نظام الدین بلخی) کا مرید تھا۔ آپ سے سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ وہ رافضی ہے یہ سن کر وہ امام بر افروختہ ہوا اور تیغ برہنہ لئے بارہ ہزار مقتدیوں کے ساتھ آیا کہ مجھے رافضی ثابت کرو ورنہ میں ابھی تمہیں قتل کرتا ہوں۔ آپ نے بادشاہ سے کہا کہ اس کے پاؤں کا موزا اتار کر پھاڑیں اور دیکھیں کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے آپ کے ارشاد پر عمل کیا تو اس سے کاغذ برآمد ہوا۔ جس پر نام شیخین رضوان اللہ علیہم لکھے تھے یعنی ابوبکر و عمر۔ اہلِ شہر نے آپ کی یہ کرامت دیکھی تو امام مذکور کو قتل کیا اور آپ کے مرید ہو گئے۔ (صفحہ ۴۲۵ جلد اول خزینۃ الاصفیاء) محلہ چلہ بیبیاں لاہور میں ایک سبزواری مولوی تھے جو باہر جا کر سُنی بنتے جماعت کراتے اور لوگوں سے نذریں وصول کرتے تھے۔ آخر پیر دنجات سے ایک مقتدی مرید نے آپ کو ایک امام باڑے میں تبلیغ شیعیت کرتے دیکھا تو راز ظاہر ہوا۔ بات یہ ہے کہ ان لوگوں میں تقیہ کا مسئلہ بڑا زبردست ہے حصولِ جاہ و عزت کے لئے جہاں چاہیں اس سے کام لے سکتے ہیں اور اس میں بڑا ثواب

سمجھتے ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے۔

مصرع کیا جو جھوٹ کا شکوہ تو یہ جواب ملا تقیہ ہم نے کیا تھا ہمیں ثواب ملا

مثل مشہور ہے کہ "سنی شیخ و شیعۂ کشمیر ہر دو بے پیر" مگر ایسے سخت سنیوں کو بھی یہ لوگ جل دے جاتے ہیں۔

شیخ حاجی عبدالکریم چشتی لاہوری قدس سرہٗ

حاجی صاحب موصوف کے والد بزرگوار کا نام شیخ مخدوم الملک عبداللہ انصاری تھا اور آپ (حاجی صاحب) نے خاندانِ چشتیہ صابریہ میں شیخ نظام بلخی سے بیعت کی۔ جب آپ کے والد بزرگوار کو اکبر بادشاہ نے ملکِ ہند سے نکال دیا تو حضرت انصاری مذکور کے ساتھ شیخ عبدالکریم بھی حرمین شریفین (مکہ معظمہ و مدینہ منورہ) کو تشریف لے گئے اور حج و زیارت سے مستفیض ہوئے۔ جب والدِ ماجد صدمۂ زہر سے شہید ہو گئے تو آپ لاہور آگئے اور قیام فرما کر ہدایتِ خلق میں مصروف ہوئے اور بہت سی خلقت آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئی اور آپ سے بہت سی کرامتیں ظاہر ہوئیں۔

وجۂ ترکِ شکارِ درّاج :- حاجی صاحب موصوف جب دوسری دفعہ پاپیادہ خشکی کی راہ حج کرنے روانہ ہوئے چند احباب ساتھ تھے راستہ بھول گئے اور ایسے بیابان میں جا پڑے جہاں پانی نہ تھا۔ ساتھیوں پر پیاس نے غلبہ کیا تو آپ نے آسمان کی طرف مُنہ کر کے دعا کی جو قبول ہوئی۔ اُسی وقت ایک تیتر آپ کے سر پر آکر بولنے لگا۔ آپ نے سمجھ لیا کہ یہاں جانور ہیں پانی ضرور ہو گا۔ چند قدم چلے تو پانی کے چشمے مل گئے شکرِ الٰہی بجا لائے پانی پیا، وضو اور غسل کیا۔ پھر فرمایا کہ چونکہ تیتر ہماری سلامتی کا موجب بنا ہے تو ہمارے مریدوں میں سے کوئی اس پرندے کو شکار کرے نہ اس کا گوشت کھائے۔ پس اس دن سے مریدوں نے تیتر کا

گوشت کھانا ترک کر دیا۔

یکدم لاہور سے عرفات :- ایک دن شیخ صاحب موصوف اپنی خانقاہ سے جو باغ زیبندہ بیگم کے متصل ہے۔ پیر زہدی کے مزار کی طرف جا رہے تھے کہ راہ میں شیر ارشیم باف ملا۔ اس دن عرفہ عیدالاضحیٰ تھا شیرا نے عرض کیا کہ آج روزِ حج ہے کیا ہی خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو آج طوافِ حج کر رہے ہیں اور افسوس ہم جیسوں کی حالت پر کہ اس سعادت سے محروم ہیں۔ یہ بات سن کر آپ نے فرمایا۔ کیا تم حج کرنا چاہتے ہو؟ عرض کیا۔ ہاں۔ فرمایا آنکھ بند کر لو اور پیچھے قدم بقدم چلو۔ وہ اسی طرح گامزن ہوا۔ ایک دم بعد آپ نے فرمایا کہ آنکھ کھول دو۔ آنکھ کھولی تو دیکھا کہ شیخ کے ساتھ عرفات میں ہے۔ فراغِ خاطر سے مناسکِ حج ادا کر لئے تو اسی طور پر پھر لاہور پہنچ گیا۔

چور اندھا ہو گیا :- حضرت حاجی عبدالکریم کے چار فرزند تھے۔ ۱۔ شیخ یحییٰ۔ ۲۔ اللہ نور۔ ۳۔ عبدالحق۔ ۴۔ اعلیٰ حضور۔ ان میں سے شیخ یحییٰ بہت صاحبِ کمال اور اہلِ حال و قال تھے۔ بہت سی خلقت ان کی ہدایت سے بادیۂ حق سے واصل ہوئی۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ایک دن ایک چور خیرو نام موضع سیدوالا (متصل ماچھانوالہ) سے چوری کرنے کی نیت سے لاہور آیا اور کہیں داؤ نہ چلا تو شیخ یحییٰ کی خانقاہ میں آکر نقب لگائی اور دو راس بیل نکال کر باہر لایا تو اندھا ہو گیا۔ آخر بیل ایک جگہ باندھ کر آپ ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ دن چڑھا تو خدامِ خانقاہ نے یہ خبر شیخ موصوف کے گوش گزار کی۔ آپ نے اسے بلا کر فرمایا کہ اگر کلمہ پڑھ کر توبہ کر لو تو تم واجب الرحم ہو۔ اس نے توبہ کی تو آپ نے اپنا ہاتھ اس کی آنکھوں پر ملا۔ پس وہ اسی وقت بینا ہو گیا اور مرید ہو کر کمال کو پہنچا۔

تصانیف شیخ :- شیخ عبدالکریم عامل عالم اور فاضلِ کامل تھے اور عُلُومِ ظاہری میں بھی ان کو کمال حاصل تھا۔ آپ کی تصانیف سے شرح فصوص الحکم زبانِ فارسی مقبولِ عام و

خاص ہے اور ایک رسالہ نام اسرارِ عجیبہ سلسلہ چشتیہ کے ذکر و شغل کے بیان میں بھی ہے۔

وفات اور مزار :- آپ کی تاریخ وفات ۷ رجب ۱۰۳۵ھ مطابق ۲۵ دسمبر ۱۶۳۵ء ہے۔ مزار گوہر یار باغ زبیدہ بیگم کے متصل جو کہ اب نواں کوٹ کے نام سے مشہور ہے واقع ہے۔

منظوم تاریخ رحلت

شیخ اکرم کریم با اکرم! — مکرمت یافت چوں خلد بریں

"مقتدائے شفیق" داں سالش عیاں — نیز "بر حق کریم کاشف دیں" (سرور)

۱۰۳۵ھ — ۱۰۳۵ھ

اگر پرسند از تو ایں حامد — بگو "مخدوم خوشحال" است تاریخ (نامی)

۱۶۳۵ء

یعنی شیخ عبدالکریم عہد شاہجہان میں واصل حق ہوئے۔ نامی

شیخ عبدالخالق لاہوری چشتی صابری قدس سرہٗ

شیخ موصوف شیخ جان اللہ کے جلیل القدر خلفاء میں سے تھے۔ فقر میں شانِ بلند اور مقاماتِ ارجمند رکھتے تھے۔ وجد و سماع میں اضطراب لاحق ہو جاتا۔ اور اس حالت میں جس پر نظر ڈالتے وہ بے ہوش ہو جاتا۔ آپ کا لنگر محتاجوں مسکینوں کے لئے عام تھا۔ بہت خلقت آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئی اور کمال کو پہنچی۔

شیخ موصوف ۱۲ رجب ۱۰۵۹ھ مطابق ۱۲ جولائی ۱۶۴۹ء کو فوت ہوئے خانقاہ میدان واقع میدان زین خاں ہے۔

تاریخ منظوم ؎

چو شد عبد خالق رودار فنا — مکاں کرد در دارِ خلدِ بریں

وصالش بجو "فیض حقانی" است — دگر "عبد خالق امام یقین" (سرور)

۱۰۵۹ھ — ۱۰۵۹ھ

ہاتفا بر وفاتِ آں چشتی — "مخبر باخرد" بجو تاریخ!

۱۶۳۹ء

شیخ عارف چشتی لاہوری قدس سرہٗ

شیخ موصوف شیخ اسحاق بن شاہ کاکو چشتی کے باکمال مرید اور اہلِ حال و قال خلیفہ میاں عارف کے نام سے مشہور تھے۔ شاہجہان بادشاہ کے عہد میں آپ نے علم مشیخت بلند کیا۔ آپ کے بہت مرید تھے۔ ہر مہینے کے آخری عشرہ میں اعتکاف میں بیٹھتے اور حجرے کا دروازہ اس دن بند کر کے بے خورد و خواب مصروفِ عبادت رہتے۔ جب اگلے مہینے کی پہلی تاریخ باہر نکلتے تو عام و خاص لوگوں کو حجرے کے دروازے سے دور کر دیا جاتا۔ اگر کوئی وہاں رہ جاتا تو شیخ کی نظرِ جلالت کے اثر سے اس پر تین دن بے ہوشی طاری رہتی اور تارکِ دنیا ہو جاتا۔ اس لئے آپ اس دن تنہا بیٹھے رہتے اور کسی کو پاس نہ آنے دیتے۔ جب سماع میں بیٹھتے تو وجد و اضطراب کی کثرت سے روح کے انفراق کی نوبت آ پہنچتی۔ آخر عمر میں آپ نے حالتِ اعتکاف ہی میں جان جانِ آفرین کے سپرد کی۔

وفات اور مزار :- یہ جامع الکرامات شیخ ۱۰۶۲ھ مطابق ۱۶۵۲ء میں واصل حق اور حضرت طاہر مجددی لاہوری کے مزار کے جوار میں مدفون ہوئے۔

تاریخ منظوم

چوں جناب عارفِ چشتی ولی　　سوئے جنت شد ازیں عالم رواں

سال وصلش کو "فرید حق پرست"　　بارِ دیگر "عارفِ چشتی" خواں
۱۰۶۴ھ　　۱۰۶۴ھ

چونکہ خلوت میں ہوئے واصل حق　　"خوبیٔ خلوت" ہے ناؔمی! سال فوت
۱۶۵۴ء

شیخ محمد عارِف چشتی صابری قُدِّس سِرُّہٗ

شیخ موصوف، شیخ عبدالخالق چشتی لاہوری کے نامی خلیفہ ہیں۔ فقر و تجرید بلند شان کے مالک تھے۔ جو زبان سے فرماتے پورا ہو جاتا۔

ایک دن خانقاہ میں محفلِ سماع گرم تھی اور قوال یہ بیت پڑھ رہے تھے۔

آں مسیحائے کہ جاں در دستِ اوست
می دہد جاں گر بمیرم چند بار!

(یعنی وہ مسیحا جو جان کا مالک ہے۔ میں خواہ کتنی دفعہ مروں وہ پھر جان دے دیتا ہے۔) شیخ یہ سن کر جامِ وجد سے مست ہو رہے تھے کہ ایک بچے کو، جس کی زندگی کوئی دم کی مہمان تھی، چارپائی پر ڈال کر اس مجلس میں لے آیا اور اس کی شفا کے لئے دعا کی التجا کی۔ آپ نے اپنا دستِ حق پرست اُس کے مُنہ پر پھیرا تو اُسے اُسی وقت شفا ہو گئی۔

تاریخ وفات :- شیخ محمد عارف موصوف ۷ ذوالحجہ ۱۰۷۱ھ بمطابق ۲۴ جولائی ۱۶۶۱ء کو رہگرائے عالم جاودانی ہوئے۔ مزار گوہر بار لاہور میں لکھا ہے۔

منظوم تاریخ

شیخ عارف اہلِ کمال　　شد چو از دنیا خلد جاوداں

رحلتش "عارف ثریا جاہ" گو!　　ہم خواں "عارف شہنشاہ جہاں" (سرؔور)
۱۰۷۱ھ

ہاتف سے پوچھا میں نے تو بولا وہ ناؔمیا　　"فتاحِ بے نظیر" ہے تاریخ انتقال
۱۶۶۱ء

شیخ محمد صدیق چشتی صابری لاہوری قُدِّس سِرُّہٗ

شیخ موصوف، عظیم المرتبہ چشتی بزرگ ہیں۔ فقر میں آپ کی شان عالی اور رتبہ بلند تھا۔ عُلُومِ شریعت اور طریقت میں فرید العصر تھے۔ سارا دن طالبانِ علم کو درس دینے میں صرف فرماتے اور شام کے بعد طالبانِ حق کو تلقین فرماتے۔ پنجاب کی بہت سی خلقت نے آپ سے عُلُومِ دینی اور دُنیوی کی تحصیل کی۔ سماع و وجد کی حالت میں جس پر آپ کی نظرِ فیض اثر پڑ جاتی وہ تارکِ دنیا ہو جاتا۔

آپ نے خرقۂ خلافت شیخ محمد عارف لاہوری سے پہنا اور لاہور ہی میں سکونت اختیار کی۔ وفات تاریخ ۸ ذوالحجہ ۱۰۸۴ھ بمطابق ۵ مارچ ۱۶۷۴ء ہے اور مزار پُر انوار لاہور کے میدان زین خان کی قبور میں ہے۔

منظوم تاریخ

زِ دنیا رفت در خلدِ معلےٰ　　چو صدیق آں ولیٔ راہِ تحقیق

رقم شد "شیخ قدسی" سال تاریخ　　بہ دیگر بار "شمع عشق صدیق" (سرؔور)
۱۰۸۴ھ　　۱۰۸۴ھ

آمد ندا ز ہاتف در گوش ابنِ حامد　　کہ "خدا پرست رہبر" تاریخ انتقال است (ناؔمی)
۱۶۷۴ء

مزار کا پتہ :- جج محمد لطیف مرحوم نے لکھا ہے ص ۹۵ کہ چشتی موصوف کا مزار میدان زین خان میں اس سڑک کے جنوب کو ہے جو سرائے رتن چند سے ریلوے اسٹیشن لاہور کو جاتی ہے۔ جدی محافظ مزار کا بیان ہے کہ اس کی چار دیواری کے باہر زین خان کا باغ تھا جس کا دروازہ اس نے خود دیکھا ہے۔ جج صاحب مرحوم نے شیخ محمد صدیق کی تاریخ رحلت ۸ ذوالحجہ ۹۹۰ھ مطابق ۱۵۸۲ء دی ہے جو مفتی صاحب کی تاریخ سے بہت مختلف ہے۔

شیخ محمد سلیم چشتی صابری لاہوری قدس سرہٗ

شیخ موصوف کا شمار صابری چشتیوں کے مشائخ عُظمیٰ میں ہے۔ آپ نے خرقہ خلافت شیخ محمد صدیق لاہوری سے پہنا اور خلقتِ کثیر کو بیعت سے مشرف فرمایا۔ آپ کی مجلس کبھی سماع سے خالی نہ ہوتی تھی۔ محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں لاہور کے علماء عداوت سے ان کے درپے ہو کر آمادہ ضرر رسانی ہوئے مگر ناکام رہے۔ آخر لاہور کا صوبہ دار آپ کا مرید بن گیا اور دشمنوں کی گوشمالی کی۔

تاریخ وفات سوم ذوالحجہ ۱۱۵۱ھ مطابق ۳ مارچ ۱۷۳۹ء ہے مزار لاہور میں ہے۔

منظوم تاریخ

چوں سلیم از قضائے ربانی — شد ز دنیائے دوں بباغ جناں
سال وصلش "سلیم اعظم" گو — بار دیگر "سلیم شیخ کلاں"
۱۱۵۱ھ — ۱۱۵۱ھ
سال ترحیل ہاتفی حامد! — گو "شرافت پناہ مخدومی" (   )
۱۷۳۹ء

شیخ محمد سعید چشتی صابری شرقپوری لاہوری قدس سرہٗ

شیخ موصوف سرمستِ محبتِ الٰہی اور جامع کرامات و حق آگاہی تھے۔ قصبہ شرقپور میں جو لاہور سے جانب غربت بارہ کوس کے فاصلہ پر واقع ہے سکونت پذیر تھے۔ اپنی نو مسلم قوم خوجہ کی طرح شروع میں محنت مزدوری اور سبزی فروشی وغیرہ سے معاش پیدا کرتے تھے۔ بعض دفعہ غلہ گندم اور نخود وغیرہ دوسرے دیہات سے خرید کر بیل پر لادتے اور لاہور آکر بیچتے اور اس کے نفع پر گزارہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ دوسرے خوجوں کے ساتھ لاہور کی طرف روانہ ہوئے۔ جب دریائے راوی عبور کر کے موضع نیاز بیگ کے قریب قدیمی گنبد مدرسہ کے پاس پہنچے تو بیل کا پاؤں پھسل کر ٹوٹ گیا اور غلہ وہاں زمین پر آگرا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے التجا کی کہ میرا غلہ بانٹ کر لاہور پہنچا دو مگر انہوں نے اس خوف سے کہ اس کام میں اندھیرا ہو گیا تو سکھ جو مغلیہ سلطنت کی کمزوری کی وجہ سے بے باک ہو کر لوٹ مار کرتے تھے آپڑیں گے۔ انہوں نے یہ بات نہ مانی اور شیخ محمد سعید کو چھوڑ کر چل دیئے اور آپ بے یار و مددگار رہ گئے۔ غلہ اور بیل کو لاوارث چھوڑ کر کہاں جا سکتے تھے۔ سورج غروب ہو گیا اور غریب پر سیاہ رات پہاڑ کی طرح آپڑی۔ ناچار اسی بیابان میں ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا اور بارگاہ ایزدی میں بڑی الحاح و زاری سے استمداد کی کہ یا اللہ کوئی موکل بھیج دے جو غلہ لاہور پہنچا دے۔

غیبی مدد :- اسی حالت میں آدھی رات گزر گئی۔ ناگاہ دور سے ایک گھوڑ سوار ظاہر ہوا۔ نزدیک آکر اس نے کہا کہ تو کون ہے جو اس ویرانہ میں کالی رات میں پڑا ہے؟ میرے پاس اپنا غلہ اُٹھا لا۔ محمد سعید نے خیال کیا کہ یہ شخص کوئی لٹیرا ہے جو مجھے لوٹنے آگیا ہے پس جواباً کہا کہ میں ایک غریب مزدور آدمی ہوں۔ نام سعید ہے۔ کوئی زر نقد پاس نہیں۔ غلہ کی ایک بوری اور پاشکستہ بیل ہے اسوار نے کہا بوری میرے پاس اُٹھا لا۔ آپ نے کہا کہ میں اٹھا

نہیں سکتا اور بیل لنگڑا ہے! فرمایا لنگڑا نہیں تندرست ہے۔ عرض کیا لنگڑا ہے۔ اسی وجہ سے میں یہاں پڑا ہوں اور میرے ہمراہی لاہور پہنچ گئے ہیں اور میں اس جگہ کوئی خویش بیگانہ پاس نہ ہونے کی وجہ سے تنہا ہوں۔ فرمایا بیل کو کھڑا کرو تاکہ تجھے معلوم ہو کہ اس کا پاؤں درست ہے۔ جب محمد سعید نے بیل کو کھڑا کیا تو اس کے پاؤں کو صحیح و سلامت پایا۔ جان لیا کہ یہ غیبی مدد ہے اور یہ شخص ڈاکو نہیں بلکہ رہنما ہے۔ پھر عرض کیا کہ گندم کی بوری بھاری ہے میں تنہا اٹھا نہیں سکتا۔ یہ سن کر گھوڑے کا سوار زیادہ نزدیک آیا اور اپنے نیزے کی نوک سے بوری اٹھانے میں مدد کی۔ اسی وقت بوری پھول کی پتی کی طرح ہلکی ہو گئی۔ محمد سعید کی جب بخت و سعادت نے یاوری کی تو اچھل کر سوار کے قدم مبارک پکڑ لئے اور عرض کیا کہ مدد و زیارت سے تو مستفید ہو گیا ہے اب میں چاہتا ہوں کہ آنجناب کے اسمِ گرامی سے بھی آگاہ اور دنیا و مافیہا سے بے پرواہ ہو جاؤں۔ فرمایا تجھے اس سے کیا کام۔ جا اپنا راستہ لے۔ محمد سعید نے بڑے تضرع اور الحاح سے کام لیا تو فرمایا کہ میرا نام اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب ہے کہ اللہ کے حکم سے تیری امداد کو پہنچا ہوں اور جا تجھے خدا تک پہنچا دیا۔ یہ فرمایا اور آنکھوں سے غائب ہو گئے پس محمد سعید شرقپور آئے اور تمام مال راہِ خدا میں ایثار کر دیا اور ریاضت و محنت و عبادت میں مشغول ہو گئے اور سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ کی ارادت اختیار کر کے مقبولِ الٰہی ہو گئے۔ آپ کی کرامتیں تو بہت ہیں مگر بطور نمونہ ایک نقل کی جاتی ہے۔

کرامت:- ایک دفعہ آپ خربوزے لاد کر شرقپور لائے اور ایک انگریز کی دکان کے چبوترے پر جو نیل کی رنگائی کا کام کرتا تھا رکھ دیئے اور بیچنے شروع کئے۔ لوگ خرید کر کھانے لگے چونکہ نیل کا مٹکا خربوزوں کے بیج اور چھلکے پڑنے سے خراب ہو کر رنگسازی کے کام کا نہیں رہتا لہٰذا اسے خدشہ ہوا کہ کہیں یہ چیزیں اس میں پڑ کر اسے خراب نہ کر دیں اور مجھے نقصان ہو وہ سوچ رہا تھا کہ کسی طریق سے محمد سعید کو کہوں کہ اپنے خربوزے یہاں سے اٹھا لو مگر وہ نورِ باطن سے اس کے دلی خطرہ سے آگاہ ہو گئے اور جس قدر خربوزے باقی تھے توڑ پھوڑ

کر اس کے مٹکے میں ڈال دیئے اور ارشاد کیا کہ تمہارے مٹکے کو میں نے درست کر دیا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اب تجھے تازہ نیل اس میں ڈالنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ جتنے کپڑے اور ریشم چاہو اس سے رنگ لینا۔ تجھے یہ مدت العمر کام دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا اور وہ بارہ برس تک اس سے کپڑے نیلے کرتا رہا اور نیل مٹکے سے ختم نہیں ہوتا تھا۔

شیخ محمد سعید کا سلسلہ چشتیہ صابریہ ان واسطوں سے شیخ جلال الدین تھانیسری تک پہنچتا ہے۔ چنانچہ شیخ محمد سعید شرقپوری مرید ہیں شاہ مُراد ملتانی کے اور یہ مرید شیخ جیوے شاہ گجراتی کے اور یہ مرید شیخ ذکریا کے اور یہ شیخ حاجی قطب کے اور یہ مرید شاہ درگاہی لاہوری کے اور یہ شیخ حاجی ابو سعید حنفی گنگوہی کے اور یہ شیخ نظام الدین بلخی کے اور یہ شیخ جلال الدین تھانیسری کے۔

شیخ سعید کے جلیل القدر خلفاء سے شیخ شمس الدین بن محمد حسین لاہوری تھے۔ وہ وجد و شوق و ذوق میں یکتائے وقت گزرے ہیں۔

وفات و مدفن:- شیخ محمد سعید ۱۲۱۴ھ مطابق ۱۷۹۹ء میں جاں بحق تسلیم ہو کر شرقپور میں دفن ہوئے مزار پر لفظ دریغ سے تاریخ وفات نکال کر لکھی ہوئی ہے اور وہ زیارت گاہ خلق ہے۔

منظوم تاریخ

عیاں شدچو وصالِ رحلتِ شیخ
کے "مہدی امین شیخ سعید" است

سعید از دہر چوں رفت سفر بست
دگر "ہادیٔ اکبر عاشقِ مست"

چوں جناب سعید پیر سعید
گو "چراغِ ہدا" بتار عشق
۱۲۱۴ھ

شدز دارِ فنا بہ قصرِ جناں
ہم "محمد سعید فخر زماں"
۱۲۱۴

اور عیسوی تاریخ "محمد سعید فقیر پاک نظر" سے برآمد ہوتی ہے۔ (ع ی)
۱۷۹۹ء

شیخ خیر الدین المشہور خیر شاہ

چشتی لاہوری قُدّس سِرّہٗ

شیخ موصوف لاہور کے جلیل القدر مشائخ میں سے ہیں۔ شیخ سلیم لاہوری کے مرید۔ وجد و سماع میں یگانۂ وقت تھے۔ غنی و فقیر سب کے لئے آپ کا لنگر جاری تھا۔ ۹ ذوالحجہ ۱۲۲۸ھ مطابق ۱۲ دسمبر ۱۸۱۳ء کو جان جانِ آفرین کے سپُرد کی۔

منظوم تاریخ

شد چو از دنیا بملکِ جاوداں — خیر شہ آں پیر اہلِ عزو جاہ

"بحرِ فضل حق" بگو تاریخ او — باز دیگر گو "ہمایوں خیر شاہ"

۱۲۲۸ھ — ۱۲۲۸ھ

ہاتفؔ حامد بسالِ رحلتش — "خیر شاہ صاحب توفیق" گفت

۱۸۱۳ء

نوٹ:- جب یہ شیخ سلیم لاہوری کے مرید تھے تو پھر تاریخ وفات کے مقابلہ سے شیخ سلیم نمبر ۹ کی تاریخ وفات درست ہے نہ کہ نمبر ۲ کی۔

شیخ فیض بخش لاہوری قُدّس سِرّہٗ

شیخ موصوف لاہور کے اصفیاء میں سے ہیں صاحبِ حال و وجد و سماع۔ عمر حالتِ تجرید و تفرید میں گزاری۔ سید حیدر علی شاہ کے ہم صحبت اور شیخ خیر شاہ لاہوری کے مرید تھے۔ ریشم سازی کی دستکاری ذریعۂ معاش تھا۔ ہر سال سات عُرس کرتے تھے۔ ۱۔ حضرت سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم۔ ۲۔ حضرت علی المرتضیٰ۔ ۳۔ امام حُسین۔ ۴۔ حضرت

غوث الاعظم۔ ۵۔ خواجہ معین الدین اجمیری۔ ۶۔ خواجہ بختیار کاکی۔ ۷۔ خواجہ علی احمد صابر وغیرہ پیرانِ کبار کا۔ ان پر زرِ کثیر خرچ کرتے تھے۔ مجلسِ سماع میں سخت وجد میں آتے۔ اس حالت میں جس پر نگاہ پڑتی وہ بے ہوش ہو جاتا۔ آپ کے مرید آپ کی بہت سی کرامتیں بیان کرتے ہیں جو ہم بوجہ عدم گنجائش بیان نہیں کر سکتے۔

شیخ موصوف ہر رات تین بار غسل کرتے اور مشغولِ عبادت رہتے۔ آپ کو ترکِ لذاتِ دنیا کا اس قدر خیال تھا کہ حلوا میں نمک مرچ ڈال کر کھاتے تھے۔ جب وعدۂ اجل نزدیک پہنچا تو تپ محرقہ میں چند روز مبتلا رہے۔ رجب کی نویں رات ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۸۶۹ء حافظ قادر بخش مدح خواں کو بلایا کہ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت سنائے۔ اس نے یہ شعر پڑھنا شروع کئے۔ (جو غالباً مولانا جامی کے ہیں)۔

منم خاکِ در کوئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) — اسیرِ حلقۂ موئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

قتیلِ نوکِ شمشیرِ نگاہش — شہیدِ تیغ ابروئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

یعنی میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کوچے کے دروازے کی خاک ہوں ان کے موئے مبارک کے حلقے کا اسیر، تیغ نگاہ کا کشتہ اور شمشیرِ ابرو کا شہید ہوں۔

یہ اشعار سن کر شیخ موصوف پر حالتِ وجد طاری ہو گئی۔ جسم میں لرزہ پڑ گیا اور گر پڑے تمام جسم پر موت کے پسینے آنے لگے اور اسی حالت میں جان جانِ آفرین کے سپُرد کر دی۔

کیا ہی خوب فرمایا ہے پیر مُراد شاہ لاہوری متوفی ۱۲۱۵ھ نے۔

چہ شیریں است دردِ عشق ہے ہے — کہ عاشق جاں دہد در لذت دے

(مُراد العاشقین)

منظوم تاریخ

زدارِ فنا سوئے فردوس رفت	چوں آں فیض عشق صفا اہلِ فیض
بگو "محرم فیضِ حق" سالِ او ۱۲۸۶ھ	دگر "مرد اہلِ عطا اہلِ فیض" (سرؔور) ۱۲۸۶ھ
بتاریخ او ہاتفِ غیب گفت	بگو ناؔمیا! "پاک جاں فیض عشق" (ناؔمی) ۱۸۶۹ء

سید رحمتُ اللہ شاہ چشتی قدس سرہٗ

سید موصوف مُرشد تھے نواب عبدالصمد خان دلاور جنگ کے جو محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں لاہور کے وائسرائے رہے ہیں۔ اردگرد کے زمیندار آپ کو "پانوالہ پیر" کہتے ہیں اس لئے کہ رنجیت سنگھ نے اپنی فوج کے ایک حصہ کی چھاؤنی آپ کے مزار کے پاس بنا دی تھی۔ فوجیوں نے پاسِ ادب نہ رکھا اور کئی ایک کو سانپوں نے کاٹ کھایا اور مر گئے۔ فوجی خوفزدہ ہو گئے اور جگہ خالی کر دی کہ یہ اموات پیر کی بے ادبی کی وجہ سے ہوئی ہیں۔

مزار اس سڑک کے شمال کی طرف ہے جو شالامار کو جاتی ہے اور مقبرہ سرو والا (مزار شرف النساء بیگم ہمشیرہ نواب خان بہادر خاں وائسرائے لاہور) اور نیلا گنبد (مزار یحییٰ خان فرزند نواب زکریا خان خان بہادر) کے درمیان ہے۔ ایک چاردیواری کے اندر اونچے چبوترے پر۔ ساتھ ہی آپ کے فرزند سید برکت اللہ کی قبر ہے۔

سید رحمتُ اللہ موصوف ۱۱۲۰ھ مطابق ۱۷۰۸ء میں فوت ہوئے تھے۔

بہر تاریخ چہ خوش گفتہ ابنِ حامد	رَحمتُ اللہ مصرِ سید ۱۱۲۰ھ

عارف باللہ

حضرت مولانا غلام قادر بھیروی رحمتہ اللہ علیہ

آپ کے والدماجد کا اسمِ گرامی مولانا غلام حیدر تھا جو بھیرہ ضلع شاہ پور کے فاضل علماء میں سے تھے۔ مولانا غلام قادر رحمتہ اللہ علیہ نے بھیرہ میں پرورش پائی۔ ابھی سنِ بلوغ کو نہ پہنچے تھے کہ حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے شرف سے نوازے گئے اور انہی کے ارشاد کے مطابق وطن کو خیرباد کہہ کر تحصیلِ عُلُوم کے لئے لاہور پہنچ گئے اور یہاں مولانا غلام محی الدین بگوی اور مولانا احمد الدین بگوی رحمہااللہ سے معقول و منقول کی کتابیں پڑھیں پھر دہلی چلے گئے اور وہاں حضرت مولانا مفتی صدر الدین خاں آزردہؔ مرحوم سے اکتسابِ فیض کیا۔

بعد حصولِ علمِ دین آپ لاہور آکر بھاٹی دروازہ کی اونچی مسجد میں مقیم ہوئے اور یہاں سلسلۂ وعظ شروع کیا۔ لوگ جُوق در جُوق حاضر ہونے لگے۔ ایک دن مسجد بیگم شاہی کی متولیہ مائی جیواں مرحومہ بھی آپ کا وعظ سننے کے لئے آئی اور اس قدر متاثر ہوئی کہ مولانا مرحوم و مغفور کو مل کر ان کا اتا پتا دریافت کیا اور اپنی مسجد میں آپ کو لے گئی۔ پھر یہاں تک وہ گرویدہ ہوئی کہ آپ کو اپنا متبنّیٰ بنا کر مسجد بیگم شاہی کی تولیت بھی آپ کے سپرد کر دی۔

عارف باللہ مولانا غلام قادر بھیروی قدس سرہٗ کی ناؔمی نے زیارت کی ہے۔ آپ بہت بڑے عالم ربانی تھے۔ طبیعت میں بے حد جلال تھا۔ مدرسہ نعمانیہ لاہور اور اورنٹیل کالج لاہور میں تدریسی خدمات سرانجام دے چکے تھے اور صاحبِ تصانیف بھی تھے۔ اسلام کی گیارہ کتابیں نمازِ حُضُوری۔ ختمات خواجگان۔ شمس الضحیٰ وغیرہ آپ نے اپنی یادگاریں چھوڑیں۔

حضرت مولانا صاحب شمس العارفین حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمتہ اللہ

علیہ کے مرید باصفا اور خلیفہ خاص تھے۔ آپ کو لاہور کا قطب سمجھا جاتا تھا۔ آپ اگرچہ سلسلہ چشتیہ نظامیہ فخریہ میں بیعت تھے مگر حضرت غوث الثقلین شیخ سید عبدالقادر جیلانی سے نسبتِ اویسی ہونے کے باعث آپ کے اعمال و اشغال پر قادریت کا غلبہ تھا۔

خلفاء :- مولانا مرحوم کے کئی خلفاء تھے مگر صرف تین کے نام معلوم ہو سکے۔ اور وہ یہ ہیں۔ ۱۔ حاجی الٰہی بخش۔ ۲۔ خلیفہ محمد اکرم۔ ۳۔ مولوی شہابُ الدین۔ اول الذکر دونوں مسجد بیگم شاہی میں اپنے شیخ کے قدموں میں دفن ہیں۔

وفات :- حضرت مولانا مغفور کا وصال ۹ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ کو ہوا۔ مزار مبارک مسجد بیگم شاہی میں ہے۔ آپ کے شاگرد رشید فاضل اجل مولانا محمد عالم آسی امرتسری نے وفات کی یہ تاریخیں لکھی ہیں۔ شیخ فیضِ ربِ جلیل۔ (۱۳۲۷ھ) در خلد بریں قبلۂ من۔ (۱۳۲۷ھ) ہر سال آپ کا عرس بڑی شان سے ہوتا ہے۔

آپ کے شاگرد بھی بہت مشہور ہوئے۔ مثلاً پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری۔ مولانا محمد عالم آسی امرتسری۔ مولانا غلام حیدر پونچھی۔ مولانا مولوی مفتی غلام احمد اول مدرس مدرسہ نعمانیہ لاہور اور مولوی نبی بخش حلوائی لاہوری مصنف تفسیر نبوی و دیگر کتب کثیرہ۔

لاہور کے متفرق خاندانوں کے بزرگ ان میں علماء، صالحات، خواتین اور مجذوب بھی شامل ہیں

سید علی ہجویری الغزنوی لاہوری قدس سرہٗ

شجرۂ نسب :- آپ کا نسب امام حسن بن علی سے اس طرح ملتا ہے۔ حضرت مخدوم علی بن سید عثمان بن سید عبدالرحمن بن سید عبداللہ (شجاع شاہ) بن سید ابوالحسن علی بن حسن بن سید زید بن امام حسن رضی اللہ عنہ۔

مفتی غلام سرور نے زید کے ساتھ جو لفظ شہید لکھا ہے وہ ٹھیک نہیں کیونکہ جو زید شہید مشہور ہیں وہ امام زین العابدین بن امام حسین بن علی کے فرزند تھے جنہوں نے مروانی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے خلاف ۱۲۲ھ میں خروج کیا۔ شیعانِ کوفہ نے حسبِ معمول بے وفائی کی تو آپ نے فرمایا۔ یا قوم رفضتمونی. یعنی اے قوم تم نے مجھے چھوڑ دیا جب سے ان کا نام رافضی پڑا اور ان کی غداری سے امام موصوف شہید ہوئے۔

سلسلۂ ارادت :- حضرت علی ہجویری مرید تھے شیخ ابوالفضل بن حسن کے اور یہ مرید شیخ حصری کے اور یہ شیخ ابوبکر شبلی کے اور شیخ علی موصوف ابوالفضل کے سوا حضرت شیخ ابوالقاسم گورگانی اور ابوسعید ابوالخیر اور ابوالقاسم قشیری اور دیگر مشائخ عظام سے بھی صحبت رکھتے تھے اور ان سب سے فوائدِ کثیرہ حاصل کئے۔

وطن :- حضرت ہجویری کا وطن بقول صاحبِ نفحاتُ الانس (مولانا جامی) و سفینۃ الاولیاء (مصنفہ شاہزادہ دارا شکوہ) شہر غزنی ہے اور ہجویر اور جلاب غزنی کے دو محلے ہیں۔ آپ کے والد ماجد سید عثمان اور والدہ مکرمہ کے مزار بھی وہیں ہیں۔ والدہ اپنے بھائی شیخ تاج الاولیاء کے متصل آسودہ ہیں۔

تصانیف :- حضرت سید علی ہجویری کی تصانیف میں سے مشہور ترین کتاب کشفُ المحجوب ہے جس کے سب مداح ہیں اور کسی نے اس پر نکتہ چینی اور اعتراض نہیں کیا تصوف

میں یہ پہلی کتاب ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت علی ہجویری کے پیر بھائی خواجہ حسین زنجانی یعنی مرید و خلیفہ شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی لاہور کی قطبیت پر مامور تھے۔ جب مُرشد موصوف کی طرف سے آپ (ہجویری صاحب) کو لاہور جانے کا ارشاد ہوا تو آپ نے عرض کیا کہ وہاں تو برادرم حسین زنجانی مامور ہیں۔ شیخ ابوالفضل نے فرمایا کہ آپ حسب الحکم وہاں جائیں اور رہیں۔ اس میں جو حکمت ہے اس کے پوچھنے سے کیا فائدہ (آخر ظاہر ہو جائے گی) چنانچہ آپ لاہور پہنچ گئے۔

جب مخدوم علی ہجویری حسب ایمائے مُرشد لاہور پہنچے اور رات شہر کے باہر قیام کیا اور صبح اندر گئے تو دیکھا کہ شیخ حسین زنجانی کا جنازہ آرہا ہے۔ وہ اسی رات فوت ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ شریکِ جنازہ ہوئے اور انہیں شہر کی شرقی جانب (چاہ میراں) دفن کیا اور خود مغربی طرف جہاں آپ کا مزارِ پُرانوار ہے منزل گزین ہوئے۔

خواجہ حسین زنجانی ۴۳۱ھ مطابق ۱۰۳۹ء میں سلطان مسعود اول ناصرالدین بن سلطان محمود کے عہد میں فوت ہوئے چنانچہ خزینۃ الاصفیاء کے صفحہ ۲۵۱ میں اور حدیقۃ الاولیاء صفحہ ۹۷ میں خواجہ حُسین زنجانی کا سال وفات ۶۰۰ھ مطابق ۱۲۰۳ء درج ہے اور لکھا ہے کہ آپ قدمائے مشائخ لاہور سے مُلکوم باطنی و ظاہری کے جامع اور سیادت و کرامت میں مشہور تھے۔ خرقہ خلافت خاندانِ عالیہ جنیدیہ سے حاصل کیا تھا۔ سید یعقوب صدر دیوان زنجانی کے ہمراہ زنجان سے لاہور میں آئے تھے اور خلقِ کثیر آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئی تھی۔ چنانچہ تاریخی شعر یہ لکھے ہیں۔

شیخ دیں میر زندۂ آفاق ۔۔۔ پیر واقف حسین زنجانی
جستم از دل چو سال ترحیلش ۔۔۔ گفت "عارف حسین زنجانی"
۶۰۰ھ

یہ بیان پہلے بیان سے کہ خواجہ حسین زنجانی حضرت علی ہجویری سے پہلے لاہور

میں وارد ہوئے اور جس دن یہ یہاں تشریف لائے آپ واصل حق ہو گئے قرین صحت ہے دونوں بیانوں میں ۶۹ برس کا فرق ہے۔

کتاب تحقیقاتِ چشتی کے مؤلف نے صفحہ ۱۳۵ میں خواجہ صاحب موصوف کا ہمراہ صدر دیوان ۴۹۹ء میں آنا لکھا ہے اور صفحہ ۲۳۶ میں تاریخ وفات ۴۰۲ھ دی ہے مگر صفحہ ۲۳۸ میں سالِ ورود ۴۵۵ء درج ہے اور مزار چاہ میراں میں ہونے کا سال ۴۸۳ء مرقوم ہے اور وفات کا ۴۳۱ھ مطابق ۱۰۳۹ء جو غلط ہے۔

افسوس ہے کہ بعض دفعہ یہ صاحبان لکھنے کے وقت تاریخوں کا خیال نہیں رکھتے اور معاملہ کو مشکوک کر دیتے ہیں۔

لاہور میں قیام :- سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ جب حضرت علی ہجویری لاہور میں قیام فرما ہوئے اور ایک مسجد اپنے مقام خانقاہ پر تعمیر کی اور اس مسجد کے محراب کی بنیاد دوسری مسجدوں کی نسبت مائل بہ جنوب تھی۔ علمائے لاہور نے جو اس وقت موجود تھے اس پر اعتراض کیا۔ لیکن آپ خاموش رہے۔ جب مسجد تعمیر ہو گئی تو آپ نے سب عالموں کو جمع کیا اور خود امام بن کر نماز پڑھائی۔ فارغ ہو کر حاضرین سے فرمایا کہ دیکھو کہ بیتُ اللہ کس طرف ہے۔ اُسی وقت درمیان سے حجاب اُٹھ گئے اور کعبہ مسجد کی سیدھ میں نمودار ہو گیا اور تمام حاضرین نے دیکھ لیا اور آپ کی قبر مبارک بھی مسجد کے مطابق ہے۔

مزار :- حضرت علی ہجویری کے مزار پر پہلے گنبد نہ تھا۔ ۱۲۷۸ھ میں حاجی نور محمد فقیر اس کی تعمیر کی طرف متوجہ ہوا اور مسجد قدیم بھی گلزار شاہ فقیر کی نیک کوشش سے تعمیر ہوئی۔

شیخ علی ہجویری کا مزار پُر انوار متبرک اور فیض بخش اور مرجعِ خلائق ہے۔ زمانہ سلف اور حال میں خلقِ خدا اس خاکِ پاک سے دُنیوی فوائد حاصل کرتی چلی آئی ہے۔ چنانچہ خواجہ بزرگ حضرت معین الدین حسن سنجری قطب الہند اور خواجہ فرید الدین شکر گنج وغیرہ

قُدس اسرارہم اور اولیاء کبار اور مشائخ نامدار نے اس مزار گوہر بار سے فوائدِ عظیم پائے اور مدت تک اس جگہ خلوت گزین رہے۔ اب تک خواجہ بزرگ کا مقام خلوت حریم مزار کے اندر اور مکان (چلہ) حضرت فرید الدین خانقاہ عالی جاہ کے باہر ہے۔

خواجہ بزرگ معین الدین اجمیری نے حصولِ مقاصد اور خلعتِ قطبیتِ ہند کے حصول کے بعد حضرت شیخ کے مزار گوہر بار سے رُخصت حاصل کی اور وقتِ روانگی مرقد مقدس کے روبرو کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھا۔

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را راہنما

اس دن سے آپ کا نامِ نامی علی مخدوم ثانی گنج بخش ہجویری مشہور ہوا۔

وفات :- سفینۃ الاولیاء کے مولف (دارا شکوہ) کے قول کے مطابق حضرت داتا گنج بخش ہجویری ۴۶۶ھ میں فوت ہوئے اور نفحات الانس اور اخبار الاخیار میں باقوالِ معتبر آپ کا سال وفات ۴۶۵ھ اور مزار کی چار دیواری کے اندر بھی اندرونی دروازہ پر قطعہ تاریخ کہ جس کا حاصل ۴۶۵ھ ہے تحریر ہے اور مزار حضرت علی گنج بخش لاہور کے باہر جانب غرب واقع ہے اور خلقت انبوہ در انبوہ جمعہ کے دن مزار کی زیارت سے مشرف ہوتی ہے اور مشہور ہے کہ جو کوئی چالیس جمعہ کی راتیں یا چالیس دن متواتر آپ کے روضۂ منورہ کی زیارت کرے اس کی جو حاجت ہو گی پوری ہو جائے گی۔

مثنوی

(از مفتی غلام سرور صاحب مرحوم)

علی غزنوی آں شاہ ہجویر — سراپا نور روشن ماہ ہجویر

سفر چوں کرد زیں دنیائے فانی — شدہ خالد خلد جاودانی

عیاں تاریخ اوچوں ماہ گفتم — "علی ہجویری علی جاہ" گفتم

۴۶۴ھ

وصالِ آں شہِ مسعود اسعد — "علی سید ولی ہجویری" آمد

چو دل سالِ وصالِ آں ولی گفت — ہر سرور "پارسا کامل علی" گفت

۴۶۴ھ

بسالِ رحلتِ آں عارفِ حق — عیاں گردید "حق بیں واقفِ حق"

چو آں شاہِ جہاں اندر جناں شد — ز سرور سال وے "سرور عیاں شد"

۴۶۴ھ

خواں گر ہست سالِ وصل منظور — حبیب اولیاء گنجینۂ نور

۴۶۴ھ

وصالِ او ز دل گردید مفہوم — عجب تر "حق نما ہادیٔ معصوم"

۴۶۵ھ

چو جستم از خرد تاریخ سالش — رقم شد "کاشف دیں" انتقالش

۴۶۵ھ

وصالِ آں شہِ مرحوم و مغفور — شدہ حاصل ز "عالی قطب لاہور"

شود پیدا وصالِ آں گرامی — ز "ہجویری علی ہادیٔ نامی"

۴۶۵ھ

نوشتم "شمس الدین" و "گلشن دین" — بسالِ رحلتِ آں شاہِ حق بیں

۴۶۴ھ

بسالِ رحلتِ آں شاہ سرمد — ندائے "گوہر ہجویری" آمد

۴۶۵ھ

دوبارہ "پیر لاہوری" است سالش — اگر خواہی والا سالِ وصالش

بسالِ رحلت آں شاہ اکبر — "علی پیر علی" گفت است سرور

۴۶۵ھ

خرد چوں سالِ وصلِ آں علی گفت — ہر سرور "ہادیٔ دیں پیر علی" گفت

۴۶۵ھ

خواں "محبوبِ شہر" انتقالش — "ولی پیر یقیں" گو ارتحالش

۴۶۵ھ — ۴۶۶ھ

بسالِ رحلتِ آں شاہِ والا — خرد "والا ولی فقیر" گفتا

۴۶۵ھ

بسالِ رحلت آں پیر تفرید — ندا آمد ز ہاتف "اہلِ توحید"

۴۶۴ھ

قطعہ دوم

علی غزنوی آں شاہ ہجویری شہ اکبر — کہ بر دلہا عیاں گشتہ ز او اسرارِ محبوبی

سہ اقوال اند از اہل خبر در ضد یک دیگر — بسالِ رحلت آں شاہِ دیں سردارِ محبوبی

یکے سردار خوانش باد دیگر سرورش سرور — سوم کن ہم رقم گنجینۂ انوارِ محبوبی

۴۶۵ھ ۴۶۶ھ — ۴۶۴ھ

قطعہ سوم

شیخ عالی علی ہجویری — پیر اعلیٰ محب عالی قدر

ارتحالش "مہ ہدایت" خواں — نیز فرما "محب عالی قدر"

۴۶۵ھ — ۴۶۵ھ

قطعہ چہارم

حضرت مخدوم ہجویری ولی　　رفت چوں از عرش در فرش بریں
از "دیانت" سالِ ترحیلش جو　　"بار دیگر رتم عرفانِ دیں"
۴۶۵ھ　　۴۶۵ھ

قطعہ پنجم

قدرِ اعلےٰ خلدِ عالی یافت　　چوں علی پیر متقی محبوب
"نیر الدین علی" رقم کردم　　رحلتش "نامور علی محبوب"
۴۶۵ھ
"کشفِ اجلال و شمس اجلال" است　　سالِ ترحیلِ آں ولی محبوب
۴۶۵ھ　۴۶۵ھ

قطعہ ششم

شد بدنیا باوج علیین　　چوں علوئے جہاں علی ولی
گو وصالش "امیر دیں سلطان"　　نیز "میر جہاں علی ولی"
۴۶۵ھ　　۴۶۵ھ

باب پنجم

لاہور کے متفرق خانوادوں کے بزرگوں کا ذکر

اس باب میں لاہور کے ان بزرگوں یا عمائد کا ذکر ہے جو صوفیوں کے چار مشہور سلسلوں میں مذکور نہیں۔

شیخ اسماعیل محدث و مفسر لاہوری قدس سرہٗ

شیخ[1] اسماعیل موصوف بخاری سادات سے ہیں۔ سلطان محمود غزنوی کے عہد میں ۳۹۵ھ مطابق ۱۰۰۴ء میں لاہور آکر سکونت پذیر ہوئے اور علوم حدیث و تفسیر کی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا۔ تحفۃ الواصلین تالیف شیخ احمد زنجانی میں مرقوم ہے کہ واعظانِ اسلام میں سے لاہور میں سب سے پہلے جو تبلیغ دینِ حق کے لئے آئے یہی بزرگ تھے۔ ان کے وعظ سے ہزاروں کفار داخلِ اسلام ہوئے۔ ساری عمر تبلیغ ہی میں بسر کی۔ لفظ "مہتاب" سے تاریخِ وصال ۴۳۸ھ (مطابق ۱۰۵۶ء) بر آمد ہوتی ہے۔

وفات :- گنج تاریخِ سروری میں تاریخِ رحلت یہ درج ہے۔

یافت آخر مکان خلدِ بریں — چوں شہِ دیں فقیہ اسماعیل

سال وصلش "فقیہ محبوب" است — نیز "پیر وجیہ اسماعیل"

۴۳۸ھ — ۴۸۸ھ

آپ کا مزار شہرِ لاہور سے جنوب کی طرف نواحِ مزنگ میں ہے۔

۱- سید محمد لطیف صاحب نے ایک مولانا اسماعیل کے متعلق بتایا ہے کہ وہ عہدِ اکبر میں مفتی لاہور تھے۔

شیخ ایاز لاہوری قدس سرہٗ

مفتی غلام سرور نے گنج تاریخ میں لکھا ہے کہ ایاز لاہور کے قدیم بزرگوں میں سے ہیں۔ سلسلہ جنیدیہ میں متوسل تھے۔ صاحب تحفۃ الواصلین نے اگرچہ ان کی تاریخ وصال دی ہے مگر کما حقہٗ حال نہیں لکھا اور جو مشہور ہے یہی ہے کہ یہ بزرگ ایاز سلطان محمود غزنوی کے محبوب اور غلام تھے۔ سلطان ان کی وفاداری اور سلطان سے اس کی محبت کے بہت سے قصے مولانا روم اور جامیؔ وغیرہ نے اپنی منظومات میں درج کئے ہیں۔ گنج تاریخ میں تاریخ وفات یہ لکھی ہے۔

شیخ والا ایاز پیرِ جہاں — در صفِ اہلِ راز ہمراز است

گو وصالش "ایاز عالی قدر" — باز "عارف ایاز جاں باز" است

۴۳۴ھ — ۴۳۴ھ

پھر یہی مفتی صاحب حدیقۃ الاولیاء۔ طبع ثالث ۱۸۹۹ء میں جو گنج تاریخ طبع ثانی سے بارہ برس بعد طبع ہوئی ایاز لاہوری کے متعلق لکھتے ہیں۔

"یہ شخص شاہ محمود غزنوی کا غلام و محبوب تھا۔ حق جل شانہٗ نے اس کو دولتِ ظاہری و باطنی عطا کی تھی۔ سلطان محمود کے مرنے کے بعد جب مسعود تخت نشین ہوا تو اس کے وقت میں اس کا بیٹا مودود 'جو نوجوان لڑکا تھا' پنجاب کا صوبہ قرار پایا۔ اس کا اتالیق ایاز مقرر ہو کر ہمراہ آیا۔ جب مسعود مر گیا اور اس کا بیٹا مودود تخت نشین ہوا تو مجدود نے اس کے برخلاف باغی ہو کر اپنی سلطنت علیحدہ ہندوستان میں قائم کی۔ اس واسطے مودود فوج لے کر اس پر چڑھ آیا۔ جب لاہور کا محاصرہ ہوا تو بروز عید ناگاہ مجدود بمرگِ مفاجات مر گیا اور مودود نے اپنا تسلط پنجاب میں کر لیا۔ ایاز اس کے اتالیق کو ہر چند مودود نے چاہا کہ غزنی کو اس کے ہمراہ لے جائے۔ مگر اس نے منظور نہ کیا اور تارکِ الدنیا ہو کر صحبتِ فقرا اختیار کی اور بزرگانِ لاہور سے فیضِ کامل حاصل کیا اور بے انتہا دولت جو اس کے پاس تھی براہِ خدا

فقراء و غرباء کو دے دی۔ یہ بزرگ بانی لاہور کا بھی شمار کیا جاتا ہے۔ کیونکہ جب لاہور پر
سلطان محمود غزنوی نے یورش کی اور راجہ انگ پال راجہ جے پال کا بیٹا تھوڑے سے مقابلے کے
بعد ہند کو بھاگ گیا تو محمود کی فوج نے اس شہر کو لوٹ لیا اور رعایا جس قدر تھی سب کے سب
لاہور سے نکل گئے۔ شہر میں کوئی متنفس باقی نہ رہا۔ اس وقت ایاز نے سلطان سے اجازت لے
کر اس شہر کو پھر آباد کیا اور رعایا کو دور دور سے طلب کر کے اس میں قیام پذیر کیا۔ آخر ۴۵۰ھ
مطابق ۱۰۵۸ء میں وفات پائی اور شہر لاہور کے اندر دفن ہوئے۔

نوٹ:- مفتی صاحب نے گنج تاریخ میں ایاز کی تاریخ وفات ۴۳۳ھ مطابق ۱۰۴۲ء
دی ہے اور یہاں ۴۵۰ھ سولہ برس کا فرق؟ بہر حال ایاز کا حضرت علی ہجویری سے پہلے
لاہور میں ہونا ثابت ہے اور شیخ اسماعیل محدث کا بھی۔

ایاز کی قبر اس وقت رنگ محل ہائی سکول لاہور کے قریب ہے اس تاریخی جگہ کو
محکمہ آثارِ قدیمہ کو اپنی نگہداشت میں لینا ضروری تھا اور پھر محکمہ اوقاف کو۔ مگر دونوں نے
اسے اپنی تحویل میں نہیں لیا غالباً اس لئے کہ اس کی آمدنی خرچ کی کفیل نہیں ہو سکتی۔

جج محمد لطیف مرحوم نے تاریخ لاہور میں لکھا ہے کہ جب سلطان محمود غزنوی نے
پنجاب کو فتح کر کے ۱۰۲۳ء مطابق ۴۱۴ھ میں مستقل طور پر لاہور پر قبضہ کیا تو اپنے محبوب
ملازم اور مشیر ملک ایاز کو محافظ دستہ فوج کا سالار مقرر فرمایا۔ اس کی نگرانی میں یہ شہر وسعت
پذیر اور آباد ہوا۔ مسلمانوں کو اب تک اعتقاد ہے کہ ایاز نے کرامت سے ایک رات میں لاہور
کا قلعہ اور شہر پناہ تعمیر کر دی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس نے راجہ انگ پال کی محمود سے شکست کے بعد شہر کو پھر آباد
کیا اور فوت ہو کر یہیں دفن ہوا۔ مزار ایک چبوترے پر پختہ خشتی ہے اس پر اچھاڑ پڑا رہتا
ہے۔ احاطہ میں ایک دروازہ سے داخل ہوتے ہیں۔ (ص ۳۲۵)

حضرت سید احمد توختہ ترمذی لاہوری قدس سرہٗ

حضرت سید احمد موصوف مشائخ عظام اور ساداتِ کرام میں سے ہیں۔ پہلے آپ
ترمذ واقع ترکستان میں مقیم تھے جو اب خیوا کہلاتا ہے۔ پھر ایمائے ربانی اور اشارۂ غیبی سے وطن
سے روانہ ہو کر عازمِ ہندوستان ہوئے۔ آپ کی دو صاحبزادیاں بی بی حاج اور بی بی تاج بھی
ساتھ تھیں۔

صاحبزادی کی شادی:- جب کیچ مکران میں پہنچے تو اپنی بڑی بیٹی بی بی حاج کی
شادی شاہزادہ بہاؤالدین محمد ولد سلطان قطب الدین محمد والئی کیچ مکران سے کر دی جو شیخ
ابوالحسن ہکاری قریشی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد امجاد سے تھے۔ اس سے فارغ ہو کر سید
موصوف لاہور محلہ چاہ بی بیاں میں سکونت پذیر ہوئے اور ہزاروں طالبانِ حق کو حق تک
پہنچایا اور خلقِ کثیر پیر روشن ضمیر سے فیض یاب دنیا و آخرت ہوئی۔ ان کے لاہور تشریف
لانے کے بعد آپ کے حقیقی برادر زادہ شاہ زید بھی یہاں آگئے اور آپ نے اپنی دوسری
صاحبزادی بی بی تاج کا نکاح ان سے کر دیا اور شاہ زید کو ہندوستان کی طرف رخصت کیا۔
جہاں وہ جنگ سوانہ برہمن میں شہید ہوئے اور تین کوس تن بے سر لڑتے رہے اور فتح یاب
ہوئے۔ صاحبِ اذکارِ قلندری (پیر فرخ شاہ) فرماتے ہیں کہ

نسب نامہ:- سید احمد توختہ سید ہیں۔ نسب چند واسطوں سے حضرت علی سے یوں
ملتا ہے کہ سید احمد توختہ ترمذی بن سید علی ترمذی بن حسین ثانی بن سید حسین محمد مدنی بن سید
شاہ ناصر مدنی بن سید موسیٰ بن سید علی بن امام علی اصغر بن امام زین العابدین بن امام حسین شہید
کربلا بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

خطاب توختہ کی وجہ تسمیہ:- توختہ خطاب ملنے کا یہ سبب ہوا کہ حضرت سید
احمد کو پیر روشن ضمیر نے بلایا۔ جب آپ آئے تو پیر بزرگ کے حجرے کا دروازہ بند تھا۔ غایت
ادب آپ نے اپنی حاضری کی اطلاع نہ کی اور آپ ساری رات دہلیز دروازہ پر منتظر کھڑے

رہے کہ کب بلاتے ہیں۔ صبح جب حجرے کا دروازہ کھلا اور پیر صاحب نے سید صاحب موصوف کو اس طرح کھڑے پایا تو فرمایا سید احمد توختہ (سید احمد استادہ) اور توختہ کے معنی دربان در کی کھڑا ہوا ہونے اور حاضر باش کے ہیں۔ لہٰذا آپ خطاب توختہ مشہور ہو گئے۔

تاریخ وفات :- حضرت سید احمد توختہ ۶۰۲ھ مطابق ۱۲۰۵ء میں فوت ہو گئے۔ یہ سال سلطان قطب الدین ایبک کے آغاز حکومت کا تھا اور محلہ چلہ بیبیاں لاہور میں دفن ہوئے۔ جو اس زمانہ میں غلام محی الدین شاہ قریشی کے طویلے میں ہے۔ مورخین سلف نے آپ مادہ تاریخ "مرشدِ پنجاب" سے اخذ کیا ہے اور مؤلف (غلام سرور) نے جو تاریخ کہی ہے

۶۰۲ھ

وہ درج ذیل ہے۔

شد بہ بزم احدی چوں زیں سرا	سید احمد شہ برناؤ پیر
"پیر ہادی میر عالی جاہ" گو ۶۰۲ھ	رحلتش "سید ولی میر کبیر"
"ماہتاب دینِ احمد" گن رقم ۶۰۲ھ	"آفتاب محسن" اے روشن ضمیر ۶۰۲ھ
"ماہ روشن" یا "ولی روشن" است ۶۰۲ھ ۶۰۲ھ	باز "شاہِ نامدار" اید بگیر ۶۰۲ھ
ہم "زہے شمع یقین" شد جلوہ گر ۶۰۲ھ	از خرد تاریخ آں ماہ منیر
"سید احمد حبیب جنت" است ۶۰۲ھ	"ہادیٔ بے مثل" سالش بے نظیر ۶۰۲ھ

(خزینۃ الاصفیاء ص ۲۵۲ گنج تاریخ ص ۱۲۲) حدیقۃ الاولیاء ص ۹۷ میں مرقوم ہے کہ حضرت سید احمد توختہ کی شرافت وولایت وکرامت موروثی تھی اور توسل خاندانِ جنید یہ سے تھا اور مزار گوہربار اندرون شہر لاہور محلہ چلہ بیبیاں طویلہ حضرت غلام محی الدین کے زیارت گاہ خلق ہے۔ سید صاحب کی صاحبزادیوں کے متعلق لکھا ہے کہ بی بی حاج و تاج تو بیاہی گئیں اور باقی چار بی بی حور۔ بی بی نور۔ بی بی گوہر اور بی بی شاہباز جو نہایت عابدہ اور زاہدہ

عمر تھیں ناکتخدا رہیں۔

نوٹ :- مفتی غلام سرور نے اپنی ہر سہ کتب مولہ بالا میں محلے کا نام وہی "چہل بیبیاں" لکھا ہے جو عوام میں غلط مشہور ہے۔ پیر فرخ حشمت نے اذکار قلندری میں واضح کیا ہے کہ محلے کا نام چلہ بیبیاں موصوف کے چلہ خانہ کی وجہ سے ہے جو محلے میں موجود ہے اور جو آپ مکان خواجہ سعید احمد بی اے سے ملحق ہے اور اب تک متبرک اور زیارت گاہ مقابل مزار حضرت توختہ مسکنِ ذاتی کے سامنے جانب جنوب ہے۔ میں نے اندرابی صاحب کو جو لاہور میونسپل کمیٹی کے ممبر تھے اذکارِ قلندری دکھا کر محلے کے نام کا بورڈ صحیح کروادیا تھا مگر اب تک بعض لوگ چہل بیبیاں ہی گائے جاتے ہیں۔

مثل ہے کہ جو جھوٹ مشہور ہو جائے وہ مٹائے نہیں مٹتا جیسا کہ وضعی قصے جو کثرتِ بیان سے صحیح تسلیم کر لئے گئے ہیں۔

بیبیاں پاک دامن کی نسبت غلط بیانی کی تصحیح :- یہ مذکور ہو چکا کہ بی بی حاج' بی بی تاج' بی بی نور' بی بی حور' بی بی گوہر' بی بی شاہباز حضرت سید احمد توختہ ترمذی کی صاجزادیاں تھیں۔ ان کے مزارات کے مجاوروں نے جو مشہور کر رکھا تھا کہ یہ بیبیاں حضرت عقیل حضرت علی کے بھائی کی بیٹیاں مقیم دمشق (دار السلطنت یزید) تھیں اور یہ سن کر امام حسین کوفہ کی طرف روانہ ہوئے ہیں۔ ان سے ملنے روانہ ہوئیں۔ مگر جب سنا کہ وہ کربلا میں شہید ہو گئے ہیں تو واپس دمشق نہ گئیں (حالانکہ امام موصوف کے اہل وعیال دمشق روانہ ہو چکے تھے) اور لاہور پہنچ گئیں (جہاں ہندوؤں کا راج تھا اور غالباً ایک بھی مسلمان یہاں نہ تھا۔ مسلمانوں کا دخل وتصرف تو سلطان محمود غازی کی فتوحات کے بعد ہوا) ان کا آنا یہاں کے ہندو راجہ کو ناگوار ہوا اس نے انہیں لاہور سے چلا جانے کا حکم دیا اور اس کے نہ ماننے پر فوج بھیجی اور یہ اس سے بچنے کے لئے دعا مانگ کر زمین میں سما اور نامحرموں کی دست برد سے بچ گئیں۔ خیال کریں کہ ان بیبیوں کے لاہور آنے کا کیا فائدہ ہوا۔

ان بیبیوں کے نام بتا رہے ہیں کہ یہ اس زمانے میں عربوں کی عورتوں کے نام نہ تھے اور گوہر و شہباز تو خالص فارسی لفظ ہیں اور طرفہ تر بات یہ ہے کہ یہ نام نہ حضرت عقیل

رضی اللہ عنہ کی بیٹیوں کے کہیں لکھے ہیں اور نہ ہی ان کے بھائیوں (حضرت جعفر طیار اور حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی صاحبزادیوں کے۔

انہی حقائق کے پیش نظر مفتی غلام سرور مرحوم نے حدیقۃ الاولیاء کے صفحہ ۱۳۲ میں لکھا کہ "یہ عام روایت لوگوں کی زبانی ہے اور کتاب تحفۃ الواصلین میں بھی یہی مضمون لکھا دیکھا ہے مگر قیاس نہیں چاہتا کہ واقعہ کربلا کے وقت یہ عرب سے ہند میں آئی ہوں مگر ان حضرات کی بزرگی و پُر فیض ہونے میں شک نہیں کہ مکان نہایت متبرک ہے اور کتاب تذکرہ حمیدیہ میں جو مضمون مولف کی نظر میں گزرا ہے ان کا لکھنا لطف سے خالی نہیں۔ اگرچہ کتاب خزینۃ الاصفیاء مولفہ بندہ میں درج نہیں ہے۔ وہ یہ ہے کہ سید احمد توختہ ترمذی جو لاہور کے بزرگوں میں سے قطب یگانہ و غوث زمانہ تھے ان کی پانچ لڑکیاں بی بی حاج و بی بی تاج، بی بی نور، بی بی حور، بی بی گوہر، بی بی شہباز تھیں اور پانچوں عابدہ و زاہدہ و صاحب عبادت و ریاضت تھیں جب چنگیز خاں مغل سے شہزادہ جلال الدین خوارزمی نے شکست کھائی اور ہند میں بھاگ آیا تو چنگیز خاں کی فوج اس کے تعاقب میں پنجاب میں داخل ہوئی۔ تمام ملک پنجاب انہوں نے غارت کر لیا تھا۔ شہر لاہور کے لوگ دو مہینے تک ان کے ساتھ لڑتے رہے۔ جب شہر فتح ہوا تو افسر فوج نے حکم دیا کہ شہر کے لوگ سب کے سب قتل ہوں بلکہ کوئی ذی جان حیوان بھی جان جانہ سکے۔ چنانچہ ہزاروں انسان و حیوان قتل ہوئے۔ اس وقت یہ پانچوں بیبیاں شہر کے باہر اپنے صومعہ میں جہاں ان کا باپ رہتا تھا موجود تھیں جب مخالفین نے ان کو قتل و غارت کرنا چاہا تو انہوں نے دعا کی کہ الٰہی ہم کو پیوند زمین کر لے اور نامحرموں کی صورت نہ دکھلا۔ چنانچہ دعا قبول ہوئی اور زمین نے ان کو اپنے آپ میں چھپا لیا۔ جب مخالفین دیوار توڑ کر مکان میں گھسے کوئی ذی جان موجود نہ پایا۔ البتہ زنانے کپڑوں کے کنارے زمین کے باہر نظر آئے۔ چند آدمی یہ کرامت دیکھ کر مشرف باسلام ہوئے اور انہوں نے مجاوری اس مزار گوہر بار کی اختیار کرلی۔ یہ تقریر جو مشہور نہیں ہے۔ شاید کوئی اس پر یقین نہ کرے گا۔ مگر عجب نہیں کہ ایسا ہوا ہو اور واقعہ غارت و قتل لاہور کا ۶۱۴ھ مطابق ۱۲۱۷ء واقع ہوا تھا اور سید احمد توختہ کی وفات ۶۰۲ھ مطابق ۱۲۰۵ء میں ہوئی تھی۔

سید یعقوب صدر دیوان زنجانی لاہوری قدس سرہٗ

سید یعقوب موصوف لاہور کے بڑے مشائخ اور اولیائے کرام سے علوم ظاہری اور باطنی کے جامع اور شرافت و نجابت و سیادت میں نامدار وقت اور سلسلہ عالیہ جنیدیہ میں صاحبِ حال و قال شیخ تھے۔

نسب :- آپ کے والد سید علی صحیح النسب حسینی سید تھے۔ نسب شریف سولہ پشت کے واسطہ سے امام موسیٰ کاظم (متوفی ۱۸۶ھ) سے ملتا ہے۔ اشارۂ غیبی سے ۵۳۵ھ مطابق ۱۱۴۰ء میں ترکستان سے ہندوستان تشریف لائے اور لاہور میں سکونت اختیار کی۔ یہاں آپ کی بزرگی کا چرچا ہوا اور بہت سی کرامات اور خرق عادات کے اظہار سے لاہور کے علماء و شرفا آپ کی بزرگی اور شرافت کے معتقد ہوئے۔ ان دنوں بہرام شاہ بن مسعود شاہ ثالث بن ابراہیم شاہ غزنوی کی طرف سے مسمی طغرل پنجاب کا فرمانروا لاہور میں تھا۔ وہ آپ کا معتقد ہوا تو خلق کثیر آپ کے حلقہ ارادت میں آئی اور خطہ پنجاب میں آپ نے قبولِ عظیم حاصل کیا۔

خواجہ اجمیر سے ملاقات :- اسی زمانے میں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری لاہور تشریف لائے اور مخدوم علی ہجویری کے مزار گوہر بار پر اعتکاف کیا۔ ان کا سید یعقوب زنجانی سے رابطہ محبت پیدا ہوا چنانچہ اب تک ان کے مزار کے متصل خواجہ اجمیری کا مقام نشست گاہ زیارت گاہ خلق ہے۔

وفات :- حضرت زنجانی کی وفات ۶۰۳ھ میں ۱۶ رجب کو مطابق ۶ فروری ۱۲۰۷ء واقع ہوئی (یعنی خواجہ اجمیری کی رحلت سے ۲۸ برس پیشتر) لہٰذا یہ بیانِ سابقہ غلط معلوم ہوتا ہے۔

از مفتی صاحب مرحوم

چو زنجانی ازیں دنیا سفر کرد ۔۔۔ بہ جذب ایزدی گردید مجذوب
"شہ مقبول زنجانی" رقم شد ۔۔۔ وصالِ آں شہِ دیں شیخ مطلوب
۶۰۴ھ
بجو "مسعود مہدی صدرِ دیواں" ۔۔۔ دگر بارہ "مقدس پیر یعقوب"
۶۰۴ھ ۔۔۔ ۶۰۴ھ

مزارپُرانوار زنانہ میو ہسپتال کے متصل زیارت گاہِ خلق ہے۔

سید شیخ عزیز الدین مکی ثم لاہوری قُدِّس سِرُّہٗ

شیخ مکی موصوف سادات عظام' علماء کبری اور اولیاء کرام سے اہلِ شریعت و طریقت ہیں حسب بیان رسالہ تحفۃُ الواصلین آپ دراصل بغدادی ہیں۔ سلسلہ طریقت چند واسطہ سے سید الطائفہ جنید بغدادی قُدِّس سِرُّہٗ سے ملتی ہے۔ پہلے بغداد سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہاں بارہ برس مقیم رہ کر بیت اللہ کے پاس حالتِ اعتکاف میں گزارے اور خطاب پیر مکی سے مشہور ہوئے پھر ایمائے ربانی سے عازمِ ہندوستان ہوئے اور ۵۷۴ھ مطابق ۱۱۷۸ء میں کہ سلطان شہابُ الدین غوری نے لاہور کا محاصرہ کر رکھا تھا یہاں وارد ہوئے۔ اس محاصرہ سے خسرو ملک بن ظہیر الدولہ خسرو شاہ جو سلطان غزنوی کی اولاد سے لاہور کا فرمانروا تھا بہت تنگ ہوا اور پیر مکی کے پاس دعا کے لئے حاضر ہو کر عرض کی۔ آپ نے فرمایا کہ چھ سال تک تجھے حق کی طرف سے امان ہے پھر یہاں غوری بادشاہوں کا قبضہ ہو جائے گا۔ پس اُس برس سلطان شہابُ الدین بے نیلِ مُرام لاہور سے واپس چلا گیا۔ پھر ۵۸۰ھ میں سیالکوٹ کے راستے عازم لاہور ہوا۔ اس نے پہلے قلعہ سیالکوٹ تعمیر کیا اور پھر لاہور کا محاصرہ۔ اب اسے فتح حاصل ہوئی اور غزنوی کی حکومت جاتی رہی۔

حضرت پیر مکی لاہور میں ۳۶ سال درس و تدریس اور تلقین میں مشغول رہے اور خلقِ کثیر کو واصل حق کیا۔ پھر ۶۱۲ھ مطابق ۱۲۱۵ء میں راہگرائے عالمِ جاودانی ہوئے۔

تاریخِ وفات از مفتی صاحب مرحوم

ز دنیا چو شد در بہشتِ معلےٰ ۔۔۔ شہِ دین و شیخ زمن پیر مکی
وصالش بجو "آفتابِ حسین" ۔۔۔ خواں نیز "پیر حسن پیر مکی"
۶۱۲ھ ۔۔۔ ۶۱۲ھ

پیر مکی کا مزار بھاٹی دروازہ سے آگے راوی روڈ پر واقع ہے۔ عرس ۱۰۔ ۱۱ ربیع الاول کو ہوتا ہے اس کے متولی صوفی اللہ دتہ خان میرے ساتھ انجمن تحفظ اوقاف اسلامیہ کے نائب سیکرٹری مقرر ہو کر کام کرتے تھے۔ افسوس وہ فوت ہو گئے۔ ان کا نابالغ لڑکا ان کی جگہ متولی و سجادہ نشین مقرر کیا گیا جو اپنی والدہ سمیت مزار پر ہی رہتا ہے۔

یہ عجب مضحکہ خیز بات ہے کہ لوگ پیر مکی کو ملہ کی پنڈ سمجھ کر یہ غلہ بھنا کر چڑھاوا چڑھاتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ پیر موصوف مکہ کی نسبت سے مکی کہلاتے ہیں۔

حضرت سیّد مٹھہ لاہوری قُدِّس سِرُّہٗ

اصل نام اور وطن :- حضرت سید مٹھہ موصوف کا اصل نام سید ابی غفار (عبدالغفار) حسینی ہے۔ آپ بڑے بزرگ سید اور شیخ ہوئے ہیں۔ آپ کے آبائے کرام خوارزم میں تشریف رکھتے تھے۔ جب اس شہر پر چنگیز خان مغل نے قتل و غارت کے لئے حملہ کیا تو سید موصوف کے والد سید جمال الدین وہاں سے نکل کر ہندوستان کی طرف آئے اور لاہور میں سکونت اختیار کی اور لوگوں میں قبولیت حاصل کی۔ اہلِ لاہور جُوق در جُوق حاضرِ خدمت ہو کر مشرف بہ ارادت ہوئے۔ جب وہ فوت ہو گئے تو سید مٹھہ ان کے قائم مقام

ہے۔ چونکہ یہ بڑے خلیق اور شیریں زبان تھے اس لئے سید مٹھہ مشہور ہوئے۔

شجرۂ نسب :- آپ کی نسبت چند واسطوں سے امام حسین تک پہنچتی ہے یعنی سید مٹھہ بن جمال الدین بن سید محمد بن کریم الدین بن نور الدین بن سید آدم بن سید علی جعفر بن سید محمد بن سید یوسف بن سید محمود بن سید احمد بن سید عبداللہ اشتری بن جعفر بن محمد الجواد بن علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن محمد باقر بن سید علی امام زین العابدین بن امام حسین بن حضرت علی۔

میں نے سید غضنفر علی صاحب ساکن شاہجہان روڈ کے شجرے میں جعفر بن جواد بن موسیٰ بن مبرقع لکھا دیکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وفات :- حضرت سید مٹھہ ۶۶۱ھ مطابق ۱۲۶۳ء میں سلطان غیاث الدین بلبن، خاندان غلاماں کے نہم بادشاہ کی تخت نشینی سے ایک سال پیشتر سلطان ناصر الدین محمود شاہ اول کے عہد میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار لاہور میں بہت مشہور ہے۔ بلکہ اس بازار کا نام بھی سید مٹھہ بازار ہے جہاں مزار واقعہ ہے یہ بازار لاہور اسٹیشن سے دہلی دروازہ کے اندر جامع شاہی مسجد کو جاتے ہوئے راہ میں مسجد وزیر خاں اور سنہری مسجد ڈبی بازار سے گزرتے ہوئے پانی والے تالاب سے بھی آگے بڑھتے چلے جائیں تو تو گڑے کی قبر سے ادھر بائیں ہاتھ جو بازار تپ دق کے ہسپتال سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے کچھ آگے بازار سے دائیں طرف واقع ہے۔

تاریخ از مفتی صاحب مرحوم ؎

سید مٹھہ ولیٔ باصفا — آنکہ شیریں بود نزدِ خاص و عام

ہست سالِ ارتحالِ آں جناب — "صاحبِ نعمت" و گر "شیریں کلام"

۶۶۱ھ ۶۶۱ھ

پیر شیرازی رحمتہ اللہ علیہ

آپ کا نام پیر سراج الدین ہے۔ وطن بخارا۔ آپ ۷۲۳ھ مطابق ۱۳۲۳ء کے قریب لاہور تشریف لائے یعنی عہد سلطان محمد تغلق میں جو اپنے وقت کا بڑا فصیح البیان اور پختہ کار بادشاہ تھا۔ اس کے عربی اور فارسی میں مکتوبات اب تک سیاسی خط و کتابت کا بہترین نمونہ خیال کیے جاتے ہیں۔ سراج الدین موصوف کو ملتان کے وائسرائے نے ایک دفعہ ملکی معاملات کے سلسلہ میں لاہوری دربار میں بھیجا تھا۔ شہنشاہ مذکور آپ کی قابلیت اور علم کا بڑا گرویدہ ہوا اور آپ کو لاہور کا قاضی مقرر کرنا چاہا مگر آپ نے یہ عہدہ اپنی آزادہ روی کے خلاف دیکھ کر منظور نہ کیا۔ اس پر محمد تغلق ناراض ہو گیا۔ پھر آپ دُنیوی امور سے کنارہ کش ہو گئے اور گوشۂ تنہائی اختیار کر لیا اور اپنے گھر ہی میں فوت اور دفن ہوئے۔

پیر شیرازی کا مزار علاقہ جوڑی موری میں واقع اور خلقت کی واجب التعظیم قدیم زیارت گاہ ہے۔ (تاریخ لاہور صفحہ ۲۲۶)

سید اسحاق گازرونی لاہوری المشہور بہ

میراں بادشاہ قدس سرہٗ

سید اسحاق گازرونی بڑے بلند مقامات اور کرامت والے بزرگ حسینی سید ہیں اپنے وقت کے شیخ المشائخ قطب الاولیاء تھے اور شیخ اوحد الدین اصفہانی کے مرید تھے۔ اصل وطن شہر گازرون تھا۔ پھر اشارۂ غیبی سے عازم لاہور ہوئے۔ بہت عرصہ خلقت کی ہدایت میں مصروف رہے اور آپ سے بہت سی کرامات ظاہر ہوئیں۔ علماء کرام اور سادات عظام آپ کے حلقہ ارادت میں اور دینی اور دُنیوی امور میں ان کی مدد سے کامیاب ہوئے۔

رسالہ تحفۃ الواصلین میں لکھا ہے کہ آپ نے طویل عمر پائی اور جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہدایت یاب ہوتا۔

بدگو کے حق میں دعائے خیر :- ایک دن لاہور کا ایک رئیس حاضرِ خدمت ہوا اور آپ اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے تو وہ برہم ہوا اور بدگوئی شروع کر دی۔ شیخ کے مزاج میں یہ دشنام سن کر کچھ تغیر نہ آیا آخر حاضرینِ مجلس نے عرض کیا کہ اس شخص نے آپ کی اتنی بے ادبی کی ہے اور اپنے اعمال کی سزا نہیں پائی۔ لہٰذا آپ اس کے حق میں بددعا کریں تاکہ وہ سب و شتم کا خمیازہ اٹھائے۔ حضرت شیخ نے آسمان کی طرف منہ کر کے چند کلمات زیر لب فرمائے تو وہ بے ادب اسی وقت زمین پر گر کر بے ہوش ہوا اور دو ساعت اسی حالت میں پڑا رہا۔ ہوش آیا تو آپ کے قدموں میں سر رکھ دیا اور مرید بن گیا۔ شیخ نے حاضرینِ مجلس سے فرمایا کہ میں نے اس شخص کے حق میں نیک دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے چشمِ بینا عطا فرما دی اور اس پر عالمِ ملکوت ظاہر ہو گیا اور اس نے مجھے پہچان لیا۔ یہ کام نیک دعا کرنے سے ہوا اور اس کی اصلاح ہو گئی۔ اگر میں بددعا کرتا اور اس کی حالت بگڑ جاتی تو کیسی بری بات تھی۔

صاحبِ تحفۃ الواصلین کے قول کے مطابق سید اسحاق ۷۸۶ھ میں فوت ہوئے متقدمین مورخوں نے سالِ وفات "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے نکالا ہے۔ چنانچہ رسالہ مذکورہ میں یہ قطعہ درج ہے۔

سید اسحاق ولیٔ کریم	گشت چوں زیں دہر جنت مقیم
سالِ وصال عجب آمد زول	بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آپ کو وفات کے بعد دہلی دروازہ کے متصل گزر رزو تیلیاں میں دفن کیا گیا جہاں اب بھی آپ کا مزارِ پُر انوار زیارت گاہِ خلق ہے اور مرزا لعل بیگ صاحب سرہ المقدس آپ کے ذکر میں رقم طراز ہیں کہ سید اسحاق کی وفات کے بعد آپ کے مرقد پر درخت پیدا ہوا جو نہال بہار و خزاں میں ہمیشہ سرسبز رہتا ہے یہ ہندوستان کی دواؤں میں شامل ہے۔ آپ پیر سید

اسحاق سبز اسی وجہ سے مشہور ہوئے کہ یہ درخت آپ کے مزار پر چھا گیا تھا۔ اس کے پتے تبرکاً لوگ امراض کی شفا کے لئے کھاتے اور تندرست ہو جاتے تھے۔ ایک مدت اسی طور گزر گئی پھر ایک دولت مند شخص نے اس متبرک مزار کے پاس اپنی حویلی تعمیر کر لی اور مزار کو بھی اس میں شامل کر لیا اور اس کے لئے ایک حجرہ الگ کر دیا۔ اس لئے لو اور دھوپ کی بندش سے یہ درخت خشک ہو گیا۔ آخر ۱۰۴۳ھ میں جبکہ شاہجہان کا عہد تھا نواب وزیر خاں حاکم لاہور نے اس جگہ جامع مسجد کی بنیاد رکھی اور سید اسحاق کی قبر کو صحن مسجد میں رکھ کر عمارت مکمل کی جو کہ بنام مسجد وزیر خاں موجود ہے اور تاریخ اس کی "بانی مسجد وزیر خاں" سے ۱۰۴۳ھ برآمد ہوتی ہے۔

تاریخ وفات از مفتی صاحب مرحوم

سید اسحاق مردِ طاق نورِ ذوالجلال	وصل شد با خلد و ترک از مردم آفاق گفت
"اہل رفعت" با قلم زد بہر تاریخش ندا	ہم دگر "نور الٰہی شاہ بو اسحاق" گفت
۷۸۶ھ	۷۸۶ھ

قطعہ ثانی

سید اسحاق شاہِ باکمال	شد چو از دنیا بہ جنت جست راہ
سالِ ترحیلش ز سرور شد عیاں	"سید محمود میراں بادشاہ"

گویا یہ مزار تعمیر مسجد وزیر خاں سے اڑھائی سو برس پہلے کا خلجی بادشاہ فیروز ثالث کے عہد کی یادگار ہے۔

سیّد عبدالخالق بن سید عبدالواسع قدس سرہٗ

تاریخ لاہور (انگریزی) کے صفحہ ۹۵ میں مسطور ہے کہ سید صاحب موصوف نے سکندر لودھی کے عہد میں آکر ایک محلہ آباد کیا جو محلہ سید سر (حوضِ سید) کے نام سے اس لئے مشہور ہوا کہ اُس کے حوض کا پانی پھوڑے پھنسیوں کے اندمال کے لئے اکسیر تھا۔ وہ حوض تو اب موجود نہیں لیکن اُس کی مٹی مائیں بچوں کے زخموں پر لگاتی اور انہیں مندمل پاتی ہیں۔

سید عبدالخالق مرحوم نے اس محلہ میں دینیات کا مدرسہ جاری کیا تھا۔ یہ محلہ گڑھی شاہو کے قریب اس سڑک پر واقع تھا جو میاں میر کو جاتی ہے۔ اس محلے کو لوٹنے کا ارادہ کئی بار قزاقوں نے کیا مگر سید انہیں دے دلا کر واپس کر دیتے۔ آخر بھنگی سکھوں نے اس بہانہ سے کہ یہاں گائیں ذبح ہوتی ہیں اسے لوٹا اور برباد کر دیا۔ اس جگہ کے بسنے والے کچھ تو موضع جیو میں جا آباد ہوئے کچھ لاہور شہر کے اندر جا بسے اور کچھ مختلف مواضعات میں منتشر ہو گئے۔

بدرالدین شاہ عالم قدس سرہٗ

آپ بخاری سید تھے آپ کی وفات شاہجہان کے عہد حکومت میں ہوئی۔ آپ کا مقبرہ نواب سعد اللہ خان وزیر شاہجہان نے تعمیر کیا۔ اس کے گرد ایک بڑا باغ تھا جو اب نابید ہے اور بڑا کنواں کچہری تحصیل لاہور کے احاطہ میں شامل کر لیا گیا ہے۔

جب راجہ سوچیت سنگھ نے مقبرہ کے پاس اپنی حویلی تعمیر کرنا شروع کی تو اس مقبرے کی تمام زمین اپنے تصرف میں لے آیا۔

یہ مقبرہ سبز گنبد کہلاتا ہے۔ اس پر کاشی کا کام ہوا ہے۔ بیرونی دیواروں پر قرآنی آیات لکھی ہوئی ہیں۔ یہ قلعہ لاہور کے مقابل اس سڑک کے جنوب میں واقع ہے جو ٹکسالی دروازہ سے ڈبی بازار کو جاتی ہے اور تحصیل لاہور کی کچہری سے شمال کی طرف۔ (ج محمد لطیف ص ۲۲۸)

سید ابوتراب المعروف بہ شاہ گدا الحسینی قادری

شطاری لاہوری قدس سرہٗ

سید ابوتراب موصوف، حسینی سید ہیں۔ متوطن شیراز۔ طلبِ حق کے لئے ہندوستان کا رُخ کیا۔ گجرات پہنچے۔ شیخ وجیہہ الدین گجراتی کے مرید ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد لاہور تشریف لائے اور یہیں آباد ہو گئے۔

شجرہ نسب :- سید ابوتراب بن سید نجیب الدین بن سید شمس الدین بن اسد الدین بن زین الدین المشہور بہ زین العابدین بن یونس بن عبدالوہاب بن عبدالہادی بن ابوالبرکات بن انور علی بن عبداللطیف بن محمد شریف بن ابوالمظفر بن عبدالباقی بن ابوالحسن بن عبدالعزیز شیرازی بن سید عبداللہ بن محمد امین بن قدرت اللہ بن سید موسیٰ بن مسعود بن صادق بن احمد بن سید باقر بن حسن بن زید بن جعفر بن محمود بن ہارون بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق علیہم الرحمۃ۔

شجرہ شطاریہ :- سید ابوتراب مرید شیخ وجیہہ الدین گجراتی۔ یہ مرید سید محمد غوث گوالیاری۔ یہ مرید شاہ حمید۔ یہ مرید شاہ قاذن۔ یہ مرید شیخ عبداللہ شطاری۔

شجرہ قادری :- سید ابوتراب شیخ وجیہہ الدین گجراتی کے مرید۔ یہ سید محمد غوث

نور الدین بن سید بدر الدین بن سید جعفر بن سید احمد بن سید مومن بن میر حیدر بن شاہ قمیص قادری (جن کا ذکر قادریہ سلسلے میں گزرا) بن ابی الحیات بن تاج الدین محمود بن بہاؤ الدین محمد بن شیخ جلال الدین احمد بن سید علی جمال الدین قاضی ابو صالح نصر بن سید الآفاق بن شیخ سلطان ابو محمد محی الدین عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔

سلسلہ ارادت :- میر یعقوب مرید سید فضل علی لاہوری۔ یہ مرید شیخ عبد الرحیم جاراللہ کے اور یہ حاجی محمد سعید لاہوری کے (جن کا ذکرِ خیر سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں ہوا) اور یہ مرید سید محمود کردی کے اور یہ سید جلال الدین کے اور یہ سید شہاب الدین کے اور یہ سید جلال الدین عبد اللہ کے اور یہ سید شمس الدین ابو الوفا کے اور یہ سید شہاب الدین احمد کے اور یہ سید قاسم کے اور یہ شیخ عبد الباسط کے اور یہ سید بہاء الدین ابو العباس احمد کے اور یہ سید بدر الدین ابو الحسن کے اور یہ سید علاء الدین کے اور یہ سید شمس الدین یحییٰ تاتاری کے اور یہ سید ابو النصر کے اور یہ قطب الآفاق سید عبد الرزاق بن غوث الاعظم محی الدین عبد القادر جیلانی قُدِّسَ سِرُّہٗ کے۔

میر یعقوب دوسرے سلسلوں سے بھی بہرہ کامل اور فائدہ وافر رکھتے تھے۔ ان کا شمار مقتدیانِ وقت میں تھا۔

وفات :- میر یعقوب ۲۰ صفر ۱۱۷۹ھ کو (مطابق ۲۰ اگست ۱۷۶۵ء عہد جلال الدین شاہ عالم میں) فوت ہوئے۔

اور میر فضل علی ۴ محرم ۱۱۶۰ھ (مطابق ۵ جنوری ۱۷۴۷ء عہد نصیر الدین محمد شاہ) راہئ عالم جاودانی ہوئے تھے۔ دونوں کے مزار قلعہ میر یعقوب میں بیرون لاہور متصل مزنگ زیارت گاہ خلق ہیں۔

میر یعقوب کے تین پسران عالی گوہر تھے۔ ایک سید محمد یوسف۔ دوسرا میر سید علی اور تیسرا امیر اسماعیل۔ تینوں حضرات صاحبانِ علم و عمل تھے اور علم ظاہر و باطن حاصل

تھا۔

تاریخ منظوم وفات میر یعقوب

شد چو از دنیا بفضلِ ایزدی — در جناں یعقوب مخدوم الکرام

ارتحالش ہست "خورشید جہاں" — ہم بخواں "یعقوب مخدوم الکرام"

۱۱۷۹ھ — ۱۱۷۹ھ

قطعہ تاریخ وفات سید فضل علی مرحوم

شد ز دنیا چو در بہشت بریں — جامع علم فضل و حلم علی

"میر فضل" است سال تاریخش — ہم بجویش ز "فضل علم علی"

۱۱۶۰ھ — ۱۱۶۰ھ

حضرت شاہ حُسین لاہوری قُدِّسَ سِرُّہٗ

سید شاہ حسین بن سید عبد القادر بن سید حمید گیلانی موردِ الطافِ رحمانی مظہر خوارق و کرامت، بڑے زاہد و عامل اور پیر کامل تھے۔ اپنے آبائے کرام سے دستِ بیعت کا سلسلہ چلا آتا ہے۔ آپ کی دعا تیر بہدف اور بے خطا تھی۔ دنیاو عقبیٰ کے سینکڑوں حاجت مند آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوتے تھے۔

زمان شاہ کے لشکر کی لوٹ کے وقت آپ نے فرمایا تھا کہ ہمارا محلہ محفوظ رہے گا اور کسی اہلِ محلہ سے تاخت و تاراج کا خوف نہیں۔ پس ایسا ہی وقوع میں آیا۔ کسی لشکری نے ادھر کا رُخ نہ کیا اور جو آیا بھی اخلاص سے پیش آیا۔

کہتے ہیں کہ آپ نے اپنے گھر سے باہر ایک لکڑی نصب کی ہوئی تھی۔ علی الصباح بہت سے آدمی اس پر پانی بھرے آبخورے رکھ دیتے تھے اور آپ نماز و وظائف سے فارغ ہو

کرباہر تشریف لاتے اور ان آبخوروں پر دم کرتے اور ہر ایک کو اس کا آبخورہ حوالہ فرماتے۔ وہ دم کردہ پانی بیماروں کی شفا کے لئے اکسیر اعظم تھا۔ آخر حاسدوں میں سے ایک شخص فاضل نام محلے ہی کا رہنے والا محض بباطنی کی وجہ سے رات کو آتا اور اس نصب کردہ لکڑی پر گندگی مل دیتا۔ خادم صبح ہی اُٹھ کر اُسے صاف وپاک کرتے۔ آخر وہ تنگ آگئے اور حضرت کی خدمت میں اسی حالت کی اطلاع دی۔ فرمایا صبر کرو کہ ظالم کو خود ہی اس کردار کا خمیازہ اٹھانا پڑے گا۔ تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ فاضل مذکور پاگل ہو گیا۔ دیوانہ وار کوچہ وبازار میں پھرتا اور نجاست کھاتا تھا۔ آخر اسی حالت میں مر گیا۔ اللہ تعالیٰ اولیاء کے غضب سے بچائے۔

ایک دفعہ آپ کی خادمہ نے جو لاولد تھی اولاد کے لئے عرض کیا کہ قاضی الحاجات کے سامنے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائیں۔ آپ نے دعا فرمائی اور فرمایا کہ تقدیر ایسی ہے کہ تیرے شکم سے چار فرزند پیدا ہوں گے۔ ایک بچپن میں مر جائے گا۔ دوسرا دور دراز کا سفر اختیار کرے گا اور واپس نہ آئے گا۔ تیسرا فقیر ہو جائے گا۔ چوتھا تیرے پاس رہے گا اور دنیا میں پھلے پھولے گا۔ پس جس طرح آپ نے فرمایا اسی طرح ہوا۔

تاریخ وفات :- آپ کا وصال ۱۱ ربیع الثانی ۱۲۰۵ھ مطابق ۱۸ دسمبر ۱۷۹۰ء ہوا۔ سن شریف ۶۹ سال کا تھا۔ مزار گوہر بار لاہور کے اندر محلہ سید مٹھا میں انہیں کے گھر کے گوشے میں ہے۔

منظوم تاریخ

چو شد پرتو افگن خلدِ بریں — حسین آں چشم جہاں نورِ عین
بتاریخ ترحیل آں شاہِ دیں — بگو "شاہ عاشق مکرم حسین"
۱۲۰۵ھ

مولوی غلام فرید لاہوری سہروردی قُدس سِرُّہٗ

لاہور کے عالموں فاضلوں میں جامع کمالات ظاہری اور باطنی بزرگ تھے۔ عالمِ باعمل اور ذاکر بے دغل متقی و پرہیزگار تھے۔ تمام عمر درس وتدریس میں بسر کر دی۔ دنیا اور اہلِ دنیا سے کچھ سروکار نہ رکھا۔ مزاج پر تفرید و تجرید کا غلبہ تھا۔ یعنی تنہائی پسند تھے۔

تاریخ وفات :- ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۸۰۱ء میں فوت ہوئے۔ قبرستان میانی میں مزار ہے۔

منظوم تاریخ

چو فرید آں فاضلِ دورِ زماں! — از جہاں در جنتِ والا رسید
"تاجِ اخیار" است سال او دگر — "زبدۂ دیں متقی فرد و فرید"

مفتی رحیم اللہ بن مفتی رحمتُ اللہ قریشی قُدس سِرُّہٗ

یہ بزرگ مفتی غلام سرور مرحوم کے جد بزرگوار پرہیزگار و زاہد تھے۔ ہمیشہ عبادت میں مشغول رہتے۔ دولتِ ظاہری سے نفور۔ فقر و فاقہ میں بسر کرتے۔ حقیقی بھائی حافظ محمدی جو دولت مند تھا۔ ان کو مل کر تجارت کرنے کی ترغیب دیتا اور کہتا کہ تم خاندان کی عزت برباد کر رہے ہو اور ان لوگوں کی اجرت پر کام کرتے ہو جو ہم سے کمتر ہیں۔ اگر مزدوری کرنا چھوڑ دو تو میں آپ کے اہل و عیال کا خرچ دیتا رہوں گا۔ مگر آپ جواب دیتے کہ فقر پیغمبروں کا ورثہ ہے اور روزی حلال پیدا کرنا دونوں جہان میں سرخروئی کا موجب ہے۔ تیری

دولت تجھے مبارک ہو۔ آخری عمر جب قوت جسمی زائل ہو گئی تو کوٹلی مغلیاں کی مسجد میں بیٹھ کر درس قرآنی میں مشغول ہو گئے اور سہروردی طریقہ کی تلقین شروع کی۔

تاریخ وفات :- آپ ۱۲۳۵ھ مطابق ۱۸۲۰ء میں راہی ملکِ عدم ہوئے۔

منظوم تاریخ

رحیم اللہ چو شد در خلدِ اعلیٰ — ندا زد بہر سال وصل رضواں

کہ "تاج الاتقیا" مہر جمال است — دگر "مفتی شرع اطہر" اے جاں
۱۲۳۵

"رحیم اللہ فاضل" رحلتش گو — دگر "قاضی رحیم اللہ" بر خواں
۱۲۳۵ھ — ۱۲۳۵ھ

مولوی غلام رسول فاضل لاہوری قدس سرہٗ

مولانا موصوف ایک باتوقیر اور فاضلِ کبیر شخص تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دریائے فیض اور چشمۂ فضل بنایا تھا۔ اُس وقت پنجاب میں کوئی عالم آپ جیسا فیض رساں ہمہ دان اور ہمتانہ تھا۔ ہزاروں آدمیوں نے آپ سے فوائدِ علمی حاصل کئے اور فضیلت کے مرتبہ تک پہنچے۔ علمائے وقت اور فضلائے عہد آپ کی غلامی اور شاگردی کے حلقے میں داخل ہوتے تھے۔ آپ مولوی غلام فرید کے شاگرد تھے۔

روزانہ معمول :- آپ چار گھڑی رات رہے۔ نماز تہجد سے فارغ ہوتے تو کچھ شاگرد حاضرِ خدمت ہو کر نماز فجر سے پہلے سبق لے لیتے اور نماز فجر کے بعد اور شاگردوں کا انبوہ کثیر اُمڈ آتا تو آپ بڑے خُلق و محبت سے اُن کو تعلیم دیتے۔ صبح کا کھانا کھا کر آپ کچھ دیر قیلولہ فرماتے۔ نماز ظہر کے بعد اور شاگرد اپنے وقت پر حاضر ہو جاتے اور یہ سلسلہ پہر رات

تک جاری رہتا۔

تاریخ وفات :- آپ ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۸۳۴ء میں جاں حق تسلیم ہوئے۔

منظوم تاریخ

چوں غلام رسول طالبِ حق — از جہاں شد بہ جنتِ والا

ارتحالش بجو "چراغ ولی" — ہم دگر "کاشف الضحیٰ" فرما
۱۲۵۰ھ — ۱۲۵۰ھ

نوٹ :- مفتی صاحب نے حدیقۃُ الاولیاء اور خزینۃُ الاصفیاء میں کوئی تاریخ نہیں لکھی۔ صحیح تاریخ میں لفظوں میں ۱۲۵۰ھ لکھی ہے مگر ازروئے ابجد جو لکھی ہیں وہ سامنے ہیں۔ حدائق الحنفیہ اور تذکرہ علمائے ہند میں ۱۲۵۰ھ ہی تاریخ وفات لکھی ہے۔

شیخ لدھا شاہ موئنہ ساز لاہوری قدس سرہٗ

شیخ لدھا ایک عابد، زاہد، متقی، خدا ترس اور صاحب علم و خُلق شخص خاندانِ قادریہ سے تعلق رکھتے تھے اور چھلنی سازی (گھوڑے کے بالوں سے چھلنی بنانا) سے رزق حلال پیدا کرتے تھے۔ دروازہ بند کر کے اندر بیٹھے رہتے۔ ایک چھلنی باہر لٹکائے رکھتے۔ گاہک کنڈی کھڑکا کر آپ کو آگاہ کرتا تو آپ دروازے سے اُوپر کے دریچہ (پنجابی باری) سے سر نکال کر اسے مال دیتے اور قیمت لے لیتے۔ قیمت سے سوم حصہ اپنے تصرف میں لاتے اور باقی دو تہائی فی سبیل اللہ صرف کرنے کے لئے علیحدہ رکھتے اور مہینے بعد فقراء میں تقسیم فرما دیتے۔ بعض کو رباطن چور وہ لٹکی ہوئی چھلنی اُڑا لے جاتے تو آپ افسوس سے کہتے کہ اگر میری اجازت سے فی سبیل اللہ مفت لے جاتا تو دونوں کو ثواب ملتا۔ اب بیچارہ ثواب سے محروم رہا۔

ادھار دینے میں فراخ دلی :- حاجت مند کو قرض دینے میں آپ بڑے فراخ دل تھے جو شخص ایک دفعہ قرض لے کر دوسری بار پھر آتا تو آپ اسے پھر بھی دے دیتے اور نہ جتاتے کہ پہلا پیسہ بھی تمہارے ذمے ہے۔ وہ سمجھتا کہ آپ کو یاد ہی نہیں کہ میں پہلے بھی لے گیا ہوں۔ اگر کوئی ادھار واپس کرنے آتا تو فرماتے کہ شاید تمہیں ابھی ضرورت ہو گی پھر دے دینا۔ اتنی جلد ادا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

یہ سوا سو سال پہلے کی بات ہے جب کہ پیسے ٹکے سے کام بن جاتا تھا اور لوگ اتنے نادہند اور خائن بھی شاید نہ ہوں گے۔ ان دنوں تو دغا فریب پیشہ بن گیا ہے۔ قرض لے کر کوئی مشکل ہی سے واپس کرتا ہے۔ آج سے چند دوستوں عزیزوں نے ادھار لیا اور ادا نہیں کیا۔

تاریخ وفات :- جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو فرمایا کہ مجھے ایک طرف حضرت مخدوم علی ہجویری اپنی طرف بلاتے ہیں اور دوسری طرف سید محمد غوث گیلانی مگر مجھے شاہ گیلانی کی طرف دل لگی ہے چنانچہ جب آپ وفات پا گئے تو خادموں میں مدفن کی بابت اختلاف ہوا۔ آخر آپ کی وصیت کے مطابق حضرت شاہ محمد غوث لاہوری کے مزار کے احاطہ قبرستان میں دفن کئے گئے۔ آپ ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۷ء میں فوت ہوئے۔

تاریخ منظوم

مردِ مقبول شیخ لدے شاہ گشت روشن خلد مثل فلق
رحلتش "رحمت خدا" فرما باز جو وصل اوز "مظہر حق" (سرور)
۱۲۵۳ھ ۱۲۵۳ھ

مولوی غلام اللہ فاضل لاہوری رحمتہ اللہ علیہ

آپ مولوی موصوف حضرت غلام فرید کے فرزند ارجمند اور مولوی غلام رسول کے بھائی تھے لاہور کے بڑے عالم و فاضل۔ استاد کل مظہر کمالات دینی و دنیوی اور خلق و مروت میں مشہور اور تدریس میں یکتا۔ آپ کے فیض سے سینکڑوں نے نظم و نثر۔ صرف و نحو۔ منطق و معانی۔ فقہ و حدیث اور تفسیر میں کمال حاصل کیا۔ کوئی علمی خاندان نہیں جس نے آپ سے فیض حاصل نہ کیا ہو۔ سب کو ان کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے بھی آپ سے اکتساب فیض کیا تھا۔

تاریخ رحلت :- مولوی غلام اللہ صاحب ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵۵ء میں راہی ملک جاودانی ہوئے "وائے مرجع الفضلا" کے جملہ سے تاریخ وفات برآمد ہوتی ہے۔

تاریخ منظوم

غلام اللہ چواز دُنیا سفر کرد بسالِ وصلِ آں شاہِ معلی
بجٌن "اسعد غلام اللہ تحریر" "غلام اللہ حق آگاہ" فرما
۱۲۷۲ھ ۱۲۷۲ھ

مفتی غلام محمد بن مفتی رحیمُ اللہ لاہوری

قُدّس سِرّہٗ

مفتی صاحب موصوف مفتی غلام سرور مرحوم کے والد بزرگوار تھے۔ انہوں نے اپنے پدر نامدار کے جو حالات زہد و عبادت اور علم و فضل کے بیان کئے ہیں وہ بمصداق الولد

سرلا یہ مفتی غلام سرور مرحوم کی تاریخی کتب پڑھ کر صحیح ثابت ہوتے ہیں۔

مفتی صاحب بیان کرتے ہیں کہ میرے اجداد میں سے شیخ مخدوم المشہور میاں کلاں بن شیخ قطب الدین بن شیخ شہاب الدین بن شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی حسب الطلب بادشاہ وقت (نام نہیں لکھا) لاہور میں آئے اور بہت ممتاز ہوئے۔ ان سے مفتی صاحب اپنا شجرۂ نسب یوں ملاتے ہیں۔ مفتی غلام سرور بن مفتی غلام محمد بن مفتی رحیم اللہ رحیم اللہ بن مفتی رحمت اللہ بن مفتی حافظ محمد تقی بن مولانا کمال الدین بن مفتی عبدالسمیع بن مولانا عتیق اللہ بن مولانا برہان الدین بن مفتی محمد محمود بن شیخ الاسلام عبدالسلام بن شیخ عنایت اللہ بن مولانا کمال الدین بن شیخ مخدوم موصوف مفتی غلام سرور کے فرزند مفتی محمد انور سے موقع ملاقات ملا ہے ان کو اپنی طبابت میں کمال کا دعویٰ تھا بڑے جوشیلے تھے رفض کے بہت ہی مخالف۔ ایک دفعہ ذکر کیا کہ طبابت میں میرا استاد شیعہ [1] تھا۔ اس کے پاس ایک ایرانی مولوی صاحب آئے۔ ان سے استاد نے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں کتنی تھیں۔ بتایا کہ چار۔ مگر ہمیں صرف ایک ہی بیان کرنی چاہئے کیونکہ ان میں سے دو (سیدہ رقیہ اور ام کلثوم) حضرت عثمان سے یکے بعد دیگرے بیاہی گئیں اور ہمیں عثمان کی اس فضیلت کو تسلیم کرنا ناگوار ہے۔ میں اس تعصب کو برداشت نہ کر سکا اور کہا وائے بر ایں چنیں مذہب یہ سن کر وہ میری طرف لپکے۔ میرے ہاتھ میں جو کھرل کا دستہ تھا وہ بے محابا مولوی مذکور کی پیشانی پر لگا۔ زخم سے خون پھوٹ نکلا۔ استاد نے اشارہ کیا اور میں بھاگ گیا۔ استاد کو محلے کا لحاظ تھا۔ میرا پتہ نہ بتایا اور کہا کہ ایک اجنبی لڑکا تھا دوا پوچھنے آیا اور میں نے اسے کھرل پر دوا پیسنے لگا دیا۔

میں نے ایک دن کہا کہ سنا ہے کہ آپ کے والد میرے نانا غلام محی الدین شاہ کے منشی رہے ہیں جیسا کہ ان کے ایک شعر سے ظاہر ہے کہ۔

---

[1] ان حکیم صاحب کا نام نجف علی شاہ تھا۔

عجب سروار عالی بود ذاتش   کہ سرور ہم غلامے کمترین بود

یہ سن کر ان کو طیش آیا کہ یہ بات غلط ہے انہوں نے تو اخلاقاً ایسا لکھ دیا ہے [1]۔ میں مفتی غلام سرور مرحوم کا بہت ممنون ہوں کہ انہوں نے ہمارے خاندان کی قلمی کتب کا میرے نانا صاحب سے مطالعہ کر کے ان کا حال خزینۃ الاصفیاء 'حدیقۃ الاولیاء' اور گنجینہ سروری معروف بنام تاریخ "گنج تاریخ" وغیرہ میں کیا۔ آپ تاریخ گوئی میں ید طولیٰ رکھتے تھے آپ کی خواہش تھی کہ مزار مدینہ منورہ میں بنے جیسا کہ ان کی نعت کے ایک شعر سے ظاہر ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے روضہ کی زیارت کو جاؤں اور وہاں سے ہند میں واپس نہ آؤں۔ چنانچہ ان کا انتقال راہ مدینہ منورہ میں ہوا جو ان کے سچے عشق رسول اور خوش انجامی پر دال ہے۔

مفتی صاحب کی تاریخ رحلت ابھی تک مجھے معلوم نہیں ہوئی۔ ان کے خاندان سے معلوم ہوئی تو یہاں لکھ دوں گا۔

مجھ سے کئی دوستوں نے فرمائش کی ہے کہ میں مفتی مرحوم کی کتاب خزینۃ الاصفیاء کا اردو میں ترجمہ کر دوں مگر وہ بہت بڑی کتاب ہے اور مجھے بوجہ پیری ضعف دماغ لاحق ہے اور پٹھے کمزور۔ بہر حال اس کتاب کی تالیف میں اس سے استفادہ کر رہا ہوں۔ خدا تمام تک پہنچائے۔

مفتی غلام سرور کے دادا کے دادا (محمد تقی) کے بھائی ولی محمد کے پوتے مفتی محمد مکرم بڑے علم و فضل کے صوفی بزرگ تھے عہدہ افتاء بھی ان کے سپرد تھا۔ احمد شاہ درانی

---

[1] حکیم مفتی محمد انور مرحوم ۲۸ نومبر ۱۹۲۲ء میں فوت ہوئے تھے۔ آپ کے حالات ماہنامہ نقوش "لاہور نمبر" میں حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے اطبائے لاہور کے سلسلے میں لکھے ہیں۔ (تسیم الفضل)

نے بھی انہیں اس عہدہ پر بحال رکھا اور ماہ رمضان ۱۲۷۰ھ میں اسناد تحکمی فرمان اس بارے میں لکھ دیا۔ مفتی صاحب نے حدیقۃ الاولیاء میں افسوس کیا ہے کہ ان کی اولاد علم سے بے بہرہ رہی اور جدی حویلی بھی بیچ کھائی۔ ان کے نانا بھی اسی شاخ خاندان سے تھے۔ امام بخش نام جن کا پوتا امیر بخش جلد سازی کا کام کرتا ہے اور مفتی مکرم کے دوسرے بیٹے محمد بخش کا پوتا نبی بخش موضع منبج میں جا رہا اور اس کا بیٹا نور دین شاہدرہ میں ایک مسجد کا مُلّا ہے۔ اس خاندان میں ایک مفتی غلام سرور ہوئے جنہوں نے آباؤ اجداد کا نام روشن کیا۔

مفتی غلام سرور لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ناقی مرحوم کی حیات میں مفتی غلام سرور مغفور کے حالاتِ زندگی پردۂ اخفا میں تھے کچھ عرصہ ہوا کہ حکیم مفتی محمود نبیرۂ مفتی سرور نے ان کے حالات نقوش لاہور میں شائع کرائے تھے۔ حکیم صاحب موصوف کے اسی مضمون سے میں نے استفادہ کیا ہے۔ (حکیم افضل)

آپ اپنے آبائی محلہ کوٹلی مفتیاں نزد حویلی میاں خاں اندرون موچی دروازہ ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۸۲۸ء میں پیدا ہوئے۔

مفتی غلام سرور نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی پھر مولانا غلام اللہ سے صرف نحو، منطق، فقہ، حدیث اور تفسیر وغیرہ علوم پڑھے اور آخر میں اپنے والد مفتی غلام محمد مرحوم سے طب کی تحصیل کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد تالیف و تصنیف میں مشغول ہو گئے اور اطراف واکناف عالم میں بحیثیت مورخ، مصنف، ادیب، شاعر اور ماہر علم لغت کے ایسے مشہور ہوئے کہ آپ کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں رہی اور رہتی دنیا تک آپ کا کام اور نام زندہ رہے گا۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعلم   ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

تصنیفات :— مفتی غلام سرور نے حسب ذیل لافانی ولاثانی کتابیں تصنیف کیں۔ ۱۔ خزینۃ الاصفیاء (فارسی) دو جلدوں میں جو ۱۲۸۰ھ میں طبع ہوئی۔ ۲۔ گنجینہ سروری اس کتاب کا تاریخی نام "گنج تاریخ" ہے تمام کتاب فارسی نظم میں ہے۔ اس میں دس ہزار کے قریب مادہ ہائے تاریخ وفات درج ہیں۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اپنے معاصرین تک کی تواریخ وفات منظوم لکھی ہیں۔ بہارستانِ تاریخ معروف بہ گلزار شاہی۔ اس میں مہاراجگان (متقدمین) والدین ریاست (عہد انگریزی) مسلم سلاطین اور انگریز بادشاہوں کے حالات درج ہیں۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ پھر دوسری بار مطبع نولکشور سے اضافوں اور تصحیح کے ساتھ ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۸۷۷ء میں شائع ہوئی۔ ۴۔ تاریخ مخزن پنجاب۔ یہ کتاب پنجاب کی جامع تاریخ ہے۔ ۵۔ حدیقۃ الاولیاء اس نادر کتاب میں صرف ان اولیائے کرام کا ذکر ہے۔ جو پنجاب میں ہوئے ہیں۔ ۶۔ مدینۃ الاولیاء یہ بھی اولیاء اللہ کے حالات پر مشتمل ہے اور بارہ سو صفحات اس کی ضخامت ہے مطبع نولکشور سے شائع ہوئی تھی مگر اب نایاب ہے۔ ۷۔ مناقب غوثیہ حضرت شیخ محمد صادق پیشانی کی فارسی تالیف کا اردو ترجمہ ہے۔ ۸۔ گل دستہ کرامات ۱۲۷۲ھ میں تصنیف کی۔ لکھنؤ اور لاہور سے کئی بار طبع ہوئی۔ اس میں اردو نظم ونثر میں حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب بیان کئے ہیں۔ ۹۔ مخزن حکمت حکمائے متقدمین و متاخرین اور اولیائے عظام کے گراں قدر اقوال ونصائح پر مشتمل ہے۔ گویا تعلیم الاخلاق پر بہترین کتاب ہے یہ کتاب ۱۲۸۸ھ میں تالیف ہوئی۔ ۱۰۔ انشائے یادگار اصغری۔ ۱۱۔ تحفۃ الابرار پند نامہ فرید الدین عطار کا منظوم ترجمہ ہے۔ ۱۲۔ تحفہ سروری (منظوم) متصوفانہ مضامین پر مشتمل ہے۔ ۱۳۔ گلشن سروری اخلاقی مضامین پر مشتمل ہے۔ ۱۴۔ اخلاق سروری علم اخلاق پر ہے۔ ۱۵۔ دیوان نعت سرور۔ ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۸۸۱ء میں طبع ہوا۔ ۱۶۔ دیوان حمد ایزدی۔ ۱۷۔ دیوان سروری۔ حضرت غوث الاعظم کی منقبت میں ہے۔ ۱۸۔ کلیاتِ نعت سرور یہ دیوان ۱۸۸۱ء سے لے کر ۱۸۸۴ء تک ہزاروں کی تعداد میں کئی بار طبع

ہوا۔ ۱۹۔ لغاتِ سروری۔ ۲۰۔ جامع اللغات۔ یہ بہت ہی قابلِ قدر کتابیں ہیں۔

اولاد :- آپ کے پانچ صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھی۔ بڑے صاحبزادے مفتی غلام حیدر دوسرے مفتی غلام صفدر (متوفی ۱۹۲۲ء) جو فوقانی تخلص کرتے تھے۔ مصنف بھی تھے۔ وکالت آپ کا پیشہ تھا۔ تیسرے صاحبزادے کا نام مفتی غلام اکبر تھا جو عالمِ شباب میں ہی ۱۳۲۱ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ چوتھے حکیم مفتی محمد انور تھے جن کا ذکر حضرت نامی کر چکے ہیں۔ آپ ۱۹۲۲ء میں فوت ہوئے تھے۔ پانچویں مفتی غلام اصغر تھے۔ جو بارہ سال کی عمر میں ۱۸۸۱ء میں فوت ہوئے۔ انشائے یادگارِ اصغری مفتی صاحب نے انہیں کے نام پر لکھی تھیں۔ صاحبزادی کا نام اقبال بیگم تھا۔ یہ ۱۹۵۲ء میں اپنے والد سے جا ملیں۔

مرحومہ اقبال بیگم کے بطن سے حکیم مفتی محمود عالم پیدا ہوئے۔ آپ نے نقوش لاہور میں مفتی صاحب کے مفصل حالات لکھ کر شائع کرائے ہیں۔ جزاہ اللہ۔

وفات :- حضرت مفتی غلام سرور مرحوم و مغفور کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس کی حاضری کا بے حد اشتیاق تھا جس کا اظہار ان کی نعتوں سے بخوبی ہوتا ہے اور ان کی یہ دلی آرزو تھی کہ دیارِ محبوب میں پہنچ کر پھر واپس نہ لوٹوں۔ چنانچہ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ کو جاتے ہوئے ہیضہ میں مبتلا ہو گئے اور جمعرات کے دن ۷ ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۴ اگست ۱۸۹۰ء کو جان جانِ آفرین کے حوالے کر دی منزل بیر بالا حسانی جو مضافاتِ میدان جنگِ بدر میں ہے سپردِ خاک کر دیئے گئے۔ اس سفر میں حضرت مولانا مولوی غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ہم رکاب تھے۔ اس لئے آپ کی نمازِ جنازہ انہوں نے ہی پڑھائی۔

مفتی غلام سرور مرحوم نے سفرِ حج کے دوران میں بہت سی نعتیں لکھیں۔ زیارتِ روضۂ اطہر کے متعلق ایک قطعہ تاریخ کہا تھا اور خیال تھا کہ درِ حضورِ پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو کر اسے پڑھیں گے مگر یہی تاریخی قطعہ آپ کی تاریخِ وفات بن گیا۔

مصرع تاریخ یہ ہے: ابھی سرور نے کی ہے سرورِ عالم کی پابوسی
۱۳۰۷ھ

قطعہ تاریخ وفات از نامی صاحب مرحوم :- امام المورخین مفتی غلام سرور نے ہزاروں بزرگانِ دین اور زعمائے قوم کی تاریخیں کہیں مگر ان کی وفات پر کسی شاعر کی کہی ہوئی کوئی تاریخ نہیں ملتی۔ اس کی تلافی کے لئے محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے جناب پیر نامی صاحب کو لکھا کہ مفتی صاحب کی تاریخیں لکھئے۔ چنانچہ آپ نے بسترِ علالت پر وفات سے صرف چار دن پہلے یہ تاریخیں لکھیں۔ جو آپ کی آخری یادگار اور آپ کا آخری منظوم کلام ہے۔

جو کہ مفتی غلام سرور تھے ۔۔۔ چاہیے اُن کی برملا تاریخ
"چل دیا عاشقِ رسولِ خدا ۔۔۔ آج سرور ہے نامیا تاریخ
۱۸۹۰ء

ولہ

گئے راہِ مدینہ میں گزر آہ ۔۔۔ جو تھے اک شہرۂ آفاق سرور
ہوا القا یہ تاریخ نامی ۔۔۔ قلم لے کر لکھو "مشتاقِ سرور"
۱۳۰۷ھ

دیگر مادہ ہائے تاریخ

"نافہ مُردہ" "نامور شد مستور" "شمع ہدایت معدنِ فیوض"
۱۸۹۰ء ۔۔۔ ۱۳۰۷ھ ۔۔۔ ۱۳۰۷ھ

"آں خوش کلام شد" "چراغِ زمانہ"
۱۳۰۷ھ ۔۔۔ ۱۳۰۷ھ

نوٹ: مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ "نقوش" لاہور بابت اکتوبر ۱۹۶۱ء و نقوش لاہور نمبر (قسیم افضل)

ان بزرگوں کا حال جن کی رحلت کی تاریخ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی

حضرت سیّد صوف لاہوری قُدِّس سرُّہٗ

بزرگ موصوف کا مزار چوک مسجد وزیر خاں میں مشہور ہے۔ مسقف چار دیواری کے اندر اس کے گنبد کی تعمیر کا شرف محمد سلطان ٹھیکہ دار کو ہے۔ مشہور ہے کہ جو شخص چالیس روز متواتر زیارتِ مزار کر سکے۔ اس کی مراد پوری ہو جاتی ہے۔ زائرین کا اکثر مجمع رہتا ہے۔ بزرگ کے صحیح حالات معلوم نہیں۔ رسالہ تحفۃ الواصلین میں مذکور ہے کہ آپ حضرت میراں بادشاہ ابو اسحاق گازرونی مدفون اندرون مسجد وزیر خان کے ہمعصر تھے اسی بات سے لوگ کہتے ہیں کہ ان کے بھائی تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سیّد سر بلند قُدِّس سرُّہٗ

بزرگ موصوف کا پختہ مزار چوک مسجد وزیر خاں کے شمال کی طرف ایک بڑے طویلے کے اندر ہے۔ متقدمین مشائخ میں صاحبِ جذب و تاثیر گزرے ہیں۔ یہ کس زمانے میں ہوئے معلوم نہیں۔ لوگوں نے انہیں حضرت میراں بادشاہ کا بھائی مشہور کر رکھا ہے۔

اس خانقاہ کی مجاوری میاں جھنڈو قریشی جو مرزا محمد اکرم از اولاد نواب وزیر خاں کے نانا تھے کے خاندان سے چلی آتی ہے۔

حضرت پیر ذکی قُدِّس سرُّہٗ

بزرگ موصوف کا مزار دروازہ ذکی (مشہور یکی دروازہ لاہور) کے درمیان ہے اب دروازہ کا نشان تک نہیں۔ دہلی دروازہ سے شمال کی طرف قبر ہے۔ جب تاتاری مغلوں نے لاہور پر حملہ کیا تو پیر ذکی یہیں مقیم تھے۔ آپ نے بڑی جوانمردی سے ان کا مقابلہ کیا اور شہید ہوئے۔ پھر بھی تن بے سر لڑتے رہے۔ مزارِ سر عین دروازہ میں اور مزار جسم اندر متصل دروازہ ایک طویلے میں زیارت گاہ ہے۔ (ماخوذ از حدیقۃ الاولیاء بحوالہ تحفۃ الواصلین) یہ عجیب بات ہے کہ سلطنت مغلیہ کے زوال پر لوگوں نے مزارات کے پاس خالی جگہ میں طویلے بنا لئے جیسا کہ سید توختہ اور سید سر بلند کی قبور کے پاس۔

حضرت پیر بلخی قُدِّس سرُّہٗ

بزرگ بلخی کا نام معلوم نہیں۔ چونکہ یہ چنگیز خانی حملے کے وقت بلخ سے آئے تھے اس لئے وطنی نسبت سے بلخی مشہور ہو گئے۔ جب تاتاری جلال الدین بادشاہ خوارزم (خیوا) کے تعاقب میں لاہور آئے اور بادشاہ مذکور دہلی کی طرف چلا گیا تو تاتاری جن کا مقصد ہی قتل و غارت تھا معروف کار ہوئے۔ پیر موصوف اور ان کے مریدوں نے تاحدِ امکان مقابلہ کیا اور شہید ہوئے۔ مسجد وزیر خاں سے مغرب کو آتے ہوئے کشمیری بازار میں جانبِ جُنوب مرقد ہے مسقف' اس میں ایک پھل فروش ڈاکٹر معراج الدین کا کرایہ دار تھا۔ متولی موصوف نے کرایہ بڑھا دیا تو دوسرے دکاندار حمایتی بنے اور قبضہ کر لیا۔ ہائی کورٹ نے متولی کے حق میں فیصلہ کیا مگر ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ متولی مزار کو جس وقت بھی کوئی زائر چاہے کھول دینا ہو گا۔ اس حکم کی رو سے دکاندار کو کچھ فائدہ نہ ہوا اور ماسٹر محمد حسین سیاہی فروش

نے متولی کی طرف سے انتظام سنبھال لیا اور ختم کا سلسلہ جاری کیا۔ اب وہ بھی فوت ہو چکا ہے اور ذاکر بھی۔

شاہ عبدالرزاق مکی قُدّس سرّہٗ

شاہ عبدالرزاق شہر سبزوار سے لاہور آئے اور حضرت شاہ موج دریا بخاری کے مرید ہوئے داخل بیعت ہونے سے پہلے اکبر بادشاہ کے ماتحت ملازمت اختیار کی تھی جب فقر اختیار کیا تو پیر روشن ضمیر سے وہ فیض پایا کہ قطبیت کے درجہ پر پہنچے انار کلی میں آپ کا روضہ در رنگ سبز موجود ہے اور پاس ہی عظیم الشان مسجد نیلے گنبد والی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ جسے منشی نجم الدین مرحوم نے دوبارہ مرمت کر کے آراستہ کیا تھا۔ اب اس کے ساتھ کثیر کرایہ کی دکانیں ہیں جنہیں محکمہ اوقاف نے اپنی تحویل میں لے لیا ہے۔

شاہ عبدالرزاق موصوف ۱۰۸۴ھ مطابق ۱۶۷۳ء میں بعہد اورنگ زیب فوت ہوئے۔

بہر تاریخ فوت او نامی   "شیخ حق بیں" زروئے درد بگو
۱۰۸۴

سید پیر محمد شاہ شیرازی چشتی رحمۃ اللہ علیہ

پیر صاحب موصوف کا اصلی وطن شاہ پور تھا۔ بیعت خاندان چشتیہ میں تھی۔ وطن سے موضع مزنگ واقع جانب جنوب شہر لاہور آئے تو قوم بلوچ ان کی مرید بن گئی۔ آپ بڑے فیض رساں بزرگ تھے۔ موضع مذکور میں آپ کا مقبرہ مشہور ہے جہاں آپ ۱۱۰۰ھ مطابق ۱۶۸۸ء میں بعہد عالمگیر فوت و دفن ہوئے۔

محمد شاہ شد از دارِ فانی   بحکم مالکِ کونین یزداں
وصالش "شیخ قطب الاولیاء" گو   دگر "قطب جہاں مفتاح عرفاں"
۱۱۹۰ھ   ۱۱۰۰ھ

حضرت شاہ درگاہی قادری قُدّس سرّہٗ

یہ بزرگ حضرت شاہ چراغ گیلانی لاہوری کے مرید صاحب کشف و کرامات و صدق و صفا اور زہد و ریاضت میں مشہور تھے۔ آپ کی دعا مستجاب تھی۔ ہر وقت اہلِ حاجت کا ہجوم رہتا تھا۔ حضرت شاہ اسماعیل محدث کے مزار کی والی طرف ان کا مزار ہے۔ ایک کنواں جو چاہ پانی واتیاں کے نام سے مشہور ہے آپ کے مزار کے پاس تھا جس پر اب پمپ لگا دیا گیا ہے۔ اس چاہ کے زمیندار آپ کے مرید تھے۔ اس کنویں کے زمیندار کے لڑکے کے بدن پر پھوڑے نکل آئے۔ جو پنجابی زبان میں پانی واتی کے نام سے مشہور ہیں۔ اس زمیندار نے شفا کے لے استدعا کی۔ آپ نے فرمایا کہ اس بیماری کے لئے تیرے کنویں کا پانی دوا ہے۔ اسے اس کے پانی سے نہلا دو۔ چنانچہ نہلانے پر وہ فی الفور تندرست ہو گیا۔ اس روز سے آج تک لوگ اتوار کے دن اپنے اپنے مریض بچوں کو اس پانی سے نہلاتے ہیں تو خدائے شافی شفا دے دیتا ہے۔ بعض اس کنویں پر سے ٹھیکریاں لے جاتے اور انہیں گھس کر پھوڑے پر لگاتے تھے تو زخم اچھے ہو جاتے تھے۔

پیر زُہدی لاہوری قُدّس سرّہٗ

پیر زُہدی کا اصل نام وجیہہ الدین ہے بجمال زہد و ریاضت زُہدی مشہور ہوئے۔ پہلے شیخ سعدی بلخاری لاہوری نقشبندی (متوفی ۱۱۰۸ھ) سے فیض یاب ہوئے۔ پھر شیخ جان

محمد سہروردی لاہوری (متوفی ۱۰۸۲ھ) سے۔ ان کی وفات کے بعد بحکم سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ۔ مکے، مدینے، بیت المقدس، بغداد، کربلا، نجف وغیرہ مقامات کی زیارت سے مستفیض ہوئے۔ واپس آکر حضرت میراں شاہ بھیکھ چشتی (متوفی ۱۱۳۱ھ) سے خرقہ چشتیہ حاصل کیا۔ پھر لاہور مراجعت فرما ہو کر شاہ محمد غوث لاہوری (متوفی ۱۱۵۲ھ) سے کلاہ سلسلہ قادریہ پائی۔ الغرض ہر طریق میں مکمل ہوئے۔

آخر ۱۲۰۰ھ میں واصل حق ہو کر مرتنگ کے پاس دفن ہوئے۔ یعنی نصیر الدین محمد شاہ کے عہد میں۔

بتاریخ فوتش بجو نامیا کہ "شیخ کبیر" است بے روئے بہم
۱۱۹۰ھ

پیر غازی المشہور بہ پیر از غیب قُدِّس سِرُّہٗ

اس بزرگ کے مزار کا پتہ لگنے کی ایک روایت ہے کہ یہاں شہزادی زیب النساء کو قریبِ خانقاہ علی الہجویری گنج بخش عمارت بنانی تھی مگر اس جگہ دیوار قائم نہیں رہتی تھی۔ زیادہ بنیاد کھودنے سے قبر برآمد ہوئی۔ چونکہ صاحب قبر کا نام معلوم نہ ہوا لہٰذا اسے پیر از غیب سے موسوم کیا گیا۔ ایک کرامت پیر صاحب کی یہ ہے کہ جس کا گلا متورم ہو گیا ہو وہ مزار سے ایک سنگریزہ اٹھا کر لے جاتا اور سوجی ہوئی جگہ پر پھیرتا ہے تو شفا ہو جاتی ہے اور وہ اس ٹھیکری کے برابر مصری وزن کر کے تقسیم کر دیتا ہے اور ٹھیکری پھر وہیں چھوڑ دیتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ بزرگ حضرت داتا صاحب کے زمانے کے قریب ہی وفات پا کر یہاں دفن ہوئے ہوں اور حوادثِ زمانہ سے قبر دب گئی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت پیر بُرہان قُدِّس سِرُّہٗ

پیر بُرہان اکبر بادشاہ کے عہد میں بخارا سے ہندوستان اور پھر لاہور تشریف لائے اور یہاں کے موجود الوقت بزرگوں حضرت میاں میر وغیرہ رحمہ اللہ علیہم سے فیض حاصل کیا۔ بعد وفات بیرون دہلی دروازہ مدفون ہوئے۔ مزار عالی شان تھا۔ نونہال سنگھ نے شہر کی بیرونی عمارات کو جو رنجیت سنگھ کی پتھر اکھاڑ کر امرتسر والی سنگ دل پالیسی سے بچی ہوئی تھیں، جب بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینکنے کی ٹھانی تو پیر بُرہان کے مزار پر بھی وار کیا اور وہ آگے حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کے مرقد مبارک کو صاف کرنا چاہتا تھا کہ اس (نونہال سنگھ) کا باپ کھڑک سنگھ مر گیا۔ اسے نذر آتش کر کے واپس آرہا تھا کہ روشنائی دروازہ سے سنگ قضا اس پر گرا اور وہ وہیں چت ہو گیا اور سکیم دھری رہ گئی۔ پھر اس کے بعد سکھ راجے یکے بعد دیگرے آپس میں لڑ کر اسی طرح قتل ہونے شروع ہوئے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ گرامی چاک کرنے والا پرویز اور اس کا خاندان تباہ ہوا تھا اور پھر امت محمدیہ اس کی مملکت پر قابض ہو گئی تھی۔

الغرض سکھوں کی حکومت کے خاتمے کے بعد عقیدت مندوں نے پھر پیر بُرہان کے مزار کو ٹھیک کر دیا۔

مکان مزار حاجی جمعیت مرحوم و مزار قدم الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

مفتی غلام سرور حدیقۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ یہ مزار ریل کے پڑاؤ کے شمال کی طرف غیر آباد پڑا ہے۔ اس بزرگ کا اصل نام حاجی جمیل تھا اور بیعت خدمت شاہ رنگ بلاول[1] حضرت

لال حسین لاہوری (متوفی ۱۰۰۸ھ) کی خدمت میں تھی۔ سُرخ سنگ قدم شریف حاجی صاحب موصوف کے بزرگ ایران سے لائے تھے اور پھر یہ اس کو لاہور ساتھ لے آئے اور اس پر ایک گنبد ہوا دیا۔ قدم شریف روضہ کے تین طرف جو عبارت لکھی تھی وہ مفتی صاحب نے نقل کر کے حدیقۃ الاولیاء میں یوں درج کی ہے۔

انه مسعود و من مسعود الی ابنه سالم و من سالم الی ابنه مسلمؒ و من مسلم الیٰ ابنه عاقل و من عاقل الیٰ ابنه جوهر و من جوهر الیٰ ابنه باقر و من باقر الی ابنه اسعدؒ و من اسعدالیٰ ابنه نصیرؒ و من نصیر الیٰ ابنه ظاهرؒ و من طاهر الیٰ ابنه طیّب و من طیّب الیٰ ابنه مجیبؒ و من مجیب الیٰ ابنه حبیبؒ و من حبیبؒ الیٰ ابنه جمیل۔

اس عبارت کے چند ابتدائی حرف اڑ گئے تھے۔ ثابت ہوا ہے کہ یہ قدم شریف اتنی پشت حاجی جمیل کے خاندان میں رہا مگر افسوس کہ اب کسی نے گنبد کے کاشی کا رنگ اڑا کر سفید استر کاری کر دی ہے اور قدم شریف کمال بے ادبی کے ساتھ گنبد میں رکھا ہے۔

مزار علی رنگریز قُدّس سرّہٗ

یہ صاحب رنگریزوں کے پیر ہیں۔ مزار کو چار دیواری محیط ہے۔ اس کا محل وقوع وہ سڑک ہے جو دہلی دروازہ سے میاں میر کو جاتی ہے۔ شیخ محمد صالح اور عنایت اللہ کے گنبد (اب گرجا گھر) کے پاس۔ مزار اونچے تھڑے پر ہے۔ سیڑھیاں جنوب مغربی سَمت ہیں۔ اسی

۱۔ اگر شارنگ بلاول سے شاہ بلاول قادری مراد ہیں تو وہ شیخ لال حسین کے نہیں بلکہ حضرت شمس الدین لاہوری کے مرید تھے اور ۱۰۴۶ھ میں شیخ موصوف سے ۳۸ برس بعد فوت ہوئے تھے۔

طرف دروازہ پر ایک کتبہ نصب ہے جس میں تین اہل مزار کے نام ثبت ہیں۔ ۱۔ علی۔ ۲۔ ولی برادر علی۔ ۳۔ باہو۔ تاریخ تعمیر ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۴ء لکھی ہے۔ مگر مزار بہت قدیم ہے۔

فضل شاہ مجذوب نوشاہی قُدّس سرّہٗ

یہ بزرگ مرید تھے رحمان شاہ کے اور یہ محمد صدیق کے اور یہ شاہ فرید لاہوری کے اور یہ پیر محمد سچیار کے اور یہ مرید تھے حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے۔ فضل شاہ کا عروج سکھوں کی سلطنت کے آخری ایام میں ہوا۔ مہاراج اور امیر وزیر سب ان کے پاس آتے اور سینکڑوں روپیہ نذر کرتے جو ان کا پیا بند شاہ اٹھا کر لے جاتا۔ یہ فقیر مستانہ حالت میں پھرتے ہوئے لوگوں کو گالیاں دیتے۔ راجہ دینا ناتھ فضل شاہ کا بڑا معتقد تھا۔ ان کے پاس ایک منشی مقرر کر رکھا تھا۔ جو ان کی باتیں لکھ کر راجہ کے سامنے پیش کرتا۔ ہزار ہا روپیہ اور نقد و جنس راجہ موصوف ان کے بیٹے کو دیتا رہتا۔ ان کے لئے مکان ہوا دیا تھا۔

سید محمد لطیف تاریخ لاہور صفحہ ۱۳۲ میں لکھتے ہیں کہ فضل شاہ سید پور تحصیل ظفروال ضلع سیالکوٹ کے باشندے تھے۔ آپ سکھوں کے عہد میں لاہور آئے اور ایک مسجد کی امامت اختیار کی۔ پھر عینک سازی شروع کی۔ اس کے بعد آپ رحمان شاہ نوشاہی فقیر کے مرید اور مست فقیر ہو گئے۔ راجہ دینا ناتھ آپ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ہر روز زیارت کو آتے ور آپ کی روحانی طاقت کا لوہا مانتے تھے۔ راجہ صاحب اکثر ہزاروں روپیہ آپ کی نذر کرتے مگر آپ یہ روپیہ واپس کر دیتے اور اس روپیے کی کچھ پرواہ نہ کرتے۔ مجذوبانہ حالت میں آپ راجہ کو گالیاں دیتے اور پتھر مارتے مگر وہ ناراض ہونے کی جائے اسے فقیر کی توجہ فرمائی پر محمول کرتے۔

فضل شاہ ۱۸۵۴ء مطابق ۱۲۷۰ھ میں فوت ہو گئے اور مستی دروازہ کے

باہر اُس جگہ دفنائے گئے جو راجہ صاحب نے فقیر کی زندگی میں بنائی تھی اور جو چار دیواری کے اندر میونسپلٹی کے باغ میں ہے۔

مراگفت ہاتف کہ اے پیر ناکی　　"سر دفتر فضل" تاریخ یابی
۱۸۵۴ء

سیّد بلند شاہ نوشاہی قُدّس سرُّہٗ

فضل شاہ کے مزار کے پاس ہی بلند شاہ کی قبر ہے جو فضل شاہ کے بیٹے تھے اور جو ۱۲۸۷ھ مطابق ۱۸۷۰ء میں فوت ہوئے۔ قبر کی شمالی طرف سنگِ مرمر کی تختی پر یہ قطعہ تاریخ ثبت ہے۔ تاریخ وفات سیادت پناہ سید بلند شاہ غفر اللہ لہٗ

سہ شنبہ از صفر است و نہم بود　　کہ واصل شد حق آں دیں پناہی
بجو از سالِ ترحیلش کہ بادا　　مقامش جنت المادیٰ الٰہی

نوٹ:۔ میرے حساب میں تاریخی جملہ سے صرف ۱۲۷۸ برآمد ہوتے ہیں۔ صحیح تاریخ یہ کیوں نہ کہیں کہ۔

بلند شاہ کی تاریخ ہے "بلند اختر"
۱۲۸۷ھ

حضرت شاہ کلتھ نوشاہی قُدّس سرُّہٗ

نوشاہی بزرگوں میں سے شاہ کلتھ صاحب کشف و کرامات مشہور ہیں مزار موچی دروازہ کے باہر پُرانی میوہ منڈی کے قریب ہے پہلے قبر کے گرد صرف چار دیواری تھی۔ پھر ارادت مندوں نے گنبد بنا دیا۔ اکثر لوگ اس خاندان کے مرید ہیں بزرگ کی تاریخ وفات ۱۴

ربیع الاول ۱۲۱۹ھ مطابق ۲۳ جون ۱۸۰۴ء یعنی پیر مراد شاہ لاہوری سہروردی سے تقریباً ۲۰ برس بعد۔ محکمہ اوقاف نے ایسے مزاروں کو اپنی تحویل میں نہیں لیا کیونکہ ان کے ساتھ نفع بخش وقف نہیں۔ اس سے آگے شیخ موسیٰ آہنگر خلیفہ حضرت عبدالجلیل کا روضہ ہے وہ بھی نہیں لیا گیا اور حضرت عبدالجلیل کی درگاہ کا وقف جو نانی کی حسبِ مرضی اس کے ماموں صاحب اشرف خاندان نے کیا تھا لے لیا گیا ہے جو اس وقت بیس لاکھ روپیہ کی مالیت کا ہے اس دستگیری سے غلام دستگیر نے جو سلسلہ واشاعت حالاتِ بزرگان و قیامِ آثارِ بزرگان جاری کر رکھا تھا وہ فی الحال مسدود ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اس کے اجراء کے لئے کوئی سبیل پیدا کرے۔ آمین۔

شیخ موسیٰ اکھوکھر قُدّس سرُّہٗ

اس بزرگ کا مزار محلہ جی کے رود وبھائی دروازہ کے باہر ہے شیخ بہاول دریائی (متوفی ۹۸۳ھ) سے ان کو فیض پہنچا۔ شیخ لال حسین لاہوری (متوفی ۱۰۰۸ھ) جو ان کے پیر بھائی تھے۔ ان کا بہت ادب کرتے تھے ان کی تمام عمر ریاضت و مجاہدہ میں گزری۔ جنت ہوا کہ آپ اکبری عہد کے بزرگ تھے۔

شیخ محترم علیہ الرحمتہ

شیخ موصوف کے متعلق معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ کس خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ بدھو کے آوے کے مغرب کی طرف بہت عمدہ گنبد کے نیچے مزار ہے جس کے اندر آیاتِ قرآنی، درود شریف اور قطعہ تاریخ وفات لکھا ہوا ہے۔ یہ مقام کسمپرسی کی حالت میں

ہے۔ بہر حال قطعہ تاریخ یہ ہے۔

ہادیٔ سالکانِ راہِ نجات	آں سلیماں دل و خرد آصف
قطب حق شاہ محترم زجہاں	رفت در بزم اولیائے سلف
سال تاریخ رحلتش جستم	گفت طبع سلیم نیک خلف
	۷۹۰ھ

۷۹۰ھ مطابق ۱۳۸۸ء تغلق شاہ ثانی کا عہد ہے۔

سید عبداللطیف نے جو دوسرا قطعہ تاریخ ص ۱۳۳ پر نقل کیا ہے اور اس سے ۱۱۰۲ھ مطابق ۱۶۹۰ء عہد عالمگیر برآمد ہوتا بتایا ہے وہ میں نہیں سمجھ سکا۔

حضرت شاہ فرید نوشاہی قدس سرہٗ

سید فرید نوشاہی صاحب کمال نوشاہی بزرگ تھے۔ پہلے امرائے شاہی میں اعلیٰ منصب پر جاگیردار تھے۔ جاذبِ حقیقی نے اپنی طرف کھینچا اور شیخ پیر محمد سچیار (متوفی ۱۱۵۲ھ) کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے۔ ذکرِ الٰہی نے ایسی لذت بخشی کہ اپنی سب دولت فقیروں کو دے کر فقر اختیار کر لیا۔ خرقہ خلافت پا کر لاہور آئے۔ ہزارہا لوگ ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ اب بھی اس سلسلہ کے مرید لاہور میں بہت ہیں۔

اس بزرگ کا مزار موضع ڈھولنوال کے قریب لاہور سے تین میل جنوب کی طرف ہے۔

نصیر الدین محمد شاہ کے عہد کے یہ بزرگ ہوئے۔ جو ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷۱۹ء سے ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۸ء تک حکمراں رہا۔

سیّد عبد القادِر لاہوری قدس سرہٗ

آپ گیلانی سید جلال الدین بغدادی کے فرزندِ ارجمند تھے۔ اکبر بادشاہ کے عہد میں بسلسلہ سیاحت ہند آئے اور سیر سے سیر ہو کر لاہور میں طرح اقامت ڈالی۔ ان کی بزرگی کا شہرہ سن کر نواب میر کفایت خان نے اپنی بیٹی کا نکاح ان سے کر دیا۔ جس سے تین بیٹے پیدا ہوئے۔ ۱۔ سید حاجی۔ ۲۔ سید سلطان۔ ۳۔ سید غیاث الدین۔ المشہور سید دولت شاہ اول الذکر کے ہاں سید فتح محمد پیدا ہوا۔ اس کا فرزند سید حمید۔ اس کا سید سعید۔ اس کا سید شاہ حسین۔ اس کا سید زندہ علی۔ اس کا بیٹا سید شاہسوار سجادہ نشین مزار شیخ طاہر بندگی اور سید زندہ علی کا پوتا بہادر رین چراغ شاہ (مفتی غلام سرور کے وقت) مُہر کنی کا کام کرتا تھا۔

سید عبد القادر کا مزار مزنگ سے مشرق کی طرف ہے۔

شیخ گھلن شاہ سرمست قادِری قدس سرہٗ

یہ بزرگ شیخ طاہر قادری لاہوری (متوفی ۱۰۴۰ھ مطابق ۱۶۳۰ء عہد شاہجہانی کے مرید مستانے طریق پر رہا کرتے تھے۔ ان کے تین مرید اور تھے۔ ۱۔ ابو محمد قادری۔ ۲۔ سید صوفی۔ ۳۔ شیخ احمد ہوری۔

شیخ گھلن کا مزار موری دروازہ لاہور کے باہر ہے۔

مزارات احاطہ تکیہ انیلی والا موجودہ شہر لاہور

اس احاطہ میں (چشم دید مفتی صاحب مرحوم) چار دیواریں اور تین چبوترے پختہ چونہ گچ موجود ہیں۔ ان پر سید محمد غوث گیلانی اوچی کی اولاد کے مزارات ہیں۔ جن کا ذکر اولیائے قادری کے حالات میں ہو چکا ہے۔

ایک چبوترے پر سید صوفی علی بن سید بدر الدین بن سید اسماعیل کی قبر ہے اور سید عمر اور سید ہاشم اور سید عبد القادر المشہور شاہ گدا کی بھی اسی چبوترے پر قبور ہیں۔ ایک چار دیواری میں مزار سید قاسم بن سید صوفی اور ان کی اولاد کے مزارات ہیں۔ دوسری چار دیواری میں حضرت سید میرن شاہ اور میر میراں اور سید ابوالبرکات سید شاہ آسودہ ہیں۔ اس کے پاس کے چبوترے پر سید اسماعیل کا مزار ہے اور ایک علیحدہ جگہ پیر محمد شاہ گیلانی کا مرقد ہے۔ ان کے فرزند پیر شاہ سردار مفتی صاحب مرحوم کے عہد میں زندہ تھے۔

پیر چراغ شاہ قادری علیہ الرحمۃ

پیر صاحب موصوف ملک دکن سے وارد لاہور بزرگ سید علی گیلانی متوفی ۱۲۸۰ھ کے مرید تھے۔ آپ نے عبادت و ریاضت میں فروغ پایا اور مدت العمر یہاں رہ کر خدا پرستی اور ہدایت و ارشاد میں مصروف رہے۔

پیر و مرید کے مزار روشنائی دروازہ کے باہر ہیں۔ یہ صاحبان انگریزی تسلط کے بعد کے بزرگ ہیں یعنی ان کی ولادت ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۳ء کے لگ بھگ۔

پیر محمد سلطان قادری مرگ نینی قدس سرہٗ

یہ بزرگ بوجہ حسین چشم ہونے کی وجہ سے مرگ نینی (آہو چشم) مشہور ہوئے۔

شجرہ ارادت یہ ہے۔ محمد سلطان مرید سندھی شاہ۔ یہ مرید عاقل شاہ۔ یہ مرید ملا شاہ۔ یہ مرید سلیمان شاہ۔ یہ مرید نور جمال۔ یہ مرید محمد شفیع قادری۔ یہ مرید محمد حیات ولی اور یہ مرید حضرت شاہ قمیص قادری ساڈھوری۔ (متوفی ۹۹۲ھ)

حافظ غلام محمد المشہور امام گاموں قدس سرہٗ

حافظ صاحب موصوف بن محمد صدیق چند پشت سے مسجد وزیر خاں کی امامت پر فائز تھے آپ فاضل اجل اور پر تاثیر واعظ تھے۔ طریقت میں عبد اللہ شاہ قادری بلوچ سے ارادت تھی۔ ان کا حال قادری مشائخ کے حالات میں ملاحظہ کریں۔

حافظ غلام محمد شاعر بھی تھے ان کے عاشقانہ ابیات زبان زد خلق رہے ہیں۔ ان کے بعد امام الدحش پھر حافظ صاحب موصوف امام ہوئے پھر ان کے فرزند امام محمد امام ہوئے۔

حافظ صاحب موصوف نے مغلیہ خاندان کے بادشاہ محمد اکبر ثانی کا زمانہ پایا۔

حضرت پیر ڈھل مجذوب قدس سرہٗ

ڈھل محلہ میں جو اس پیر کے نام سے موسوم ہے۔ پیر موصوف کا مزار ہے مسجد بجن خان تعمیر کردہ ۱۲۵۷ھ مطابق ۱۸۴۱ء اس مزار کے مشرقی جانب ہے ڈھول رائے بہادر

کھیا لال مؤلف تاریخ لاہور (اردو) یہ پیر حضرت قطب العالم عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی لاہوری (متوفی یکم رجب ۹۱۰ھ مطابق ۸ دسمبر ۱۵۰۴ء) کے ارادت مندوں میں سے تھے اور بقول مفتی غلام سرور مرحوم اکبری عہد میں موجود صاحب کشف و کرامت و سکر و جذب تھے۔ بہت سے لوگ ان کی بزرگی کے قائل تھے۔ اب بھی لوگ ان کی بزرگی کے قائل ہیں اور بہت لوگ جمعرات کو مزار پر جا کر فاتحہ کہتے ہیں۔ (حدیقۃ الاولیاء ص ۱۵۸)

شیخ محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ

شیخ موصوف کا مزار قدیم شالامار باغ کی سڑک پر شمال کی طرف۔ سید گھوڑے شاہ کے مزار کے مقابل ہے۔ آپ کے بہت سے مرید لاہور اور امرتسر میں تھے۔ آپ لاہور میں جمادی الاولیٰ ۱۲۸۳ھ مطابق ۲۷ ستمبر ۱۸۶۶ء کو فوت ہوئے۔ مزار زیر گنبد تہ خانہ میں ہے۔ گنبد مریدوں نے آپ کی زندگی میں بنایا تھا۔ اس کے جنوب کی طرف اسی احاطے میں ایک وسیع مسجد صحن دار ہے۔ ساتھ کنواں بھی ہے۔ یہ پرانی مسجد تھی جسے آپ کے مریدوں نے مرمت کیا۔

میاں مونگر مجذوب قدس سرہٗ

میاں مونگر کے حالات عجیب و غریب تھے۔ مفتی غلام سرور صاحب شیخ حاجی محمد کا قول اخبار الاخیار سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم دہلی سے لاہور آئے۔ میاں حسن بودلہ مجذوب (متوفی ۹۶۴ھ) بھی ہمارے ساتھ چلا آیا۔ جب بازار نخاس میں پہنچے تو میاں مونگر بھی آگئے اور حسن کو دیکھ کر کہا۔ تجھے لاہور سے کیا کام ابھی واپس جاؤ۔ چنانچہ وہ اسی

وقت دہلی کو واپس ہوا۔

سال وفات ۹۸۰ھ (مطابق ۱۵۷۳ء عہد جلال الدین اکبر بادشاہ میں)

تاریخ منظوم

جناب شیخ مونگر عاشق مست ۔۔۔ چو در خُلدِ مُعلّیٰ یافت توفیق

چو سال ارتحالش جُست سرور ۔۔۔ عیاں شد از "مُعلّیٰ پیر تحقیق"

۹۸۰ھ

معصوم شاہ مجذوب لاہوری قدس سرہٗ

یہ مجذوب صاحب جذب و استغراق و بے ہوشی و بے خودی جامع خوارق کرامات تھے۔ محلہ سید مٹھا میں ایک پرانی حویلی کے دروازے میں قیام تھا۔ ہر وقت سامنے آگ جلائے رکھتے۔ گھر کی چوبی دہلیز پر بارہ برس آگ جلائی پر بھی وہ جلنے سے محفوظ رہی۔ مفتی صاحب مرحوم اپنے ایک دوست شیخ وہاب الدین کا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک ہندو عورت کسی سے کپڑا کشیدہ نکالنے کے لئے لائی۔ معصوم شاہ کے پاس سے گزری تو آپ نے وہ کپڑا لے کر آگ میں ڈال دیا اور وہ جل کر راکھ ہو گیا۔ وہ مجذوب سے ڈرتی ہوئی کچھ کہہ نہ سکی اور روتی ہوئی چل دی اور محلہ کے مقدم نور محمد سے حال بیان کیا وہ اسے لے کر معصوم شاہ کے پاس آیا اور کہا یا حضرت! یہ عورت بیوہ مزدوری پر کشیدہ کرنے کے لئے کپڑا کسی سے لائی تھی۔ یہ بیگانہ کپڑا آپ نے جلا دیا۔ غریب اُجرت سے بھی محروم ہوئی اور کپڑے کی قیمت بھی بھرنی پڑی۔ اس کے پاس دینے کے لئے دام نہیں۔ آپ نے ناحق اس عاجزہ پر ظلم کیا۔ یہ سن کر معصوم شاہ ہنسے اور راکھ دور کر کے کپڑا نکال دیا جو کشیدہ کیا ہوا تھا۔ اسے حوالہ کر کے کہا۔ مائی! جو کام تم نے کئی روز میں کرنا تھا وہ ہم نے ایک دن میں کر دیا۔

آپ ۱۲۲۱ھ (مطابق ۱۸۰۶ء تخت نشینی محمد اکبر ثانی بادشاہ کے عہد میں) فوت ہوئے مزار لوہاری دروازہ کے باہر ہے۔

تاریخ منظوم

آں شہ کون و مکاں معصوم شاہ　　بود ذاتش طالب و مطلوب عشق
سال وصل او چو جستم از خرد　　گفت اے سرور بگو "مجذوب عشق"
۱۲۲۱ھ

مستقیم شاہ لاہوری فیض پوری مجذوب قُدّس سِرُّہٗ

یہ صاحب حجامت پیشہ تھے ایک صاحب جذب فقیر کو ان کی خواہش پر پانی لا کر پلایا تو ان کی کرم نگاہی سے بے ہوش ہو گئے۔ تین دن کے بعد ہوش آیا تو تارک دنیا ہو کر فیض پور پہنچے اور باقی عمر جذب و مستی میں گزاری اور مظہر کرامات ہوئے۔

ایک کرامت ان کی یہ لکھی ہے کہ فیض پور کے حاکم عطر سنگھ نے شیشم کا ایک بڑا درخت کٹوایا کہ اسے چھکڑے پر لاد کر لاہور لے جائے وہ اتنا بھاری تھا کہ کئی آدمیوں سے نہ لادا جا سکا۔ اتنے میں مستقیم وہاں آ گئے اور کہا ہٹو میں لاد دیتا ہوں چنانچہ تنہا اٹھا کر چھکڑے پر رکھ دیا۔

۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۴ء میں (کہ محمد اکبر ثانی بادشاہ کا عہد تھا) فوت ہو کر اسی موضع فیض پور میں دفن ہوئے۔ فقیری اور بزرگی ذات پر منحصر نہیں۔ جس پر اللہ تعالیٰ کی نظر کرم ہو جائے اس کا بیڑا پار ہو جاتا ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔ ارشاد ربانی ہے۔ ترجمہ آیت قرآنی

خدا نے بنائے شعوب و قبائل　　کہ اک دوسرے کی رہے جان پہچان
مگر نزد حق سب سے بڑھ کر مکرم　　وہ ہے جو بڑا متقی و مسلمان

منظوم تاریخ

زیں جہاں چوں بہ جنت الاعلیٰ　　یافت جاہ مستقیم روشن ولی
بہر تاریخ رحلت آں شاہ　　شد ندا "مستقیم روشن ولی" (سرور)
۱۲۴۰ھ

جلے شاہ مخدوم لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ سرمست جذب و استغراق تھے۔ سر پر بہت بھاری پگڑی رکھتے اور ناقابل فہم الفاظ بولتے۔ حاضر خدمت ہونے والے کی طرف کم ہی متوجہ ہوتے۔ بعض اوقات ان کے دل کا حال برملا بیان کرتے۔ کوئی مکان نہ تھا لاہور کے بازار و کوچہ میں اکثر پھرتے رہتے اسی طرح عمر گزار کر ۱۲۶۵ھ مطابق ۱۸۴۸ء میں جاں حق تسلیم ہو گئے۔

فقیر تاجے شاہ مجذوب لاہوری قُدّس سِرُّہٗ

فقیر مذکور مست و مجذوب تھے۔ کبھی شہر میں کبھی جنگل میں پھرا کرتے۔ زبان سے اکثر مستانہ باتیں سرزد ہوتی تھیں۔ کبھی حاضرین کے فی الضمیر سے بھی اطلاع دے دیا کرتے۔ لاہور کے لوگ ان کے معتقد تھے۔ سکھوں کی سلطنت کی بربادی کا حال پہلے ہی بتا دیا تھا۔ یعنی جس روز رنجیت سنگھ مرا تھا اسی دن کہہ دیا تھا کہ نو برس اور سلطنت رہے گی۔ پھر پنجاب کے مالک فرنگی ہو جائیں گے۔ ان کے متعلق اور بھی تذکرے مشہور ہیں۔

ایک دفعہ ایک شخص نور احمد جس کے اولاد نہ رہتی تھی دعا کے لئے حاضر ہوا۔ فرمایا اب تمہارے گھر بیٹا پیدا ہو گا عمر دراز۔ اس کا نام بوڑا رکھنا۔ چنانچہ وہ پیدا ہوا جو دم تحریر

حدیقۃ الاولیاء تیس برس کا ہے۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مرض الموت میں آپ کو بلایا اور اپنی صحت کے لئے عرض کی۔ آپ نے جواب دیا کہ مرنا سب کو ہے۔ جس طرح تیرا اور میرا باپ مر گیا ہے تو بھی مرنے والا ہے۔ چندن کی لکڑی تیرے جلانے کے لئے لانی چاہئے۔ یہ سن کر وہ ناامید ہوا۔ جب تاج شاہ قلعہ سے نکلے تو رنجیت سنگھ نے (۱۲۵۵ھ مطابق ۱۸۳۹ء) جان دے دی۔ تاج شاہ خود ۱۲۶۱ھ مطابق ۱۸۴۵ء جاں بحق تسلیم ہوئے۔ مزار موچی دروازہ کے باہر سبزی منڈی کے درے مشہور ہیں اور ساتھ مسجد آباد۔ محکمہ اوقاف کے قبضہ کرنے سے واضح ہے کہ زیر مسجد دکانوں کی آمدنی کثیر ہوگی۔

تاریخ منظوم

رفت از دنیا چو در خلد بریں — شیخ تاج شاہ پیر رہنما

مست مجذوب بگو تاریخ او — نیز "عاشق مست کامل رہنما"

۱۲۶۱ھ — ۱۲۶۱ھ

"مست مجذوب" ٹھیک — تاریخ ہے۔ دوسری نہیں (ناقص)

۱۲۶۱ھ

جس سال آپ کی رحلت ہوئی اُسی سال راجہ ہیرا سنگھ کو جلا پنڈت کے ساتھ برلب دریائے راوی سکھی فوج نے قتل کر دیا اور راجہ سوچیت سنگھ بھی قتل ہوا۔ اس سے ایک سال پہلے سردار جیت سنگھ راجہ دھیان سنگھ۔ راجہ شیر سنگھ بن رنجیت سنگھ بھی قتل ہو چکے تھے مر گھسیٹے کی موت بھی اسی سال قتل سے واقع ہوئی۔ مفتی صاحب نے تاریخ کہی۔

جہانِ فانی سے جبکہ پہنچا بدارِ باقی صفا گھسیٹا
تو بعد قتل آو کو برزن میں کیسا رسوا ہوا گھسیٹا
زبہر تاریخ قتل اس کے بہت تجسس جو کی تو آخر
یہ دل سے آئی ندا "گھسیٹا زمین پہ ہے ہے گیا گھسیٹا

اسی سال فقیر عزیز الدین مرحوم فوت ہوئے اور فقیر تاج شاہ کی وفات سے دوسرے سال سردار جواہر سنگھ وزیر کو سکھوں کی فوج نے بلا کر ٹھکانے لگا دیا۔ الغرض اسی طرح آپس میں لڑ کر سکھوں کے راجے اور سردار مارے گئے اور حسب پیشگوئی تاج شاہ انگریز حکمران بن گئے۔ تلک الایام نداولہا بین الناس. قرآنی ارشاد ہے۔ انگریز بھی گئے۔ پاکستان بنا۔

مستان شاہ مجذوب قُدس سِرُّہٗ

آپ اہلِ کمال اور اہلِ حال مست مجذوب تھے۔ تارک دنیا اور مستغنی المزاج۔ دنیا اور اہلِ دنیا سے سروکار نہ تھا۔ اکثر اوقات سر و پا برہنہ لاہور کے بازاروں میں اور کبھی کبھی ویرانوں میں پھرتے رہتے۔ موسم سرما میں موٹا کمبل جسے پنجابی میں بھورا کہتے ہیں اوڑھے رہتے اور کبھی کسی سے سوال نہ کرتے اور آدمی جو کچھ از قسم نقد، خوراک اور پوشاک پیشکش کرتے اس کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھتے۔ جو کوئی چاہتا اٹھا لیتا اور کبھی خود اٹھا کر اسے دے دیتے۔ کمہاروں کے کام کی طرف رغبت تھی۔ اکثر ان کی دکان پر جا کر بہت عمدہ مٹی کے برتن بناتے اور آہستہ آہستہ کچھ بولتے رہتے۔ ایک بات دس دفعہ کہتے مگر لوگوں کی سمجھ سے بالاتر۔ جب بھوک تیز ہوتی تو درختوں کے پتے کھانے لگتے اور کبھی شہنے جو چھوٹے سے جنگلی جانور ہیں پکڑ کر پتوں میں بے نمک پکا کر کھاتے۔

رنجیت سنگھ والئی لاہور اکثر آپ کے پاس آتا اور سینکڑوں روپیہ نذر کرتا اور آپ اس کی طرف کچھ توجہ نہ کرتے بلکہ اسے گالیاں دیتے۔ آپ سے بے اختیار کئی کرامتیں ظاہر ہوتی تھیں۔ چنانچہ ایک دفعہ راقم الحروف (مفتی غلام سرور) نے مزنگ سے جو لاہور کے مضافات میں ہے' لاہور کی طرف آرہا تھا دیکھا کہ مستان شاہ راہ میں ننگے بدن بیٹھے ہیں۔ میں زیارت کے لئے وہاں کھڑا ہو گیا۔ آپ اٹھے اور چاہ پانی والیاں کو جو درگاہی شاہ کے مزار کے

متصل ہے تشریف لے گئے اور مٹی کا برتن جسے پنجابی میں کُنّہ کہتے ہیں نکال کرلے آئے اور چند اینٹیں جمع کر کے چولہا بنا دیا اور کُنّہ کو اس کے اوپر رکھا اور کھیت سے ساگ پالک کے چند پتے لا کر اس میں ڈالے اور شاہ اسماعیل (متوفی ۱۲۴۸ھ) کے مزار کے درخت سے چند خشک خاردار ٹہنیاں لے کر چولہے میں رکھیں اور ہاتھ ہلا کر ہوا دی تو وہ جلنے لگیں اور ہنڈیا پکنے لگی۔ میری طرف دیکھ کر اینٹ اٹھائی اور فرمایا چلا جا کیا دیکھتا ہے میں نے مشاہدہ کیا کہ مستان شاہ نے تمام چیزیں جا بجا سے اکٹھی کیں اور آگ کہیں سے نہیں لائے تھے مگر ہاتھ ہی ہلانے سے آگ جلی اور ہنڈیا پکنے لگی۔

مفتی صاحب بیان کرتے ہیں کہ میرے دوستان مشفق میں سے ایک دوست شیخ وہاب الدین لاہوری کا بیان ہے کہ میں ایک دن شہر سے باہر ایک ٹیلے پر بیٹھا ہوا تھا۔ بھوک لگی ہوئی تھی کوئی چیز کھانے کو دل چاہا کہ اسی اثناء میں مستان شاہ پہنچ گئے۔ میں نے کہا کہ مستان شاہ آئے ہیں ہمیں کچھ کھانے کو دیں گے۔ یہ بات سن کر انہوں نے ہاتھ پشت کی طرف کیا اور گندلی روٹی غیب سے لے کر ہمارے حوالے کی۔ جب ہم نے کھائی تو وہ روغنی تھی۔

یہ بات تحقیقی ہے کہ ایک دفعہ امام شاہ جو رنجیت سنگھ حاکم لاہور کا ملازم تھا کسی وجہ سے امرتسر میں قید کر دیا گیا اور اپنی خلاصی کے لئے ایک فقیر سے دعا کی التجا کی۔ اس نے کہا کہ قبرستان میں شاہ مجذوب سے عرض کرنا چاہئے۔ اس نے اپنا ایک آدمی مستان شاہ کے پاس لاہور بھیجا وہ کچھ کھانا لے کر ان کے پاس گیا اور دل میں امام شاہ کی رہائی کا خیال رکھا۔ مستان شاہ کھانا کھانے لگے اور اس سے فارغ ہو کر دو انگلیوں سے اشارہ کیا اور ہاتھ سے تسلی دی اسی دن امام شاہ کو قید سے رہائی مل گئی اور دو روپیہ یومیہ اس کے لئے مقرر ہوا۔

مستان شاہ ۱۲۷۳ھ مطابق ۱۸۵۶ء میں فوت ہوئے۔ تاریخ منظوم از مفتی صاحب موصوف۔

چو از دنیا بفردوس بریں رفت — شۂ مستان حق دیوانہ عشق
بسالِ ارتحالِ آں شہِ دیں — بگو سرور "ولی مستانہ' عشق"

ایضاً

سفر کرد در جنت دائمی — چو رفت از جہاں آہ مستان شاہ
بتاریخ ترحیل آں مستِ عشق — بخواں "ماہ دیں شاہ مستان شاہ"
۱۲۷۳ھ

نظام شاہ لاہوری مجذوب قدس سرہٗ

یہ مجذوب صاحب جذب شوق و ذوق و سُکر شہر اور جنگل میں گشت کرتے رہتے تھے۔ لوگ ان کے بڑے معتقد تھے۔ لوگ جو روپیہ دیتے اسی وقت حاضرین میں بانٹ دیا کرتے۔ ان کی کرامات بہت مشہور ہیں۔ ایک یہ کہ جس دن مہاراجہ دلیپ سنگھ کے وزیر راجہ ہیرا سنگھ قتل کیا جاتا تھا۔ نظام شاہ علی الصباح محلہ سادھواں کی مسجد میں آئے یہ محلہ میرے دوست (غلام سرور) کے محلے کے پاس ہے اور امام مسجد کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آج عید الاضحیٰ کا دن ہے۔ پرانے بوریے لپیٹ کر نئے بچھا دو۔ لوگ یہ سن کر متعجب ہوئے۔ جب پہر دن چڑھا۔ راجہ ہیرا سنگھ شکار کے بہانے باہر نکلا۔ سکھوں نے اس کا تعاقب کر کے اسے مار ڈالا اور جواہر سنگھ کو وزیر بنایا۔

مفتی صاحب نظام شاہ کی آپ بیتی کرامت بیان کرتے ہیں کہ میں غسل کرنے کے لئے مسجد موراں (اندرون شاہ عالمی دروازہ) میں گیا۔ ہاتھ میں کتاب تھی۔ مولوی غلام اللہ صاحب سے پڑھنے کے لئے' سلام کیا۔ نظام شاہ نماز صبح سے قبل چراغ کی روشنی میں وہیں سبق قاعدہ پڑھ رہے تھے۔ چپکے سے اٹھے اور میری پیٹھ پر سخت تھپڑ مار کر فرمایا کہ کیسے بے ادب ہو کہ جُنب (ناپاک) کی حالت میں مسجد میں آگئے ہو اور استاد کے سامنے کھڑے ہو۔ میں نے توبہ کی اور جا کر غسل کیا۔ نماز پڑھی اور پھر استاد صاحب کی خدمت میں

حاضر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطائی علم غیب کے منکر غور کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو یہ علم ہے۔

نظام شاہ نے وفات سے چند سال پہلے اپنا مکان گورستان میانی میں بنایا اور کاٹھ چوبی جس میں حکام مجرموں کے پاؤں رکھ کر قفل لگا دیتے تھے جس پر غصہ آتا اسے پکڑ کر اس میں جکڑ دیتا اور ایک دو ساعت کے بعد رہا کر دیتا۔ اسی طرح ایک شخص کو جو قوم کا جوگی تھا اور جس نے آپ کا نلکی کورہ توڑ دیا تھا ایک گھڑی کے لئے کاٹھ مار دیا۔ جوگی نے ناراض ہو کر انگریز حاکم ضلع کے پاس جا استغاثہ دائر کیا۔ وہاں سے خدا بخش کوتوال کے نام حکم جاری ہوا کہ مدعا علیہ کو مع کاٹھ حاضر کرو۔ اتوار کو تعطیل تھی۔ کوتوال صاحب جو نظام شاہ کے معتقد تھے اور ان کے پاس گئے اور کہا کہ کل آپ کو عدالت میں حاضر ہونا ہے۔ ہم (ملازم سرکار) اس معاملے میں مجبور ہیں اور معذور۔ یہ سن کر آپ ہنسے اور کہا کہ ہم کو فرنگی کی کچہری میں کون لے جا سکتا ہے۔ پس اس رات قوالوں کو بلا کر بیداری میں کاٹ دی۔ صبح ان کو رخصت کیا اور آپ بستر پر لیٹ گئے اور جان خدائے جاں بخش کے حوالے کر دی۔

جب یہ خبر شہر میں منتشر ہوئی تو ہزاروں لوگ جنازے پر حاضر ہوئے اور جسم بڑی عزت سے سپرد خاک میانی صاحب کیا گیا۔

یہ واقعہ ۱۲۶۹ء مطابق ۱۸۵۲ء کا ہے۔

منظوم تاریخ ؎

عاشق حق نظام شاہ جہاں — چوں برفت از جہاں حق پیوست

سال مجذوب پیر خواں سالش — ہم بداں "عاشق ازل سرمست"

۱۲۶۹ھ

حضرت میراں حسین زنجانی رحمتہ اللہ علیہ

از: سردار علی احمد خاں

سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کے ساتھ ساتھ پنجاب اور متصل علاقہ جات میں اولیاء اللہ کے مبارک ہاتھوں روحانی تسخیر کی داغ بیل پڑی۔ اس دور مسعود میں لاہور کو جن چار اولیاء اللہ نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے شرف بخشا اور یہاں رشد و ہدایت کی ازلی و ابدی شمع روشن کی ان میں حضرت سید حسین زنجانی۔ سید یعقوب زنجانی المعروف بہ صدر دیوان جو آپ کے ایک قرابت دار' ہمعصر و ہمسفر بھی تھے اور حضرت سید اسماعیل بخاری محدث (مزار ہال روڈ لاہور) نیز حضرت سید علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش لاہوری بہت معروف ہیں۔

افسوس کہ حضرت سید حسین زنجانی کے تفصیلی سوانحی حالات' آپ کی تبلیغی سرگرمیاں اور آپ کے روحانی کمالات کا ذکر بہت ہی کم بلکہ برائے نام ہی ملتا ہے اور ایک عجیب بات یہ ہے کہ حضرت داتا گنج بخش نے اپنے ہمعصروں کے ذکر میں آپ کا تذکرہ تک نہیں کیا' اگرچہ عام طور سے مشہور چلا آرہا ہے کہ خانوادہ جنیدیہ کے ان دونوں بزرگوں کا سلسلہ ارادت و بیعت ایک ہی مُرشد سے تھا اور یہ کہ اس بنا پر یہ دونوں پیر بھائی تھے۔

قدیم ترین دستاویز جس میں آپ کا اجمالی ذکر ملتا ہے وہ فوائد الفواد ہے۔ اس میں سید حسین زنجانی کو حضرت داتا گنج بخش کا پیش رو پیر بھائی کہا گیا ہے اور لکھا ہے کہ مذکورہ صدر دونوں بزرگوں کے مُرشد اپنے وقت کے قطب تھے۔

میراں سید حسین زنجانی کافی عرصہ سے لاہور میں اقامت گزین تھے۔ تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ شیخ علی بن عثمان ہجویری کو مُرشد نے ارشاد کیا کہ لاہور چلے جاؤ۔ اس پر شیخ ہجویری نے عرض کیا کہ وہاں تو سید حسین زنجانی موجود ہیں۔ (اور خدمت دین متین سر انجام دے رہے ہیں) اپنے پیر و مُرشد کا حکم بجا لاتے ہوئے جب شیخ ہجویری لاہور پہنچے تو

رات کا وقت تھا صبح ہوئی (تو آپ کو حضرت حسین زنجانی کی وفات کا علم ہوا) آپ نے ان کا جنازہ جاتا دیکھا اور آخری رسوم تدفین میں شریک ہوئے۔

فوائد الفواد کے بعد جن مشہور کتب میں میراں حسین زنجانی کا ذکر ملتا ہے ان میں آئینِ اکبری بھی ہے۔ اس کے بعد کے تذکروں میں حضرت زنجانی کی خواجہ معین الدین چشتی اجمیری سے ملاقات کا ذکر بھی ملتا ہے جو صحیح نہیں۔ آپ کا سنِ وفات بعض تذکروں میں ۶۰۰ھ اور تحقیقاتِ چشتی میں ۶۰۴ھ لکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے میراں حسین زنجانی اور سید یعقوب زنجانی صدر دیوان کو حقیقی بھائی لکھ دیا ہے جو تاریخی اعتبار سے صحیح نہیں۔

گمان غالب ہے کہ میراں حسین زنجانی ۵۵۵ھ میں بمعیت سید یعقوب زنجانی وارد لاہور ہوئے۔ آپ کا قیام یہاں ۴۲ یا ۳۶ برس رہا۔ مآثر لاہور میں محمد دین فوق مرحوم نے تحریر کیا ہے کہ اس طویل عرصہ میں ہزاروں غیر مسلم میراں صاحب زنجانی کے کلمۂ توحید کے نیچے آئے اور ہزارہا تشنگانِ مے جامِ توحید سے سرشار ہوئے لیکن یہ قدرے مبالغہ آمیز بیان معلوم ہوتا ہے اور اس کا کوئی حوالہ یا تاریخی اشتہار فوق صاحب نے نہیں دیئے۔

سید محمد لطیف لاہوری نے اپنی تصنیف ہسٹری آف لاہور میں حضرت میراں سید حسین زنجانی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

لیکن یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ میراں سید حسین زنجانی نام کے ایک عظیم بزرگ گزرے ہیں۔ داتا گنج بخش سے پہلے لاہور میں تشریف لا کر ہدایتِ خلق کے کام کی داغ بیل ڈالی اور یہ کہ آپ کی جائے مدفن میراں دی کھوئی ہے۔

آپ کا مزار شریف مرجع خلائق اور حاجت روائے خلق ہے۔ آپ کا عرس ہر سال بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔

میر عبدالعزیز زنجانی نے جو قصیدہ شہر لاہور کی صفت میں موزوں کیا۔ اس میں سید حسین زنجانی کے مزار شریف کے بارے میں یہ شعر کہا۔

بدرگاہِ شہنشاہ حسین شاہ زنجاں رو کہ اسرارِ الٰہی در مزارِ او عیاں بینی

حضرت شیخ ہندی رحمتہ اللہ علیہ

از: صاحبزادہ میاں محمد سلیم حماد

حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی ذاتِ والا صفات کے فیض سے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے والا یہ پہلا ہندو راجپوت (رائے راجو) یہ کوئی معمولی غیر مسلم نہ تھا۔ بلکہ لاہور کی غیر مسلم راجدھانی کی ایک اہم سیاسی و مذہبی شخصیت تھی علم نجوم اور ریاضی میں کمال حاصل تھا اور دیگر عُلُوم میں بھی گہرا مطالعہ تھا۔ جب لاہور میں غزنوی مسلم حکومت قائم ہوئی تو اس میں بھی وہ اہم انتظامی عہدے پر فائز رہا۔ بالآخر حق کی تلاش میں سرگرداں ہوا اور راج پاٹ گھربار چھوڑ کر جوگ اختیار کی اور استدراج کے مقام پر پہنچا۔

جب حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کا لاہور میں وُرودِ مسعود ہوا تو اس وقت جوگی رائے راجو کا لاہور اور اس کے قرب وجوار میں بے پناہ شہرہ تھا اور بہت زیادہ مال ومتاع نذر کیا جاتا تھا۔ حضرت داتا صاحب جیسے مبلغِ اسلام، فقیر درویش اور صوفی کامل کا فیض جاری ہوا تو حق کے سامنے باطل آ کھڑا ہوا۔ جوگی رائے راجو کرادسفلی عملیات میں ریاضت کے باعث استدراج کے مقام پر تھا۔

حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے لطف وکرم سے اللہ تعالیٰ نے جوگی رائے راجو کو توفیق توبہ عطا فرمائی اور حضرت کی ایک ہی نگاہِ التفات نے اس کے ظاہر وباطن میں انقلاب برپا کر دیا اور تشنہ روح کو نورِ اسلام سے سیراب کر دیا۔ اور وہ آپ ہی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوا۔ حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے رائے راجو کا اسلامی نام

"عبداللہ" رکھا اور "شیخ ہندی" کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ بعد میں یہی خطاب اصل نام پر غالب آ گیا اور آپ اسی نام سے جانے پہچانے جانے لگے۔ حضرت شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قُرب میں ایک خاص مقام عطا فرمایا۔ آپ کا مقام صرف خانقاہ کے ایک عام درویش کا نہ تھا بلکہ آپ کو حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز، منظورِ نظر، محرمِ راز اور ہمدم و دمساز کا اختصاص حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر حضرت شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ کو ہی ان کی جانشینی کا اہل سمجھا گیا اور آج تک آپ کی اولاد خانقاہ کی سجادہ نشین چلی آ رہی ہے۔ اپنے مُرشدِ کامل کے واصل حق ہو جانے کے بعد ان کے مقدس مشن یعنی تبلیغِ اسلام کو جاری رکھا۔ بے شمار غیر مسلموں کو مسلمان کیا اور قسم قسم کے خداؤں کی جائے ایک ہی معبودِ حقیقی کا پیغامِ توحید عام کیا۔ آپ نے تقریباً ۱۲۰ سال عمر پائی۔ آپ کا مزار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مرقدِ منور کے مغربی جانب گنبد کے باہر حصہ خواتین میں واقع ہے۔ ہر سال آپ کا عرس مبارک ۸ ربیع الاول کو منعقد ہوتا ہے۔

خواتین صالحات کا ذکر جو لاہور میں گزر چکی ہیں

بی بی ہاج (حاج) بی بی تاج،
بی بی حور، بی بی نور،
بی بی گوہر، بی بی شہباز

نوٹ: یہ حالات کتاب خزینۃ الاصفیاء سے منقول ہیں جو ۱۲۸۰ھ کی تالیف ہے مؤلف کو جو صحیح حالات معلوم ہوئے وہ انہوں نے اپنی دوسری کتاب حدیقۃ الاولیاء تالیف ۱۲۹۲ھ میں بیان کر دیئے۔ بہر حال جو کچھ کتاب اول الذکر میں مرقوم ہے وہ حسب ذیل ہے۔

مشہور بات یہ ہے کہ یہ بیبیاں حضرت عقیل بن علی کرم اللہ وجہہ کی بیٹیاں ہیں (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کسی بیٹے کا نام عقیل نہ تھا۔ ہاں بھائی کا نام ہے۔ تاؔئی) یہ تجرید و تفرید میں یگانہ وقت تھیں اور زہد و تقویٰ میں فرد صیام دوام رکھتیں اور کبھی مہینے کے بعد اور کبھی پندرہ روز بعد طعام کھاتیں۔ جب واقعہ کربلا امام حسین المجتبیٰ کو در پیش ہوا تو یہ شام میں تھیں (جہاں یزید کا دار الخلافہ تھا۔ تاؔئی) آپ یہ واقعہ سن کر کربلا کو آئیں۔ مگر واقعہ ہو چکا تھا یعنی سید الشہداء شہید ہو چکے تھے۔ حیران کار ہوئیں کہ اب کدھر جائیں آخر ایمائے غیب سے ہندوستان کو روانہ ہوئیں۔ رسالہ تحفۃ الواصلین میں لکھا ہے کہ یہ حضرات عالم طیر تھیں (یعنی اڑنے کی کرامت۔ تاؔئی) اپنے اصحاب اور خدام کے ساتھ ہندوستان پہنچ کر لاہور آئیں اور جہاں ان کے اب مزارات ہیں وہاں فروکش ہوئیں اور کچھ عرصہ وہاں رہیں۔ ان کی پاکیزہ انفاس کی برکت سے بہت سی خلقت مشرف باسلام اور مرید ہوئی۔ جب لاہور کے حاکم کو اس کی خبر ہوئی تو وہ بہت آشفتہ ہوا اور ان کی خدمت میں بیٹے کو بھیجا کہ میرے ملک سے چلی جائیں مگر وہ لڑکا حاضر خدمت ہو کر مرید اور وہیں کا ہو گیا۔ باپ کے پاس لوٹ کر نہ گیا۔ حاکم اس سے سخت غضبناک ہوا اور جنگ کے ارادہ سے فوج لے کر پہنچا۔

جب ان بیبیوں نے یہ بات سنی تو دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے کہ یا اللہ ہمیں اس امر سے محفوظ رکھ کہ نامحرم مردوں کو دیکھیں اور زمین کو حکم دے کہ ہمیں چھپا لے اسی وقت زمین جا بجا سے رب العالمین کے حکم سے پھٹی اور حضرات معصومہ اس میں جا گئیں اور ان کے شاگرد اور غلام جو ہمراہ تھے راجہ نے شہید کر دیئے اور راجہ اپنے بیٹے کو ساتھ لے گیا۔ مگر وہ ارادت مند ہو کر وہیں پہنچا اور زندگی بھر ان کے مزارات کا مجاور رہا۔ چنانچہ اب تک مجاور اپنے آپ کو راجہ کے بیٹے کی اولاد ظاہر کرتے ہیں۔ اس کی ارادت کے بعد بی بی (حاج) نے اس کا نام جمال رکھا تھا اور تحفۃ الواصلین میں یہ بھی مذکور ہے کہ نجومیوں میں سے ایک شخص جو اپنے وقت میں لاثانی تھا حضرت بی بی کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعویٰ کیا کہ میں علم غیب جانتا ہوں اور گزری ہوئی باتوں اور ہونے والے امور سے باخبر ہوں۔ چنانچہ بی بی صاحب کے خادموں سے جھگڑا شروع کیا۔ جب آپ نے یہ خبر سنی تو کھانا تیار کیا اور مسافروں اور مسکینوں کو بلایا اور یوں مجلس منعقد کی۔ ہر ایک کے سامنے قسم قسم کے لذیذ کھانے رکھے اور نجومی کے آگے طعام کا ایک طبق رکھوایا جس کے نیچے عمدہ کھانا تھا۔ اس کے اوپر خشک روٹی۔ روٹی کے اُوپر کھچڑی خام اور خشک تھی اس سے معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اس کھچڑی کے نیچے پکا ہوا کھانا بھی ہے اور لوگ کھانے میں مصروف ہو گئے اور نجومی ناپختہ کھانا دیکھ کر حیران ہوا اور کہا کہ مجھے بھی پکا ہوا کھانا دو۔ بی بی نے فرمایا کہ خشک کھچڑی طبق سے الگ کر دو اور جو طعام نیچے ہے اسے کھاؤ اور کہو کہ جب تجھے اتنا معلوم نہیں کہ کھچڑی کے نیچے کیا ہے تو غیب دانی کا دعویٰ نہ کر کہ یہ خاصۂ خدا ہے اور وہ اپنے خاص بندوں کو عطا کرتا ہے۔ نجومی شرمندہ ہوا۔

الغرض ان حضرات کی قدامت میں کوئی شک نہیں اور ثابت ہے کہ یہ حضرات پاکدامنان متقدمین میں سے ہیں۔ چنانچہ تحفۃ الواصلین میں یہ مرقوم ہے کہ مخدوم علی گنج بخش ہجویری لاہور تشریف لا کر لاہور سے باہر متوطن ہوئے تو ہر ہفتے حضرات پاکدامن کے مزارات پر تشریف لاتے تو بہت دور بیٹھ کر متوجہ ہوتے اور لحاظ اور ادب کی وجہ سے نزدیک نہ جاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کے مزار آپ کی تشریف آوری سے پہلے یہاں

موجود تھے۔ مفتی صاحب غلام سرور یہ لکھ کر فرماتے ہیں کہ یہ بات اور کسی اہل تصنیف نے قبل ازیں تحریر نہیں کی کہ یہ حضرات فلاں خاندان سے ہیں اور کس سال اور کس سن کس جگہ سے لاہور تشریف لائیں اور کس مہینے اور کس سال واصل حق ہوئیں۔ ہاں بزرگی' سیادت اور ولایت ان حضرات کی تحفۂ احمدیہ اور تذکرہ قطب العالم (تالیف شیخ ابوبکر جمال الدین برادر وخلیفہ حضرت عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی لاہوری علیہ اللہ تعالیٰ) وغیرہ سے واضح ہے کہ بہت سے اولیاء کبار نے اس دربارِ عالی سے فیضِ باطن حاصل کیا ہے اور تاحال فیضِ عام جاری ہے۔ سینکڑوں اہلِ حاجت ومراد یہاں حاضر ہو کر اپنے مقصد حاصل کرتے اور مراد کو پہنچتے ہیں اور بی بی علیصاں المشہور بی بی تنوری ان حضرات کی خادمہ اور فیض یافتہ تھی۔ اس کا مزار بھی اس خانقاہ کے احاطہ میں ہے۔

نوٹ:- میں دوسری جگہ حضرت سید احمد توختہ ترمذی رحمتہ اللہ علیہ کے حالات میں ثابت کر چکا ہوں کہ یہ بیبیاں انہیں کی صاحبزادیاں تھیں اور تاتاریوں کے حملے کے وقت اللہ سے دعا کر کے نامحرموں کی دستبرد سے محفوظ اور زیرِ زمین پردہ پوش ہوئیں۔

حضرت عقیل اور حضرت علی اور حضرت جعفر طیار کی بیٹیوں کے یہ نام نہ تھے اور نہ ہی اس وقت کسی اور قریشی سید کی بیٹیاں ان ناموں سے موسوم تھیں اور گوہر شاہباز تو عربی زبان کے لفظ ہی نہیں۔ ان پاکدامن بیبیوں کے نسب کے متعلق کیسی غلط باتیں مشہور اور داخلِ کتب ہو گئی ہے۔ (نائی تریا پاکستان ۲۲ اپریل ۱۹۶۱ء)

بی بی فاطمہ سیدہ گیلانی قدس سرہا

آپ حضرت میراں محمد شاہ موج دریا بخاری لاہوری کی زوجہ محترمہ اور سید صفی الدین (فرزند حضرت میراں) کی والدہ اور سادات گیلانی کی اولاد سے ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار سید عبدالقادر ثالث بن سید عبدالوہاب بن سید محمد بالا پیر گیلانی ہیں۔ آپ بڑی بزرگ عابدہ' زاہدہ اور متقیہ تھیں۔ آباؤ اجداد سے کرامت و شرافت میراث میں پائی تھی اور بی بی کلاں کے خطاب سے مخاطب تھیں۔

کرامت :- بی بی فاطمہ موصوفہ ایک دن اپنے دولت خانہ میں تشریف فرما تھیں کہ کسی سبب سے چادر مبارک مشکوک ہو گئی۔ اپنے ہاتھ سے اسے دھویا اور دھوپ میں ڈالنا چاہا کہ سوکھ جائے۔ نمازِ عصر کا وقت تھا اور صرف گھر کے بیری کے درخت کی چوٹی پر دھوپ تھی۔ آپ اس درخت کے پاس ضرورتاً تشریف لے گئیں اور فرمایا اے درخت مجھے چادر تجھ پر ڈالنا ہے اگر تو نیچا ہو جائے تو کام بن جائے۔ چنانچہ وہ اسی وقت پست ہو گیا اور جب بی بی صاحب نے چادر اس پر ڈال دی تو وہ پھر اونچا ہو گیا۔ حضرت موج دریا نے گھر کے صحن سے دیکھا کہ بی بی کی چادر درخت کے اوپر پڑی ہے تو انہیں شک گزرا کہ بی بی نے درخت پر چڑھ کر یہ کام کیا ہے۔ چنانچہ اسی وقت گھر کے اندر آئے اور غصے سے ہمکلام ہوئے۔ حضرت بی بی نے قسم کھا کر بتایا کہ میں درخت پر نہیں چڑھی بلکہ درخت نے سر نیچا کر کے چادر لی۔ شوہر نامدار نے کہا کہ اگر یہ حقیقت ہے تو اسی طرح درخت سے چادر اتارو۔ چنانچہ بی بی صاحب پھر درخت کے پاس تشریف لے گئیں اور فرمایا کہ میں چاہتی ہوں کہ اپنی چادر تجھ سے واپس لوں سر جھکا لے یہ سنتے ہی درخت جھک گیا اور بی بی صاحب نے چادر لے لی۔ حضرت موج دریا بخاری نے یہ کرامت دیکھ کر دریافت کیا کہ یہ رتبہ کس سے پایا۔ فرمایا یہ ہماری موروثی دولت ہے۔

سیدہ محترمہ کی وفات ۱۰۱۶ھ مطابق ۱۶۰۷ء میں واقع ہوئی۔ مزارِ پُر انوار لاہور میں موج دریا بخاری کے روضہ عالیہ میں ہے۔

تاریخ منظومہ سروری

شد ز دنیا چوں جنابِ فاطمہ — سرمۂ چشمِ جہاں شد خاکِ او
غوثِ اعظم بود جدِ آں جناب — "اعطے" آمد وصالِ پاکِ او

۱۰۱۶ھ

مشہور بزرگانِ لاہور
کے
عرسوں کی تاریخیں

اِس رسالے کو حضرت پیر غلام دستگیر نامی مرحوم نے ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء میں مُرتب کیا تھا اور انجمنِ تحفظِ اوقافِ اِسلامیہ پنجاب لاہور کی جانب سے شائع ہوا تھا۔ چونکہ اس رسالے کا موضوع اس کتاب سے خاص تعلق رکھتا ہے اس لئے اِسے شاملِ کتاب ہٰذا کیا جا رہا ہے۔

(ناشر)

اسمائے مبارکہ	خانقاہ / تاریخ عرس / سجادہ نشین و متولی حضرات
میر محمد یعقوب	متصل برادر فورٹ ۳ / محرم / سید مبارک علی شاہ صاحب رئیس مزنگ
شیخ ابو اسحاق	جانب شمال مزنگ ہسپتال ۵ / محرم ۹۸۵ھ / امیر شاہ صاحب تکین متصل روضہ
حضرت شیخ طاہر بندگی فاروقی	میانی صاحب مزنگ ۱۷ / محرم ۱۰۴۰ھ / امیر شاہ صاحب تکین متصل روضہ
مولوی نظام الدین چشتی المشہور پیر موہجہ	گڑھی شاہو میو روڈ ۱۰ / صفر ۱۱۱۷ھ / مولوی مسعود علی چشتی احاطہ تھانیدار مصری شاہ
حضرت شیخ موسیٰ آہنگر خلیفہ حضرت عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی	سبز گنبد قلعہ گوجر سنگھ ۱۸ / صفر ۹۹۲ھ مستری فیض محمد موچی دروازہ لاہور
حضرت علی ہجویری المشہور داتا گنج بخش	بیرون بھاٹی دروازہ لاہور ۱۹-۲۰ / صفر ۴۶۵ھ / محمد حیات غلام رسول میاں غیاث الدین، محمد امین، عطا محمد، محمد صدیق شیخ بدھا وغیرہ،
مخدوم شیخ سادھا المشہور شیخ شا دھولی	محلہ کھاری کھوہی واقع بازار حکیماں ۲۸-۳۰ / صفر / اہل بازار حکیماں
نورالدین جہانگیر شہنشاہ ہند	موضع شاہدرہ ۲۸ / صفر ۱۰۳۷ھ / میاں مراد دین۔
حضرت شاہ میر فاروقی المعروف میاں میر	گڑھی شاہو کے آگے بڑی نہر کے پاس ۷ / ربیع الاول ۱۰۴۵ھ مخدوم پیر سید علی شاہ صاحب نمبردار میاں میر
مسکین شاہ مرید حضرت میاں میر	لاہور چھاؤنی ۹ / ربیع الاول / حیدر شاہ ماتحت سجادہ نشین میاں میر

اسمائے مبارکہ	خانقاہ / تاریخ عرس / سجادہ نشین و متولی حضرات
حضرت عزیز الدین المشہور پیر مکی	بیرون بھاٹی دروازہ راوی روڈ لاہور ۱۰-۱۱ / ربیع الاول ۶۱۲ھ صوفی اللہ دتہ خاں صاحب تکین درگاہ
حاجی شاہ عبداللہ بخاری	تھانہ مبی لاہور ۱۲ / ربیع الاول / بوٹے شاہ تکین
حضرت رکن الدین المشہور سرربانی	مزنگ فین روڈ ۱۲ / ربیع الاول / میاں محمد شریف سیکرٹری
چلہ شاہ بدر دیوان چشتی	متصل درگاہ حضرت ایشاں ۱۲ / ربیع الاول ۱۰۱۸ھ محمد حیات ولد فضل الدین
شیخ خیر الدین المشہور شاہ ابو المعالی	متصل قلعہ گوجر سنگھ ۱۶ / ربیع الاول ۱۰۲۴ھ
شاہ کلکھ	میوہ منڈی لاہور ۱۹ / ربیع الاول / سائیں چمن الدین قصبی گر اندرون شاہ عالم
حضرت شاہ محمد غوث قادری	مابین دہلی و اکبری دروازہ لاہور ۱۷ / ربیع الثانی ۱۱۵۲ھ
حضرت شاہ جمال الدین سہروردی	متصل اچھرہ ۳ / ربیع الثانی ۱۰۱۳ھ / شیخ اقبال علی صاحب چونے منڈی
حضرت قادر پیر	۱۱-۱۲ / ربیع الثانی / پیر محمد امین صاحب گلی خانہ رنگ محل لاہور
حضرت ترت مراد شاہ	لارنس گارڈن ۱۴ / ربیع الثانی / ایماء توکلی شاہ عقب تھانہ مزنگ لاہور
حضرت محمد شاہ سہروردی المشہور موج دریا بخاری	متصل پرانی انار کلی لاہور / ۱۶-۱۷ / ربیع الثانی ۱۰۱۴ھ سردار علی شاہ صاحب تکین متصل روضہ
حضرت عبدالرزاق المشہور شاہ چراغ	بڑا ڈاکخانہ متصل ہائی کورٹ / محمد ضیاء الدین صاحب گیلانی سلطان پورہ

حضرت جان محمد حضوری	متصل گڑھی شاہو ۷ ربیع الثانی ۱۰۶۴ھ سید بہادر شاہ صاحب
حضرت حامد قادری سہروردی	ویسٹ مین روڈ مغلپورہ ۷ جمادی الآخر ۱۰۲۶ھ محمد جمال دین صدیقی
حضرت پیر عبدالغفار	میانی صاحب ۷ جمادی الآخر ۱۰۳۴ھ / پیر محمد اشرف تکیہ سادھواں
شاہ عنایت (پیر بلھے شاہ)	جانب غرب چڑیا گھر ۷ ۲ جمادی الآخر ۱۱۴۱ھ / میاں سراج دین اندرون بھاٹی دروازہ لاہور
حضرت عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی	میکلوڈ روڈ یکم رجب ۹۱۰ھ / پیر محمد افضل شاہ صاحب
شیخ محمد اسحاق گازرونی عرف میراں شاہ	در مسجد وزیر خاں ۴ رجب ۸۹۷ھ خاں صاحب عبدالعزیز
حضرت ڈورے شاہ چشتی	سڑک گھوڑے شاہ ۱۴ / رجب ۱۰۵۰ھ / مولوی عبدالرحمن صاحب چشتی
خواجہ خاوند محمود نقشبندی المشہور حضرت ایشاں	گلابی باغ کے پیچھے ۱۲ شعبان ۱۰۵۲ھ میاں عبدالرشید صاحب ساکن درگاہ
شیخ پیر حسن ولی سہروردی المشہور حسو تیلی	ایسٹ روڈ ۲ / شوال ۱۰۱۲ھ / انجمن پیر حسن شاہ
حضرت شیر علی شاہ المشہور جگی قاضیاں	منٹو پارک۔ قلعہ بادامی باغ ۱۷ / شوال ۱۲ھ مولوی ظفر الدین صدیقی
حضرت محمد اسماعیل المشہور میاں وڈہ	شالامار باغ سے جنوب کی طرف ایک میل ۲۴ / شوال ۱۰۵۸ھ محمد نذیر احمد صاحب
سید ابو تراب المعروف شاہ گدا حسینی	میو روڈ ۱۴ / شوال ۱۰۷۱ھ / میاں احمد علی صاحب وغیرہ
پیر بہاؤالدین المشہور گھوڑے شاہ	شالامار کی قدیم سڑک پر ۱۰۰۳ھ
شیخ ایاز	متصل رنگ محل ۴۳۴ھ خلیفہ فضل حسین صاحب
حضرت سید حسین زنجانی جنیدی	کھوئی میراں صاحب ۴۰۰ھ شیخ احمد علی شاہ ایڈوکیٹ
حضرت سید احمد توختہ ترمذی	محلہ چلہ بی بیاں ۶۰۲ھ / غلام دستگیر ناجی
سید یعقوب صدر دیوان زنجانی	متصل زنانہ ہسپتال بیرون شاہ عالمی لاہور / رجب المرجب ۴۰۲ھ شیخ احمد علی شاہ ایڈوکیٹ
حضرت ابوالغفار سید مٹھا	بازار سید مٹھا لاہور ۶۶۱ھ
حضرت پیر سید محمد معصوم شاہ گیلانی	چک سادہ شریف ضلع گجرات ۲۸ / شوال صاحبزادہ سید محمد حسن گیلانی معصوم منزل قادری سٹریٹ اسلام گنج لاہور

ختم پر پڑھنے کی دعا

خدایا طفیلِ محمد رسول
ہماری دعاؤں کو کر لے قبول

طفیلِ ابوبکر یارِ نبی
کہ ہیں مُقتدی جن کے سارے ولی

عمر اور عثماں کے یارب طفیل
علی شاہ مرداں کے یارب طفیل

ہمیں صدق دے اور سطوت بھی دے
حیا دے غنا دے شجاعت بھی دے

نبی کے جو ہیں اہلِ بیتِ کرام
طفیل اُن کے دے عزت و احترام

جو داتا ہیں لاہور کے گنج بخش
طفیل اُن کے یارب مجھے گنج بخش

طفیل اُن کے جو اپنے قادر ہیں پیر
خدایا ہمارا ہو تو دستگیر

وہ گی جو ہیں اولیا کے عزیز
طفیل اُن کے دے خیر و شر میں تمیز

جو ہیں سید احمد شہ توختہ
طفیل اُن کے عصیاں ہوں سب سوختہ

خدایا جو ہیں تیرے عبدُالجلیل
طفیل اُن کے ہر کام میں ہو کفیل

جو موسیٰ ہیں سادھا ہیں اور ہیں چراغ
طفیل اُن کے ہو دور عصیاں کا داغ

خداوند گارا طفیلِ جمال
عطا کر ہمیں فضل و رُعب و جلال

طفیلِ محمد شہِ موج خیر
ہر اک دشمنِ دیں کو کر سنگ ریز

طفیلِ میاں میر علی مقام
رضا اپنی میں رکھ ہمیں صبح و شام

جو طاہر ہیں اور ابوالمعالی ہیں پیر
طفیل اُن کے کر ہم کو روشن ضمیر

جو محمود حضرت ہیں ایشاں لقب
طفیل اُن کے کر دور رنج و تعب

طفیلِ میاں وڈا اے کبریا
ہمیں پاک قُرآں کا حافظ بنا

جو شاہ محمد ہیں غوث زماں
طفیل اُن کے دے ہم کو امن و اماں

ہیں جان محمد حضُوری جو پیر
طفیل اُن کے اللہ تو ہو ظہیر

طفیل اپنے اُس عبدِ غفار کے
خطائیں ہماری خدا بخش دے

خدایا طفیلِ بزرگانِ دین
تیرا فضل ہر کام میں ہو معین

مسلماں کو عز و اقبال دے
غلامی کی سر سے بلا ٹال دے

ہمیں نیک اعمال کا شوق ہو
تیرے ذکر کا شغل اور ذوق ہو

محمد (ﷺ) محمد (ﷺ) ہو وردِ زباں!
اسی نام سے پائیں ہم روح جاں

اسی نام سے ہم کو ہمت ملے
شجاعت ملے اور حکومت ملے

اسی نام سے سب ہوں شب زندہ دار
اسی سے ملے ہم کو عز و وقار

اسی نام سے پائیں نصر و ظفر
مسخر اسی سے ہوں بحر اور بر

اسی نام سے قبر اور حشر میں
ہوں آسان گنہگار کی مشکلیں

محمد (ﷺ) ہی کے نام پہ ہم جئیں
محمد (ﷺ) ہی کے نام پہ ہم مریں

اسی نام سے ہو ہماری حیات
اسی پہ ہو اپنا مدارِ نجات

محمد (ﷺ) محمد (ﷺ) محمد (ﷺ) کہیں
محمد (ﷺ) محمد (ﷺ) محمد (ﷺ) سنیں!

دعا ختم ہو جو بنامِ رسول
تو ناؔمی نہ کیوں پائے عز و قبول

(غلام دستگیر ناؔمی)

شہد کا طشت

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ہاں تشریف فرما تھے۔

اصحابِ ثلاثہ بھی حاضر خدمت نبویہ تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ایک صاف و روشن طشت میں نہایت اعلیٰ درجہ کا شہد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا۔ شہد میں ایک بال بھی تھا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بال دیکھ کر ارشاد فرمایا یہ طشت 'شہد' اور اس میں نظر آنے والا بال اَسرار و معارف کے آئینہ دار ہیں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ اَسرار و معارف کیا ہیں؟

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا

مومن کا دل اس طشت سے زیادہ درخشاں ہے۔ اس کا ایمان شہد سے زیادہ شیریں ہے اور اس ایمان کو آخر دم تک سلامت لے جانا' بال سے بھی زیادہ باریک کام ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا

بادشاہت اس طشت سے زیادہ روشن ہے۔ حکمرانی شہد سے زیادہ میٹھی ہے اور عدل و انصاف بال سے زیادہ باریک ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا

علم دین اس طشت سے زیادہ روشن ہے۔ اس کا پڑھنا شہد سے بھی شیریں ہے۔ مگر اس پر عمل بال سے زیادہ باریک معاملہ ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا

مہمان طشت سے زیادہ روشن ہے۔ مہمان کی خدمت شہد سے زیادہ لذت رکھتی ہے مگر مہمان کی خوشنودی اور دل نوازی کا حصول بال سے بھی زیادہ باریک تر ہے۔

حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

بیٹی فاطمہ تم نے کچھ نہیں کہا؟

سیدہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا

یا رسول اللہ! عورت کی حیاء اس طشت سے زیادہ روشن ہے۔ اس کے چہرے پر نقاب اور چادر شہد سے بڑھ کر شیریں ہے اور نگاہِ نامحرم سے بچنا بال سے باریک تر ہے۔

پھر سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

معرفت الٰہی اس طشت سے زیادہ منور ہے۔ معرفت سے آگہی شہد سے

زیادہ شیریں ہے اور اسے اپنے دل میں رکھنا بال سے باریک تر ہے۔

پھر حضرت جبریل امین حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! راہ خدا اس طشت سے بڑھ کر منور ہے۔ اس پر چلنا اس شہد سے زیادہ لذت بخش ہے اور اس پر دمِ آخر تک قائم رکھنا بال سے باریک تر ہے۔ پھر حضور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی۔

ارشاد ہوا

بہشت اس طشت سے زیادہ صاف و روشن ہے۔ جنت کی نعمتیں شہد سے بڑھ کر شیریں اور جنت کو جانے والا راستہ بال سے باریک تر ہے۔

(کنز المعارف - علامہ قسطلانی علیہ الرحمۃ)

تقبل مدینہ ۷۸۶ ۹۲

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ

سُنّت کی بہاریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ

تبلیغِ قرآن و سُنّت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک "دعوتِ اسلامی" کے مہکے مہکے مدنی ماحول میں بکثرت سُنّتیں سیکھی اور سکھائی جاتی ہیں۔ آپ بھی "دعوتِ اسلامی" کے مُشکبار مدنی ماحول سے ہر دم وابستہ رہیئے! اپنے شہر کے ہفتہ وار سُنّتوں بھرے اجتماع میں پابندیٔ وقت کے ساتھ شرکت فرما کر خوب خوب سُنّتوں کی بہاریں لُوٹیئے۔ کراچی میں سُنّتوں بھرا اجتماع فیضانِ مدینہ محلہ سوداگران سبزی منڈی میں ہر ہفتہ کو نمازِ مغرب کے بعد شروع ہوجاتا ہے "دعوتِ اسلامی" کے سُنّتوں کی تربیت کے لیے بیشمار مدنی قافلے شہر بہ شہر، گاؤں بہ گاؤں سفر کرتے رہتے ہیں، آپ بھی **سُنّتوں بھرا** سفر اختیار فرما کر اپنی آخرت کے لیے نیکیوں کا ذخیرہ اکٹھا کریں۔